

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# مجالسِ مُحْسِنہ

(جلد دوم)

سفینۂ نجات

درس گاہِ کربلا

سن تصنیف :- ۱۹۴۱ء

:- تالیف و تصنیف :-

خطیبہ اہل بیتؑ سیدہ محسنہ بیگم نقوی علی اللہ مقامہا

بنت سید ظفر عباس نقوی ایڈووکیٹ (علیگ)

محسنہ اکیڈمی - نیوجرسی (امریکہ)، لندن (برطانیہ)، کراچی (پاکستان)



## جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

|               |   |                                                                                                                           |
|---------------|---|---------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|
| کتاب          | : | مجالسِ محسنہ (جلد دوم)                                                                                                    |
| عنوان         | : | سفینہٴ نجات (درس گاہِ کربلا)                                                                                              |
| مقرر          | : | خطیبہ محمد و آل محمدؑ سیدہ محسنہ بیگم علی اللہ مقامہا                                                                     |
| ترتیب و پیشکش | : | علامہ ڈاکٹر سید ضمیر اختر نقوی                                                                                            |
| اشاعت         | : | اول (۱۴۲۸ھ بمطابق ۲۰۰۷ء)                                                                                                  |
| تعداد         | : | ایک ہزار                                                                                                                  |
| کمپوزنگ       | : | ریحان احمد                                                                                                                |
| مطبع          | : | سید غلام اکبر 0300-2201665                                                                                                |
| قیمت          | : | دو سو روپے                                                                                                                |
| ناشر          | : | مرکزِ علومِ اسلامیہ 4-1، نعمان ٹیرس فیز۔ III<br>گلشنِ اقبال، بلاک۔ 11، کراچی۔ پاکستان<br>فون: 021-4612868<br>0300-2778856 |



# فہرستِ مجالس

پیش لفظ..... علامہ ڈاکٹر سید ضمیر اختر نقوی..... صفحہ ۶۰

| نمبر شمار | مجالس نمبر  | فضائل                  | مصائب                      | صفحہ نمبر |
|-----------|-------------|------------------------|----------------------------|-----------|
| ۱         | مجلس اول    | محرم کا چاند           | استقبالِ عزا               | ۱۱        |
| ۲         | مجلس دوم    | فضائلِ مجلسِ عزا       | حضرت سید سجاد کا گریہ      | ۱۵        |
| ۳         | مجلس سوم    | ایفائے عہد             | مدینے سے امام حسینؑ کا سفر | ۲۳        |
| ۴         | مجلس چہارم  | عظمتِ صبر              | شہادتِ حضرت عونؑ و محمدؑ   | ۳۴        |
| ۵         | مجلس پنجم   | اسلام کی بھرپور جوانی  | درحالِ حضرت عباسؑ          | ۴۴        |
| ۶         | مجلس ششم    | سیرتِ ابوالفضل العباسؑ | درحالِ حضرت عباسؑ          | ۵۳        |
| ۷         | مجلس ہفتم   | ذبحِ عظیم              | شہادتِ حضرت علی اکبرؑ      | ۶۳        |
| ۸         | مجلس ہشتم   | حبِ اللہ               | شہادتِ حضرت علی اصغرؑ      | ۷۲        |
| ۹         | مجلس نہم    | ذکرِ علیؑ عبادت ہے     | شہادتِ امام حسینؑ          | ۸۶        |
| ۱۰        | مجلس دہم    | عبادتِ الہی            | شہادتِ امام حسینؑ          | ۹۶        |
| ۱۱        | مجلس یازدہم | احسان اور قرآن         | دفنِ شہدائے کربلا          | ۱۰۵       |

|     |                            |                       |              |    |
|-----|----------------------------|-----------------------|--------------|----|
| ۱۱۸ | مصائب دربار شام            | صابرین پر سلام        | مجلس دوازدهم | ۱۲ |
| ۱۲۹ | شہادتِ حضرت سکینہؓ         | اجر رسالت اور موذت    | مجلس سیزدهم  | ۱۳ |
| ۱۴۱ | چہلم سید الشہداء           | مصائب                 | مجلس چہاردهم | ۱۴ |
| ۱۴۸ | اہل بیت کی مدینے واپسی     | جنگِ احد              | مجلس پانزدہم | ۱۵ |
| ۱۵۷ | شہادتِ حضرت زینبؓ          | فضائلِ جناب سیدہ عالم | مجلس شانزدہم | ۱۶ |
| ۱۷۰ | شہادتِ حضرت علیؓ           | دعائے خلیل            | مجلس ہفتدہم  | ۱۷ |
| ۱۷۹ | شہادتِ حضرت علیؓ           | محکم قصاص             | مجلس ہجدهم   | ۱۸ |
| ۱۹۰ | برکاتِ ماہِ رجب            | محفلِ میلاد           | مجلس نوزدہم  | ۱۹ |
| ۲۰۵ | کعبے میں حضرت علیؓ کا ظہور | مولودِ حرم            | مجلس بیستم   | ۲۰ |



حیاتِ محسنہ..... صفحہ نمبر ۲۱۸

از: علامہ ڈاکٹر سید ضمیر اختر نقوی

مصطفیٰ آباد..... صفحہ نمبر ۲۵۸

از: علامہ ڈاکٹر سید ضمیر اختر نقوی



## انتساب

### حضرت امام زادہ سید جعفر الذکی کے نام

سید جعفر کی کنیت ابو عبد اللہ، آپ کے القاب ذکی، مرتضیٰ اعظم، ابوالکریم، مہر قع، ابوالبنین مشہور ہیں۔ آپ کی ولادت ۲۳۶ھ میں قرار پائی ہے۔ اور ۳۴۲ھ میں آپ نے چھیانوے سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کی قبر حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے روضہ مبارک بمقام ”سامرہ“ ہے۔ (فتی الامال جلد دوم) ایران کے دورِ حاضر کے جید عالم اور اعلم الانساب آیت اللہ العظمیٰ سید شہاب الدین العرشی نجفی رضوان اللہ حضرت جعفر الذکی سے منسوب من گھڑت روایت کو غلط قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں تفرقہ و اختلاف پیدا کرنے کی خاطر دشمنان آل محمدؐ نے یہ روایت پھیلائی ہے آقائے مرعشی کی تحریر کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔

”سید جعفر الذکی سید جلیل نے کبھی بھی دعویٰ امامت نہیں کیا تھا اور کچھ دشمنان آل رسولؐ نے تفرقہ و اختلاف کی غرض سے ضعیف الاعتقاد شیعوں میں یہ افواہیں پھیلا دی تھیں اور ناحیہ مقدسہ سے صادر ہونے والی توقعیات میں سے ایک توقع میں خود حضرت ولی عصر علیہ السلام فرماتے ہیں، ”میرے چچا جعفر کے بارے میں اپنی زبانوں کو لگام دو کہ رعایا کو حق نہیں ہے کہ وہ معصومین کے فرزندوں کے سلسلے میں جسارت کرے کیوں کہ رسول اللہ اپنی اولاد کے سلسلے میں اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ کوئی مسلمان ان کی اولاد کی توہین کرے کیونکہ اُن کی اولاد کی توہین خود ان حضرات کی توہین ہے جس کی وہ اولاد ہیں۔“

حضرت جعفر الذکی کی نسل میں تمام سبزواری نقوی، گردیزی نقوی، بغدادی نقوی، واسطی نقوی، بخاری نقوی ہیں۔

## پیش لفظ

خطیبہ اہل بیت محسنہ بیگم نقوی کی ولادت ۱۹۱۸ء سلطان پور، یو۔ پی میں ہوئی۔ اُن کے والد گرامی سید ظفر عباس نقوی ایڈوکیٹ بی اے (علیگ)، ایل ایل بی (کلکتہ) سلطان پور کے مشہور وکیل اور معروف رئیس تھے۔ محسنہ بیگم مرحومہ کے دادا سید مظہر حسن نقوی منڈ واسادات کے نقوی اصفہانی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ محسنہ بیگم نقوی پانچ بہنوں اور چھ بھائیوں میں اپنے والد کی سب سے بڑی اولاد تھیں۔ سادات گھرانوں کے دستور کے مطابق اپنے والد سے انھوں نے عربی، فارسی، اردو اور انگریزی پڑھی۔ اُن کے والد چونکہ ایک علمی وادبی شخصیت تھے اور عالم بھی تھے، بہترین مجالس پڑھتے تھے محسنہ بیگم مرحومہ نے اپنے والد سے خطابت بھی سیکھی۔ دس سال کی عمر سے انھوں نے مجالس پڑھنا شروع کیں۔ ۱۹۲۸ء سے ۱۹۴۰ء کے درمیان جو مجالس انھوں نے پڑھیں اس میں سے ۲۵ مجالس اُن کے ذخیرہ کتب میں ”راہِ نجات“ کے نام سے موجود ہیں، یہ مجالس قدیم ہیں، ”مجالس محسنہ“ (جلد اول) کے نام سے شائع کی جا رہی ہیں۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۶۰ء تک جو مجالس انھوں نے پڑھیں ان میں سے بیس مجالس، ”مجالس محسنہ“ (جلد دوم) کے نام سے شائع کی جا رہی ہیں۔ دونوں جلدوں میں عہد کے اعتبار سے زبان و بیان کا فرق محسوس ہوتا ہے۔

۱۵ نومبر ۱۹۳۵ء بمطابق ۱۷ شعبان ۱۳۵۴ھ میں محسنہ بیگم کی شادی سید ظہیر حسن نقوی فرزند سید دیانت حسین نقوی (رئیس مصطفیٰ آباد ضلع رائے بریلی) کے ساتھ ہوئی۔ شادی سے پہلے سلطان پور میں ہی مجالس پڑھنے کا موقع ملا لیکن شادی کے بعد زیادہ تر قیام لکھنؤ میں رہا، اس لیے بحیثیت خطیبہ لکھنؤ میں انھیں شہرت



حاصل ہوئی۔ ۱۹۵۶ء تک انھوں نے مسودے تیار کر کے مجالس پڑھیں، لیکن ۱۹۵۷ء سے وہ زبانی تقریریں کرنے لگیں اور زبانی تقریریں کرنے والی لکھنؤ کی پہلی ذاکرہ قرار پائیں۔ اس زمانے میں ٹیپ ریکارڈ کا دستور نہیں تھا اس لیے وہ تقریریں تو محفوظ نہ رہ سکیں لیکن ان کے ابتدائی زمانے کی تقریروں کے جو مسودے ہمیں دستیاب ہوئے انھیں ہم دو جلدوں میں چھاپ رہے ہیں۔

### مجالسِ محسنہ (جلد اول) پر تبصرہ:

ان مجالس میں اس عہد کے دستور کے مطابق فضائل اور مصائب بیان کیے گئے ہیں۔ یہ مجالس مختصر ہیں۔ ان میں فضائل کا بیان بھی نہایت مختصر نظر آتا ہے۔ جگہ جگہ فارسی اشعار خصوصاً مثلاً محتشم کاشی کے مرثیے کے اشعار درج ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مجالس میں فارسی اشعار پڑھے جاتے تھے۔ ہم نے فارسی اشعار سے مماثلت رکھنے والے انیس و دسیر کے مرثیوں کے اقتباسات بڑھادیئے ہیں تاکہ پڑھنے والی خواتین مضمون کو آسانی سے سمجھ سکیں۔ مسودے میں کوئی ترمیم نہیں کی گئی تاکہ اندازہ ہو کہ قدیم زبان میں چاشنی تھی۔ ان مجالس کو مستند حوالوں سے محسنہ بیگم نے تیار کیا ہے۔ جگہ جگہ تاریخی کتابوں اور مقالے کے حوالے ملتے ہیں۔ بعض مقامات پر راویانِ حدیث کے نام بھی لکھے گئے ہیں۔ جن کتابوں سے روایتیں اخذ کی گئیں ہیں ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

- |                   |                         |
|-------------------|-------------------------|
| (۱) بحار الانوار  | (۲) خزانجِ راوندی       |
| (۳) کتابِ منتخب   | (۴) زیارتِ ناحیہ مقدّسہ |
| (۵) صواعقِ محرّقہ | (۶) ریاض الشہادت        |
| (۷) سرور المومنین | (۸) حدیقۃ الشہادت       |
| (۹) بحر المناقب   | (۱۰) مصائب الابرار      |

- (۱۱) انوارِ شہادت (۱۲) عیان البرکاء  
 (۱۳) کشف الحجب (۱۴) مُحَرِّقُ الْقُلُوبِ  
 (۱۵) کنز المصاب (۱۶) گلشنِ عزاء  
 (۱۷) مقتلِ شاہِ شہیدان (۱۸) امالی شیخ صدوق  
 (۱۹) اسرارِ شہادت (۲۰) بحر البکا  
 (۲۱) وسیلۃ النجات (۲۲) حُزْنُ الْمُؤْمِنِينَ  
 (۲۳) تفسیرِ مجمع البیان (۲۴) تفسیرِ عزیزی  
 (۲۵) تفسیرِ لوامع التزیل (۲۶) عرائس ازغلبی  
 (۲۷) خلاصۃ المصاب (۲۸) بحر المصاب  
 (۲۹) تاریخ طبری

اسی طرح محدثین کے نام جن کے حوالے اس کتاب میں موجود ہیں مندرجہ ذیل ہیں۔

- (۱) حضرت علی علیہ السلام (۲) امام حسین علیہ السلام  
 (۳) امام زین العابدین علیہ السلام (۴) امام محمد باقر علیہ السلام  
 (۵) امام جعفر صادق علیہ السلام (۶) امام علی رضا علیہ السلام

غیر معصوم راوی:-

- (۱) احمد ابن حنبل (۲) ابو ہریرہ (۳) نصر بن مزاحم  
 (۴) عبد الحمید (۵) عبد اللہ ابن عباس (۶) عمر ابن خطاب  
 (۷) حمید ابن مسلم (۸) شیخ مفید (۹) داؤد بن کثیر رقی

مجالسِ محسنہ (جلد دوم) پر تبصرہ:

جلد دوم میں ترقی یافتہ خطابت کے آثار نظر آتے ہیں اور عہدِ جدید کی خطابت کی جھلکیاں بھی اس کتاب میں ملتی ہیں، اگر ان کے آخری دور کی تقریریں بھی مل جاتیں



تواندازہ ہوتا کہ کس طرح عہد بہ عہد خطابت میں ترقی ہوتی رہی۔ پہلی جلد کے مقابلے میں دوسری جلد میں ایک بات یہ نظر آتی ہے کہ پہلی جلد میں مجالس بغیر عنوان کے تھیں، لیکن دوسری جلد میں ہر مجلس باقاعدہ ایک عنوان کے تحت ہے۔ جیسے محرم کا چاند، فضائل مجلس عزاء، ایفائے عہد، عظمت صبر، اسلام کی بھرپور جوانی، سیرت ابوالفضل العباسؑ، ذبح عظیم، جبل اللہ، ذکر علیؑ عبادت ہے، عبادت الہی، احسان اور قرآن، صابریں پر سلام، اجر رسالت اور موذت، مصائب، جنگ احد، فضائل جناب سیدہ عالم، دعائے خلیل، حکم قصاص، محفل میلاد، مولودِ حرم۔

دونوں جلدوں میں ایک واضح فرق یہ بھی ہے کہ مجالسِ محسنہ (جلد اول) کی ہر مجلس کا آغاز حدیثِ معصوم سے ہو رہا ہے اور مجالسِ محسنہ (جلد دوم) میں مجالس کا آغاز قرآنی آیات سے ہو رہا ہے۔

محسنہ بیگم مرحومہ نے ۸ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۲ اپریل ۱۹۷۷ء بروز منگل ۵ بج کر ۱۰ منٹ پر بمقام ۴۔ ایچ رضویہ سوسائٹی اپنے مکان کے عز خانے میں فرشِ عزاء پر عین مجلس میں انتقال فرمایا۔ یہ دن ایامِ عزاء کا آخری دن ہے اور یومِ شہادت امام حسن عسکری علیہ السلام ہے۔

محسنہ بیگم مرحومہ کی برسی کی مجلس ہر سال ۸ ربیع الاول کو شام ۵ بجے امام بارگاہِ رضویہ سوسائٹی میں منعقد ہوتی ہے۔

وفات کے تقریباً تیس برس کے بعد ان کی مجالس دو جلدوں میں اشاعت پذیر ہو رہی ہیں۔ مرحومہ کی پہلی برسی (۱۹۷۷ء) پر کتاب ”محسنہ عزاء“ شائع ہوئی تھی جس میں ان کے قصائد اور نوے شائع ہو چکے ہیں۔ انھوں نے مرزا دبیر کے مرثیے بھی ترتیب دیئے تھے یہ مرثیوں کی جلد آئندہ اشاعتی پروگرام میں شامل ہے۔ جو انشاء اللہ جلد ہی شائع ہوگی

## خطبه

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ  
وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَالْمُرْسَلِينَ وَالِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ  
الْمَعْصُومِينَ وَلَعَنَ اللَّهُ عَلَى أَعْدَائِهِمْ  
أَجْمَعِينَ مِنْ يَوْمِنَا هَذَا إِلَى يَوْمِ الدِّينِ -  
أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِي كِتَابِهِ  
الْمُبِينِ وَهُوَ أَصْدَقُ الصَّادِقِينَ إِنَّ اللَّهَ  
وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا  
الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا  
تَسْلِيمًا ط



## مجلس اوّل

### محرم کا چاند

عزادارانِ امام غریب الوطن آج ہمارے اور آپ کے دل خود بخود رنجیدہ و ملول ہیں شاید اس لیے کہ ابھی ابھی ہم نے فلک کج رفتار پر ایک نشان دیکھا ہے جس کو اہل فلک و اہل زمین چاند بدریا قمر کہتے ہیں۔ اکثر یہ نشان دیکھ کر ہم خوشیاں مناتے ہیں، اپنی اور اپنے گھروں کی زینت کرتے ہیں۔ آپس میں گلے ملتے ہیں لیکن آج وہی نشان دیکھ کر دل چاہتا ہے آنکھوں سے خون کا دریا بہا دیں، یہ کیوں ہے، حالانکہ سنتے ہیں اس چاند میں ہمارے مظلوم امام ہمارے گھر میں تشریف فرما ہو کر ہمارے مہمان ہوتے ہیں۔ لیکن پھر ہم اشکبار کیوں ہیں! دیکھئے غور کیجئے، تو یہ چاند بھی افسردہ و ملول نظر آتا ہے۔ شاید یہ چاند رونے اور رلانے ہی کے لئے فلک پر ہویدا ہوتا ہے اور امام ہمارے ہی آنسو دیکھنے کے لیے تشریف لاتے ہیں۔ تو پھر کیوں نہ ہم اشک غم برسائیں، عزادارو! تمہارے آنسو کیوں رواں ہیں ارے یہ اسی غریب فاقہ کش امام کی مصیبتوں پر نکلتے ہیں۔ واللہ یہ آنسو تو عبادت ہیں، شبیر کے غم میں رونا واجب العینی ہے، اس عبادت سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں، اس مصیبت سے زیادہ کوئی مصیبت نہیں، جتنی بھی آہ و زاری کریں کم ہے۔ ہم ہی نہیں جن و ملک و خوش و طیور، آسمان و زمین، آفتاب و ماہتاب، غرض کہ عالمِ ایجاد کی ہر شے اس چاند کو دیکھ کر ہمیشہ سینہ زنی کرتی ہے پھر ہم کیوں نہ روئیں ہم کو

اشرف المخلوقات ہونے کا شرف حاصل ہے۔ تعز یہ دارانِ حسینؑ رویئے جتنا بھی ہو سکے یہ کارِ ثواب ہے، استقبال کیجئے اس کا جو ان آنسوؤں کا خالق ہے، خدا کی قسم نمائندہ خدا کی آمد ہے۔ امیروں کے آقا غریبوں کے مولا کی آمد ہے، عابد و اور زاہد و اٹھو کہ آج تمہارے سجدوں کی قبولیت کے سہارے کی آمد ہے، گناہگاروں بروہو کہ فطرس کے شفاعت کنندہ کی آمد ہے، قسمتِ اسلامی بیدار ہو جا اور اے اسلام استقبال کو تیار ہو جا کہ آج روحِ رسالت کی آمد ہے، محبت کے معرف صداقت کے مصدق کی آمد ہے، سچائی کے شاہد اور انصاف کے پروردگار کی آمد ہے، توحید کے موتی اور خدائی کے خریدار کی آمد ہے، مساوات کے محسن اور انقلاب کے آقا کی آمد ہے، صبر و رضا کے سلطان شہیدوں کے شہنشاہ کی آمد ہے، کائنات جس کی پروانہ ہے اس کی آمد ہے، جنت جس کا تصدق ہے اس کی آمد ہے، ہاں آمد ہے ظلم شکن مظلومیت کے فاتح اعظم کی آمد ہے، تمہارے درد دل کے مالک کی آمد ہے، تمہارے آنسوؤں کے خالق کی آمد ہے، ہاں ادب سے دست بستہ ہو جاؤ، رسن بستہ اسیر شام جناب زینبؑ و کلثومؑ کے بھائی کی آمد ہے، وفادار و سر تسلیم خم کر لو خدائے وفا عباسؑ دلاور کے پشت خم برادر کی آمد ہے۔ جوانو! اٹھو غمِ حسینؑ کا بار اپنے اپنے کاندھے پر بار کرو یوسفؑ کربلا حضرت علی اکبرؑ کے جگر و نگار زخمی باپ کی آمد ہے، نو جوانو! تیار ہو جاؤ اشکِ حسرت برسانے کے لئے قاسمؑ نوشاہ کے چچا کی آمد ہے، کسینو کھیل چھوڑ دو عونؑ محمدؑ کے ماموں کی آمد ہے، ذرا نظر اٹھا کے دیکھو تو شبیرؑ کے ہاتھوں پر ایک ننھے مجاہد اصغرؑ بے شیر کی آمد ہے، شمعِ حسینی کے پروانو الفتِ شبیرؑ کے دیوانو اٹھو اور خون کے آنسوؤں سے ساغرِ چشم چھلکا کے اٹھو، جگر کے خون کو پانی کر کے اٹھو، مجبواٹھ کے استقبال کرو جس نے تمہارے لئے سینہ تان کے تیر و تلوار کا استقبال کیا۔ نبیؐ کے نواسے علیؑ کے لاڈ لے سیدہ کے لال اور شہیدز ہر دغا حضرت



حسن کے ٹیکس بھائی کا استقبال کرو۔ ہاں خبردار خبردار استقبال کرنے کے لئے مادہ پرست دنیا کے پھولوں کو نہ لانا، دولت مندوں ہوشیار کہیں دنیا پرستوں کے دل کی طرح ظاہری چمک رکھنے والے لعل و جواہر کو نچھاور کرنے کے لیے ساتھ نہ لانا۔ حسینؑ انوکھے ہیں ان کا استقبال بھی نرالا ہونا چاہئے، یہاں دلوں کا فرش اور پُرخلوص اشکوں کے ہار ہونا چاہئیں، استقبال کی محفل رنج و الم سے سجانا چاہئے۔ بزم کو دردِ دل کی خوشبو سے مہکانا چاہئے ہمیں تو آہ و بکا کے شور سے دنیا کو پُر آواز بنانا چاہئے۔ اور ماتی سینہ زنی سے دھرتی کا کلیجہ دھڑکانا ہے۔ بچو اور بوڑھو ہوشیار ہو جاؤ جوانو اور نو جوانو تیار ہو جاؤ۔ مردو اور عورتو اٹھو آؤ اپنے آقا کا استقبال کریں اپنے مولا کا خیر مقدم کریں آؤ ہم سب مل کے ساحلِ فرات کے پیا سے مسافر کی یاد میں آنکھوں سے پانی بہائیں اور آہ و بکا کے شور سے مظلوم کی فریاد دنیا کو سنائیں۔ عزادارو..... آؤ خدا کی خاطر آؤ خدا کی قسم خدا بھی خوش ہوگا۔ اور روح رسالت مآب ہماری ذات پر فخر کرے گی۔ معصومہ عالم ہم کو آفریں کہیں گی۔

خرددار جوانانِ بہشت ہماری سفارش کریں گے۔ علی مرتضیٰؑ سختی مرگ کو آساں کریں گے۔ دہشتِ قبر و نکیرین سے بے خوف کریں گے۔ پھر کیوں نہ ہم اس مظلوم کا ماتم برپا کریں۔ جس نے صرف ہماری بخشش کی خاطر وہ سب کچھ گوارا کیا جس کے خیال سے ہمارا کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔ آئیے حسینؑ کی صف ماتم پر فرشتے آپ کے استقبال کے منتظر ہیں مخدومہ کو نین اپنے رومال سے آپ کے آنسوؤں کو جذب کرنے کے لئے بے قرار ہیں۔ رویئے اور خوب رویئے پرسہ دیجئے، شہزادی جناب سیدہ عالم کو ان کے بہتر جگر کے ٹکڑوں کا پرسہ دیجئے، نگاہِ تصور سے عرب و عراق کی ریتیلی منزلوں پر حسینؑ کو تلاش کیجئے کہیں پر آپ کو وہ ذی حشم ضرور ملے گا۔ مگر کس شان سے اس کے بیان کی مجھے تاب نہیں نہ مجال ہے میری کہ

میں وہ مناظر بیان کر سکوں تاہم دل یہ کہتا ہے کہ چند ہاشمی شجاعان عرب ہیں جو حق کی راہ پر چلتے چلتے بھی یاد خدا میں مصروف ہیں ہاتھوں میں تسبیح لب پر ذکر خدا ہے شام کے آثار پیدا ہوئے اور غازیوں نے نظریں آسمان پر گاڑ دیں شاید کسی چیز کی تلاش تھی آپ سمجھے ان سپاہیوں کو کاہے کی تلاش تھی عزاداران امام مظلوم یہ سب کے سب اُسی کمان کی متلاشی تھے جس کے تیر سے سیدہ کا کلیجہ جھلنی بننے والا تھا، دیکھئے شہنشاہ کربلا نے اس شے کا آسمان پر مشاہدہ کر لیا اور باچشم گریاں ایک بار وہاں سے نظریں دوسری طرف پھیریں۔ پہلو پر ملاحظہ فرمایا۔ پہلو میں جگر بند فرزند ارجمند تھا چاہئے تھا کہ حسینؑ لختِ دل کو دیکھ کر متہتم ہوتے۔ مگر نہیں ایسا نہیں ہوا بلکہ حسینؑ نے پیشانی علی اکبرؑ کا بوسہ لیا اور آنکھوں سے اشکِ غم ٹپکا دیئے شاید اس لئے کہ اب نہ حسینؑ عالم فانی کی ان تارِ بخوں میں نظر آئے گا اور نہ صورتِ احمدِ مختار دکھلائی دے گی۔ دونوں مناظر میرے امام کے لئے آخری تھے۔ علاوہ بریں یہ وہ چاند تھا جس کا آغاز بھی میرے صابر امام کے لئے مصیبتوں کا پیش خیمہ بن کر آیا۔ کہیں مسلم کی سنائی، کہیں پانی کا قحط، کہیں گھر جانے کی مصیبت، کہیں قتل کا اندیشہ، کہیں لٹ جانے کا خطرہ۔ کہیں بے پردگی کا دھڑکا غرض کہ اس چاند میں اہل بیتؑ نبویؑ پر مصیبت کا خاتمہ ہونے والا تھا۔ محرم کا چاند ہماری مظلوم شہزادی حضرت زینبؑ نے بھی دیکھا، اس غم انگیز منظر کو میرا نیتس پیش کرتے ہیں:-

اتنے میں یہ فِضّہ علی اکبرؑ کو پکاری      لو دیکھ چکلیں چاند ید اللہ کی پیاری  
عادت ہے کہ وہ دیکھتی ہیں شکل تمہاری      آنکھوں کو کئے بند یہ فرماتی ہیں داری  
آئے تو رُبَّ اکبرؑ ذی قدر کو دیکھوں  
شکلِ مہِ نو دیکھ چکی بدر کو دیکھوں (میرا نیتس)



## مجلس دوم فضائل مجلس عزرا

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو مومن ہمارے مصائب کا ذکر کرے اور ان مصائب پر روئے وہ مومن رونے والا اور رلانے والا ہمارے ساتھ ہوگا اور بروز قیامت ہمارے درجہ میں ہوگا۔ اور فرمایا جناب امام رضاؑ نے کہ جو مومن شریک ہو اس مجلس میں کہ جس میں ہمارا امر زندہ کیا جائے یعنی جس مجلس میں ہم اہل بیتؑ کے فضائل یا مصائب مذکور ہوں اور ہماری مصیبت پر روئے پس اس کے عوض اس کا دل اُس روز مردہ نہ ہوگا جس روز تمام دل مردہ ہوں گے اور نہ اس کی آنکھ گریاں ہوگی کہ جس روز تمام خلایق کی آنکھیں ہول قیامت سے گریاں ہوں گی، منقول ہے کہ ایک روز آقائے دو جہاں شاہِ خراساں امام غریب الغر با سلطان عرب و عجم امام ضامن و ثامن جناب علی رضا علیہ السلام کسی جاتشریف لئے جاتے تھے ناگاہ راہ میں دیکھا کہ ایک صیاد ایک آہوشکار کئے چاروں پاؤں باندھے کاندھے پر لیے

چلا آتا ہے جب وہ امام علیہ السلام کے قریب پہنچا اور ہرنی کی نگاہ حضرت پر پڑی بعد درود و سلام عرض کرنے لگی اے فریاد رس عالم میری جان آپ پر قربان ہو یہ صیاد مجھے اسیر کئے لئے جاتا ہے یقین ہے کہ جا کر ذبح کرے گا اور میں دو بچے شیر خوار رکھتی ہوں آج صبح سے ان دونوں بچوں کو اپنے مسکن میں چھوڑ کر آب و دانہ کی تلاش میں نکلی تھی کہ دام اجل میں گرفتار ہوگئی ابھی تک دودھ پلانے کی بھی نوبت نہیں آئی دردِ مادری سے دل بے چین ہے چاہتی ہوں کہ آپ دو ساعت کے لیے ضامن ہو کر اس دام سے رہا فرمائیں ابھی جاتی ہوں اور اپنے بچوں کو دودھ پلا کر حاضر ہوتی ہوں یہ فریاد سن کر آپ نے صیاد سے سعی فرمائی اور ارشاد کیا اگر یہ ہرنی حسب وعدہ نہ آئے گی تو میں تجھ کو اس کی قیمت دوں گا وہ صیاد حضرت کو نہ پہچانتا تھا کہنے لگا یہ وحشی چھوٹے ہی ہرن ہو جائے گا مجھے یقین نہیں ہوتا کہ دام سے رہا ہو کر خود بخود قابو میں آئے، حضرت اسی مقام پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ جب تک یہ ہرنی نہ آئے گی میں یہیں تیرے سامنے بیٹھا ہوں ہرگز اس جگہ سے نہ جاؤں گا۔ چنانچہ مومنات وہ مقام خراسان میں ابھی تک موجود ہے جہاں حضرت اس ہرنی کے ضامن ہو کے بیٹھے تھے اور زائرین اُس مقام کی زیارت کرتے ہیں۔ غرض صیاد نے اسے چھوڑ دیا اور تا وقت وعدہ منتظر رہا جب دیر ہوئی تو حضرت سے کہنے لگا میں نے کہا تھا ان صحرائی جانوروں کا کچھ اعتماد نہیں دیکھئے ابھی تک نہ آئی، حضرت نے فرمایا صبر کرتی ہے، ناگاہ سامنے وہ ہرنی مع اپنے بچوں کے بہ سرعت تمام آتی ہوئی نظر پڑی جب قریب آئی قدم مبارک پر جھک کر آنکھیں ملنے لگی اور لوٹنے لگی آپ نے پوچھا اے ہرنی اتنی دیر کیوں لگائی اس نے بے اختیار آنکھوں سے آنسو بہا کر عرض کی یا مولا یہاں سے جا کے جب اپنے بچوں کو دودھ پلا چکی تو اُن کو اپنے ہمراہ لے کر حسب وعدہ چلی آتی تھی ناگاہ اثناءِ راہ میں دیکھا چونکہ آج



گیا رہویں محرم کی تھی اس صحرا میں لبِ دریا چند آہوان ہم جلس نے جمع ہو کر مجلسِ عزاء برپا کی ہے اور مصائبِ جناب سید الشہداء بیان کر کے مصروفِ گریہ وزاری ہیں میں نے خیال کیا کہ اس وقت یہ مجلس ماتمِ غنیمت ہے پھر کہاں میسر ہوگی، میں تو ابھی جا کر ذبح ہو جاؤں گی یہ سوچ کر تھوڑی دیر آپ کے جدِ بزرگوار کی مجلسِ عزاء میں شریک رہی اس وجہ سے دیر ہوئی، حضرت یہ سنتے ہی چیخ مار کر رونے لگے اور فرمایا اے آہو تو نے اس غمِ جانکاہ کو اس وقت از سر نو تازہ کیا اور اس قدر روئے کہ بے ہوش ہو گئے، جب ہوش میں آئے تو صیادِ خوش اعتقاد نے اس معجزہ سے پہچاناکہ یہ میرے مولا امام رضاؑ ہیں قدموں پر گر کر عذر کرنے لگا اور عفوِ تقصیرِ لاعلمی کا خواستگار ہوا اور ہرنی کو مع بچوں کے آزاد کر دیا اس وقت حضرت نے صیاد سے ارشاد کیا اپنا دامن پھیلا جب اس نے دامن پھیلا یا اس وارثِ بوتاب نے دو مُشتِ خاک دامنِ صیاد میں ڈال دی جب اُس نے نگاہ کی تو تمام گوہر بے بہا جواہر پڑیا تھے کیوں مومنات آپ نے حضرت مظلومِ کربلا کی برکتِ مجلس کو سنا کہ ہرنی کی جان بچی صیاد غنی ہوا پس اپنے آقا کی مصیبت پر رویئے کہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص امام حسینؑ کی مصیبت پر روتا ہے وہ جناب رسولِ خدا اور جناب فاطمہؑ زہرا پر احسان کرتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ جناب سیدہ عزا داروں کی اعانت فرماتی ہیں چنانچہ صاحبِ حزن المومنین نقل بیان کرتے ہیں کہ ایک مومنہ عزا دار امام حسینؑ نجف اشرف میں رہتی تھی ایک سال اس کو کوئی آدمی خدمتِ عزا خانہ کے لیے نہ ملا اور ایامِ عزاء آہنچے یہاں تک کہ ہلالِ محرم نمایاں ہوا، اس شب وہ مومنہ کمال مضطرب الحال ہو کر اپنے امام باڑے میں بہ خلوص نیت تہ دل سے دست بہ دعا ہوئی کہ اے آقاؑ مظلوم ہر چند میں نے تلاش کی مگر کوئی مرد یا عورت حضرت کی مجلس کے کاروبار کے لئے نہیں ملتی، امیدوار ہوں کہ آپ کوئی خادم اپنی مجلس کے

لئے بھیج دیں کہ میں تنہا ہوں وہ میری اعانت کرے، وہ مومنہ کہتی ہے کہ جب اہل عزائمیرے یہاں جمع ہوئے تو ایک بی بی نورانی صورت اثنائے مجلس میں دفعۃً آکر مجھ سے بولی اے ضعیفہ تو تنہا ہے میں تیری اعانت اور اہل عزاک کی خدمت کرنے آئی ہوں یہ سن کر میں نہایت خوش ہوئی اور اس بی بی کو مجلس کے انتظام میں شریک کیا پس میں نے دیکھا کہ وہ بی بی عزاداروں کی خدمت میں دل و جان سے مصروف ہے اور جب دسترخوان بچھتا ہے تو وہ بی بی (عزاداروں) جام آب سامنے لا کر رکھتی ہے اور کہتی ہے اے بیسیو یہ کھانا نوش کرو اور یہ آب سرد پیو مگر رنگی و تشنگی حسین و اطفال حسین کو دل سے نہ بھلانا، الغرض وہ خاتون معظمہ دس روز تک برابر شب و روز گریاں و نالاں عزاخانے کی خدمت میں مصروف رہی، جب صبح عاشورا نمودار ہوئی دیکھا میں نے کہ وہ بی بی اس طرح بے تاب گریبان چاک منہ پر خاک ملے بے قرار ہو کر رو رہی ہے جیسے کوئی لاشِ فرزند یکس پر روتا ہے میں نے تعجب سے پوچھا اے بی بی آج تو اس قدر بے چین ہو کر کیوں روتی ہے کیا تیرا کوئی فرزند نوجوان مر گیا ہے آہ آہ وہ معظمہ فریاد کر کے بولی ہائے تو ایک فرزند کو پوچھتی ہے آج میرے اٹھارہ طفل و جواں بھوکے پیاسے مثل گوسفندان قربانی ذبح ہو گئے۔ پس اسی اثنا میں مجلس ماتم برپا ہوئی اور ایک ذاکر منبر پر جا کر مصائب حسین پڑھنے لگا یہاں تک کہ جب ذاکر کی زبان سے یہ نکلا افسوس صد افسوس حسین مظلوم کے سر کو ظالموں نے کاٹ کر نیزے پر نصب کیا اور ان کی بہن زینب کو شہید کی لاش پاش پاش پر رونے نہ دیا اس پر یہ قیامت آئی کہ بھائی کا سر خون سے تر بہن کو دکھلاتے ہوئے کر بلا سے کوفے، کوفے سے شام تک لے گئے یہ سنتے ہی اس معظمہ کو تابِ ضبط نہ رہی اور چیخ مار کے سینہ پر ایک ہاتھ مارا اور غش کر گئی جب وہ خاتون ہوش میں آئی چونکہ مجلس ختم ہو چکی تھی اور ایام عزابھی تمام ہو گئے تھے چاہا میں نے



کہ رخصت ہو، جانفشانی اور خدمت گزاری پر ایک خلعت اپنے حسبِ حیثیت لا کر پیش کیا اس بی بی نے پہلے مجھے دیکھا پھر کربلا معلیٰ کی طرف مخاطب ہو کر آواز دی اے حسین دیکھتے ہو کہ تمہاری عزادار تمہاری خدمت کی اجرت میں مجھ کو خلعت دیتی ہے، یہ کلام اس خاتون کا سن کر بہت حیران و پریشان ہوئی اور دست بستہ عرض کی کہ اے خاتون معظمہ آپ کو قسم ہے اسی مظلوم کی کہ جس کا یہ ماتم پیا ہے بتائیے کہ آپ کون ہیں، یہ سن کر اس مخدومہ کو نین نے فرمایا اے مومنہ میں ہی تو ستم رسیدہ وہ زہرا ہوں جس کا فرزند زمین کربلا پر تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کیا گیا۔

منم زہرا کہ فرزندم حسین است  
شہید کربلا نورِ دو عین است

اے مومنہ تیری دی ہوئی خلعت سے انکار کی دو وجہیں ہیں ایک تو یہ کہ میں ابھی یہ خلعت فاخرہ اور نئی پہن نہیں سکتی اس لیے کہ ابھی مجھے اپنے حسین کی بے کفن لاش پر اسی کالی کفنی میں چالیس روز ماتم کرنا ہے دوسرے میری پارہ جگر زینب و کلثوم سرو پا برہنہ کربلا سے تا شام دربارِ یزید میں لے جائی گئیں، ارے کیوں کر وہ ستم رسیدہ خلعت فاخرہ زیب بدن کرے جس کی بہو بیٹیاں اس ذلت و خواری سے دربارِ امیرِ شام میں جائیں۔ اے مومنہ میں خود عزادارِ ان حسین کو خلعت ہائے بہشت سے محروم کرتی ہوں اور براتِ آزادی دوزخ کی بخشی ہوں اور تجھے بھی روزِ قیامت داخل جنت کروں گی، یہ فرما کر نظروں سے غائب ہو گئیں۔

حضرات سنا آپ نے شفقتِ جنابِ فاطمہؑ زہرا پس رویئے اس مظلوم کو جس کے ماتم کی بنا ایک دوست دارِ اہل بیت جس کا نام زہرتی تھا اسی نے کی، منقول ہے کہ جب جنابِ سیدِ سجادؑ زندانِ شام سے رہا ہو کر وطن میں خانہ نشین ہوئے تو بجز

گریہ و بکا کے آپ کے آقائے کونین کا کوئی کام نہ تھا کہ ایک روز زہری حاضر خدمت بابرکت ہوا اور بعد سلام عرض کی کہ اے مولا یہ خادم خدمت امام میں اس لیے حاضر ہوا ہے کہ فدوی نے اپنے پسر کی شادی خانہ آبادی کا سامان کیا ہے لہذا چاہتا ہوں کہ سلطان مومنین شہنشاہ مشرقین اس بزم شادی کو اپنے قدم مبارک سے منور و روشن کریں تاکہ میرا دلی منشاء پورا ہو اور خادم کی مستورات بھی شہزادی جناب زینب وئم کلثوم کی زیارت کی از حد مشتاق ہیں۔ یہ سن کر امام زین العابدینؑ نے فرمایا اے زہری تجھے معلوم ہے جب سے پدر بزرگوار نے رحلت فرمائی ہم لوگ کسی بزم شادی میں شرکت نہیں کرتے ارے کیونکر وہ غمزدہ بزم شادی میں شریک ہو جس کی آنکھ کے سامنے اٹھارہ عزیز کیسے کیسے زمانے سے اٹھ گئے جن کی کہ نظیر نہیں اے زہری میرا قوت بازو بھائی ہمشکل پیمبر جس کی عین جوانی تھی اور برسوں سے ہم سب کو اس کی شادی کی تمنا تھی اس نے سینے پر برچھی کا پھل کھایا۔ میرا ششماہہ برادر علی اصغر جس کی دودھ بڑھائی بھی نہ ہوئی تھی تیر پیکان کا نشانہ بنا، ہائے میرا غم زادہ قاسم نوجواں ایک شب کا بیابا پامال سم اسپاں ہوا، آہ کہاں تک بیان کروں کہ ان مصائب کا احاطہ ناممکن ہے، پس اے زہری اگر تجھ کو ہم لوگوں کی شرکت منظور ہے تو بزم شادی میں بزم غم میرے پدر بزرگوار کی برپا کر کہ یہ امر تیرے لیے باعث خیر و برکت ہوگا۔ اس لیے کہ جس جگہ میرے پدر عالی مقدار کے فضائل و مصائب بیان ہوتے ہیں وہاں فرشتگان رحمت اور روح رسول مختار و حیدر کرار و جدہ ماجدہ جناب فاطمہ زہرا و عم نامدار حسن سبز قبا بھی تشریف لاتے ہیں۔ یہ سن کر زہری خوش خوش اپنے گھر کو گیا اور بزم ماتم کا سامان کیا اور ایک مکان واسطے مجلس کے فرش و منبر اور جھاڑ و فانوس سے آراستہ کیا۔ چنانچہ حضرات عرب میں آج تک یہ دستور ہے کہ شادی سے پہلے مجلس ماتم امام مظلوم برپا کر لیتے



ہیں۔ تب عقد وغیرہ کرتے ہیں۔ الغرض جب وہ دن ہوا جس روز کہ زہری نے مجلس حسینؑ معین کی تھی با این شان و شوکت امام کو نین جناب زین العابدینؑ کو معہ مخدرات عصمت اپنے مکان پر لے گیا۔ اور قریب منبر ان جناب کو بٹھلایا شہزادیوں کے لئے پردے کا اہتمام تھا۔ اسی اثنا میں ایک دوست دار اہل بیت نے منبر پر جا کر مصائب امام بیان کرنا شروع کیا راوی کہتا ہے کہ ابھی ذکر نے صرف یہی بیان کیا تھا کہ وائے صد افسوس ہمارے ایسے مظلوم امام کو جس نے اُمتِ جد کی خاطر روضہ رسولؐ مرتد زہراؑ چھوڑا اسی کو دشمنوں نے صحرائے کربلا میں رُلّا کر شہید کیا اور ایسا نیکی و مجبور کیا تھا آپ کو کہ برائے مد اپنے ناصروں کو بھی بلا نہ سکے بلکہ ان حضرت پر تین شب و روز پانی بند رکھا۔ مجلس میں بوجہ گریہ ایک شورِ قیامت مچا ہوا آہ آہ جب ذکر نے یہ کہا کہ بعد شہادت صحرائے کربلا میں نبی کا وہ پیارا نواسہ زہراؑ کا وہ لاڈلا بیٹا علیؑ کا جانی جو

دُریگنہ دریائے مجمع البحرین

بخوں طیدہ کرب و بلا امام حسینؑ

تھا اور وہ سلیمانؑ کربلا سایہ کا محتاج تھا، آہ آہ ایسا محتاج کہ پرندوں نے ترس کھا کر اپنے اپنے پروں کا سایہ کیا، یہ سنتے ہی آپ کے آقا و مولا کو تاب ضبط باقی نہ رہی اور روتے ہوئے پائین مجلس تشریف لائے ذکر کی آواز گرفتہ ہو گئی اور بہت لوگ اہل مجلس کے بے ہوش ہو گئے بمشکل اسی پر مجلس تمام کی کہ سید الشہدا کی شہادت کے بعد فوج یزید نے وہ وہ ستم کئے کہ جن کے بیان کا یارا نہیں آہ جن کے گھر میں فرشتگان آسمان بے اذن نہ جاتے تھے جن کی ماں کا جنازہ شبِ تار میں اٹھا تھا جن کا فرق مبارک کھل جانے پر آفتاب تا دیر برآمد نہ ہوا تھا، افسوس صد افسوس وہی زینبؑ و کلثومؑ۔

شامیاں بستند بازو زینب و کلثوم را

اے فلک آں ابتدا میں انتہائے اہل بیت

راوی کہتا ہے تادیر اس طرح گریہ ہوا کہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ابھی اس گھر سے کوئی جنازہ نکلا ہے، اتنے میں زہری جو صاحب مجلس تھا شیرینی تقسیم کرنے کو اٹھا، آہ آہ کیا دیکھتا ہے کہ شاہ بیگیاں سیدالسادین پائین مجلس غش میں پڑے ہیں اور مستقل آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا رواں ہے اس نے امام کو وہاں سے اٹھانا چاہا کہ آپ نے غش سے آنکھیں کھول دیں اور کہا اے زہری تو مجھے یہاں سے نہ اٹھا ارے کیا تو نہیں دیکھتا میری جدہ ماجدہ کو اپنے فرزند کی غربت پر غش آگیا ہے اور جد امجد رسول مختار و امام حسن و خود پدر نامدار میرے گریاں و نالاں ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میرے بزرگوار تو پائین مجلس بیٹھیں اور میں قریب منبر بیٹھوں یہ سن کر زہری رونے لگا اور بصد ادب عرض کرنے لگا کہ اے آقا مجھے معلوم نہ تھا میرے امام عالی مقام اور میری شاہزادی یہاں تشریف رکھتیں ہیں واللہ غلام سے بڑی بے ادبی ہوئی اب عفو و تقصیر کا خواستگار ہے، آپ نے فرمایا اے زہری اگر تو بغیر ہم لوگوں کی ولا کے تمام عمر شب و روز عبادت میں بسر کرتا تو یہ مرتبہ تجھے حاصل نہ ہوتا جو آج اس ماتم پیا کرنے میں ہوا، اے عزادار حسینؑ تو بروز قیامت ہمارے ساتھ محشور ہوگا اور تجھے قصر جنت رہنے کو ملے گا خوشا نصیب تیرا کہ تیرے تمام گناہ گزشتہ و آئندہ بخشے گئے۔



۳  
مجلس سوم

ایفائے عہد

مدینے سے امام حسین علیہ السلام کا سفر

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي كِتَابِ الْمُبِينِ وَهُوَ اَصْدَقُ  
الصَّادِقِينَ وَيُؤْفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝  
وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝

(سورہ دھر آیت ۸)

خداوند عالم اپنے کلامِ بلاغت نظام میں ارشاد فرماتا ہے کہ وہ لوگ ایسے ہیں کہ  
وفا کرتے ہیں نذر کو اور خوف کرتے ہیں اُس روز سے کہ جس روز کی برائی سب  
گنہگاروں کے لیے پھیلی ہوگی اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ خدا کی محبت میں باوجود اپنی  
احتیاج کے کھانا کھلاتے ہیں مسکین اور یتیم اور اسیر کو۔

وعدہ وعید ہو یا نذر و پیمان یا عہد و اقرار یہ لفظیں جس قدر سہل المخرج ہیں اتنا ہی

ان کی معنویت پر عمل درآمد سخت مشکل ہے یہ الفاظ اگرچہ ہم معنی نہیں ہیں مگر قریب المعنی ضرور ہیں۔ وعدہ وعید یہ دونوں ہم معنی ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ وعدہ امر نیک پر کیا جاتا ہے اور وعید سے سزائے افعال کی دھمکی دی جاتی ہے وعدہ بہت آسان چیز ہے لیکن وفا بہت مشکل چیز ہے۔ نذر وعہد یہ بھی ہم معنی ہیں اور نذر وہ ہے جو دل کے اعتقاد کی بنا پر کسی بے نیاز کی حاجت کے لیے کسی درگاہ میں ہو۔ اس سبب سے شرعاً نذر کا ادا کرنا واجب ہے۔ اب رہا عہد و اقرار۔ عہد و اقرار وہ ہے جو زبان کے ذریعے سے کسی سے کیا جائے اور جب اس کے پورا کرنے کا وقت آجائے تو پھر عہد میں اور اُس میں کچھ فرق نہیں رہتا۔ چنانچہ میدانِ ازل یا عالم ارواح میں جب حضرت آدمؑ کے سامنے موت کے وعدوں کا دفتر پیش ہوا تو آپ نے اپنے نام سے دیکھنا شروع کیا اپنے فرزندوں کی طویل عمریں نظر سے گذر گزر کر دل بڑھاتی رہیں یہاں تک کہ حضرت داؤدؑ کی عمر پر نظر پڑی، دنیا میں جن ہاتھوں سے آہن موم بننے والا تھا اس نام نے ازل ہی میں دلِ آدم کو موم کر دیا۔ درگاہِ خدا میں عرض کی کہ اے آبِ حیات لٹانے والے میرے اس فرزند کی عمر بہت قلیل ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کی عمر کچھ بڑھا دی جائے۔ اچھا میں اپنی عمر سے ساٹھ سال داؤد کو دیتا ہوں۔ خداوند عالم نے جبریلؑ کو حکم دیا تم آدمؑ سے ایک اقرار نامہ لکھوا لو۔ آئے جبریلؑ اور حضرت آدمؑ نے عہد نامہ لکھا اور حضرت داؤدؑ کی وعدہ موت کی توسیع ہوئی۔ یہاں تک کہ حضرت آدمؑ دنیا میں آئے اور چند دن کی زندگی کو ایک مسلسل افسانے کی صورت اتمام کو پہنچایا۔ موت کے آخری لمحے کے ساتھ ملک الموت بھی آئے حضرت آدمؑ نے پوچھا تمہارے آنے کا کیا سبب ہے کہا کہ حکمِ خدا بجالانا منظور ہے، فرمایا کہ ابھی تو میری عمر میں ساٹھ برس باقی ہیں اس وقت جبریلؑ وہ عہد نامہ لائے، آپ نے دیکھا اور چونکہ وعدہ عہد ہو گیا تھا اس لیے



خاموش ہو گئے۔ سچ کہا ہے کسی نے کہ وعدہ آسان ہے وعدے کی وفا مشکل ہے۔ اپنے اختیارات پر دوسرے کو مختار کر دینا بڑے نفوس کا کام ہے وفا وہ نازک رشتہ ہے جو ذرا سی حرکت میں ٹوٹ جاتا ہے۔ عمر بھر کی وفا ایک دم کی بے وفائی سے خاک میں مل جاتی ہے صاحبِ وفا کا دل ہلتا رہتا ہے یہ وہ راہ ہے جس پر چلتے ہوئے پاؤں کی طرح کلیجہ بھی لرزتا ہے، وفا وہ دریا ہے جس کی موجیں اچھال کر بے وفائی کے کنارے لگا دیتی ہیں، اُن عہدوں کو تو جانے دیجئے جو ہمارے اختیار میں ہیں جس رسی کے توڑ ڈالنے اور باقی رکھنے کے ہم مختار ہیں۔ اُن عہدوں کو یاد کیجئے جن کا ایفا ہم کرنے والے ہیں وہ چاہے خوشی سے ہو یا رنج سے یعنی موت مگر افسوس ہم اپنے وعدے سے ایسے بے خبر ہیں کہ زندگی میں یاد نہیں اگر کسی کی زبان سے نام سن لیتے ہیں تو خیال آتا ہے کہ اسی نام کی ایک کھوئی ہوئی چیز ہمارے پاس بھی تھی مگر ملنے کی امید نہیں۔ وجود و عدم دو برابر کے شہروں کے نام سن لیتے ہیں یقین ہے کہ جب چاہیں گے ادھر سے ادھر اٹھ کر جا بیٹھیں گے۔ در انحالیکہ دنیا کا اعتبار نہیں اور عدم کا سوا آنکھوں سے معدوم ہے۔ دنیا کے طالع کا ڈوبتا ہوا ستارہ اتنا ہی قیام پذیر ہے جیسے وجود کی جیم کا مٹا ہوا نقطہ کہ اسے دونوں طرف عدم کی سیاہی گھیرے ہوئے ہے اور عدم کے نامعلوم حالات سے دل کا صفحہ ویسا ہی سادہ ہے جیسے خود لفظ عدم نقطوں سے خالی ہے۔ موت کا نام بہت خوفناک ہے اگر زبان میں اثر ہو تو سننے والے کے لئے یہ نام ہی موت ہے ہماری زبان میں تو اتنی طاقت اور اتنا اثر کہاں ہاں امام حسن عسکری علیہ السلام کے پاس حضرت کے ایک مصاحب خاص جن کا نام اسحاق تھا حاضر ہوئے دور و دراز سفر طے کیا ہے جس طرح مسافر منزل پر پہنچ کر خوش ہوتا ہے جس طرح غربت زدہ کو سوا شہر بھلا معلوم ہوتا ہے۔ یوں ہی اسحاق کی نظر زلف ہاشمی کو دیکھ کر شاد ہو رہی ہے جو ہدیے اپنے

ہمراہ لائے تھے امام کے سامنے پیش کئے۔ فاطمہ زہرا کے گھر میں مہمان ہوئے کچھ عرصے بعد وطن کی یاد آئی چلنے پر آمادہ ہوئے امام سے رخصت طلب کی اور عرض کی اے مولا غلام آقا کے دیدار سے سیر نہیں ہوا دعا فرمائیے کہ سال آئندہ پھر حاضر خدمت ہوں، آپ نے فرمایا کہ اے اسحاق تیری یہ ملاقات آخری ہے اس لیے کہ اسی سال میں تیری موت ہے۔ خدا جانے کہ موت کے ان تین حرفوں میں کونسا اثر بھرا ہوا تھا کہ اسحاق غش کھا کر گر پڑے جب خوف کی نیند سے بے قراری میں شانہ ہلا کر جگایا گیا تو اب موت کے عالم کے سوا کوئی دنیا آنکھ میں نہ تھی، پہلے یہی عرض کی کہ مولا اگر موت آتی ہے تو آئے میں راضی برضا ہوں لیکن اپنی پوشاک خاص میں سے کوئی پارچہ عنایت ہو کہ جس سے میرا کفن ہو۔ امام نے فرمایا کہ اے اسحاق جب وہ وقت آئے گا تو سامان ہو جائے گا۔ جس کے علم کی یہ انتہا ہو کہ اسے موت کے آنے کی خبر معلوم ہو اسے یقینی یہ بھی معلوم تھا کہ اسحاق کو کہاں اور کب موت آئے گی مگر چونکہ اُن کے دل کی حالت معلوم ہو گئی تھی اس لیے آپ نے تفصیل نہ کی، غرض کہ اسحاق رخصت ہوئے وطن کی طرف چلے بہت جلد راہ طے کر رہے ہیں اس لیے کہ اگر موت کو آنا ہے تو راہ میں نہ آئے گھر پہنچ لینے دے غربت اور بیکسی میں مرنا اور بھی بلا ہے۔ کیوں حضرات کبھی آپ نے ایسا بھی سنا ہے کہ کسی کو اپنے موت کا خیال یا علم ہو اور وہ اپنے گھر سے اپنے وطن سے دور ہونے کی کوشش کرے، بہر حال اسحاق نے چند منزلیں طے کی تھیں اور ایک مقام پر قیام پذیر تھے کہ تپ آئی اور سرائے کے ایک حجرے میں انتقال کیا، ادھر موت کا وعدہ پورا ہوا ادھر امام کے ایفائے عہد کا زمانہ قریب آیا، اسحاق کا رواں سرائے کے ایک حجرے میں انتقال کر گئے تھے۔ اہل کارواں نے قبل صبح جگانا چاہا تا کہ انتظام سفر سے فراغت کر کے ہمراہ کارواں چلنے پر آمادہ ہو جائیں یہاں جو اصلاً کارواں تھا وہ



منزلِ عدم کی طرف جا چکا تھا یہ حالت دیکھ کر اہلِ قافلہ حجرے کا دروازہ بند کر کے نکل آئے اور صبح ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

ادھر صبح ہوئی ادھر کافور غلام امام حسن عسکری علیہ السلام نے آواز دی کہ اے قافلہ والو آؤ میں اسحاق کے غسل و کفن سے فارغ ہو چکا اب تم سب مل کر انھیں دفن کر دو۔ اسحاق کی قسمت عجیب تھی، کافور غلام امام کے ہاتھوں حنوط ہوا، غسل پایا، کفن ملا، اہلِ قافلہ نے نماز پڑھی، اپنے کاندھوں پر اٹھا کر قبر تک لائے، قبر پر قرآن خوانی ہوئی، غربت میں گھر کا لطف مل گیا۔ مسلمانوں نے مرنے والے سے بڑی ہمدردی کی، فقط اسحاق کے دفن کرنے کی ضرورت سے سفر ملتوی کر دیا یہ امام حسن عسکری علیہ السلام کے مصاحب کی قدر کی گئی مگر ہائے کربلا والوں کی قسمت کہ تین دن تک کوئی مسلمانوں کا قافلہ بھی ادھر نہ آیا کہ حسینؑ کو مرنے کے بعد ہی آرام مل جاتا۔

الغرض ایفائے عہد مشکل ہے خصوصاً اس حالت میں جب زمانہ بھی موافق نہ ہو ورنہ یہ تو ایک سہل امر ہے کہ گھر کی دولت کا اندازہ کر کے کسی سے عہد کر لیا کہ ہم دو چار درہم دے دیں گے اور ایسا کرنے کے بعد فخر کرنا یہ کوئی چیز نہیں ہے ہاں مشکل یہ ہے کہ حسنینؑ ایک زمانہ میں بیمار ہوئے رسول خدا موجود ہیں اس لیے لوگ عیادت کو چلے آتے ہیں، ہمدردی بھی کرتے ہیں، علاج کے طریقے بھی بیان کرتے ہیں، صرف اس لیے کہ رسول خدا کا اطمینان کرنا ہے ورنہ بہت سے ایسے دل والے ان میں موجود ہیں جو رسول کے بعد انہیں حسینؑ سے پانی تک عزیز کریں گے۔ رسول خداؐ نے یہ رائے دی کہ اے ابوالحسنؑ تم کچھ روزے نذر کرو، امیر المومنینؑ نے تین روزے مانے، یہ خبر فاطمہ زہراؑ کو معلوم ہوئی آپ نے بھی تین روزے نذر کیے، یہاں تک کہ خود حسنینؑ نے بھی تین روزے اپنے اوپر واجب

کیے، آخر میں فضہ نے بھی تین روزے نذر کیے، ادھر روزے نذر کیے ادھر حسنین کو صحت ہونے لگی اور چند دنوں میں شاہزادوں نے غسلِ صحت کیا اُس روز سے عہد پورا ہونے لگا روزہ تو رکھ لیا مگر افطار کا سامان میسر نہیں، جب امیر المومنین نے یہ حالت دیکھی دولت سرا سے شمعون یہودی کے یہاں تشریف لائے دیکھا شمعون ریشم صاف کر رہا ہے آپ نے فرمایا اے شمعون اس ریشم میں سے کچھ مجھے بھی دے تاکہ رسولِ زادی اس کے ذریعہ سے مزدوری کرے اور شام کو یہ ریشم تجھے دے اور اس کی اجرت میں تین سیر جو دے تاکہ اہل بیت رسولؐ کے روزے افطار ہو جائیں۔ شمعون نے تھوڑا ریشم اور تین سیر جو حوالے کئے آپ اس کو لے کر گھر میں تشریف لائے، اُس ریشم کے تین حصے ہوئے، دن بھر میں فاطمہ زہراؑ نے ایک ٹکٹ ریشم صاف کیا، رسولؐ کی صاحبِ زادی ہیں چونکہ ایک حصہ ریشم صاف کیا تھا اس لیے ایک ہی سیر جو بھی پیسے تاکہ اجرت سے زیادہ صرف نہ ہو۔ شام ہوتے ہوتے پانچ روٹیاں تیار کیں اور ہر ایک بزرگ کے سامنے ایک جام آب اور ایک روٹی رکھی گئی۔ یہ اہل بیت کے افطار کا سامان تھا۔ امیر المومنین نے پہلا ٹکڑا روٹی کا توڑا اور نوش فرمانے ہی کا ارادہ کیا تھا کہ ایک غریب و محتاج نے دروازے کی زنجیر ہلا کر آواز دی السلامُ عَلَیْکُمْ یا اہل بیتِ محمدٍ اَنَا مَسْکِیْنٌ مِّنْ مَّسْکِیْنِ الْمُسْلِمِیْنَ اَطْعَمُوْنِیْ اَطْعَمْکُمُ اللّٰہُ۔

اے نبی کے گھر والو اس نادار کا سلام قبول کرو میں گروہِ مسلمین سے ایک فقیر ہوں جو کچھ تم کھا رہے ہو اُس میں مجھے بھی شریک کر لو خدا تم کو غذائے بہشت سے سیر کرے۔ ادھر یہ آواز سنی ادھر سب نے اپنی اپنی روٹیاں حوالے کر دیں یہاں تک کہ فضہ نے بھی اپنا حصہ دے دیا اور سب کے سب پانی سے افطار کر کے سو رہے۔ الغرض دوسرے روز پھر فاطمہؑ نے ریشم صاف کیا اور اُسی طرح پانچ روٹیاں



پکائیں افطار کو بیٹھے ہی تھے کہ ایک یتیم کی آواز آئی، رحم دلوں سے کہیں یتیموں کی آواز سنی جاتی ہے فوراً اپنے اپنے حصہ کی روٹیاں دے دیں اور تیسرے روزہ کی نیت کر کے سب نے آرام کیا، صبح کو باقی ریشم صاف کر کے شام تک وہ بقیہ جو پیسے اور پانچ روٹیاں پکائیں آج ایک اسیر نے آواز دی کہ اے اہل بیت رسول میں ایک مسلمان قیدی ہوں اہل کفر نے قید کر لیا ہے اور مجھے کھانے کو نہیں دیتے اے نبی زادو تم مجھ پر رحم کرو یہ آواز سنتے ہی فاطمہؑ نے امیر المومنینؑ کی طرف دیکھا اور امیر المومنینؑ نے فاطمہؑ کی طرف اور اپنی اپنی روٹیاں حوالے کر دیں۔ تین برابر کے فاقے، گرمیوں کے دن، کہاں تک ضعف نہ ہو، اُس پر ابھی حسنینؑ بیماری سے اٹھے ہیں، پھول سے تو پہلے ہی کھلائے ہوئے تھے اب اور بھی پرشمرہ ہو گئے، امیر المومنینؑ کے ہمراہ مسجد نبویؐ میں تشریف لائے نانا نے جو اپنے نواسوں کی یہ صورت دیکھی بے قرار ہو گئے خانہ فاطمہؑ زہراؑ میں تشریف لائے دیکھا سیّدہ محراب عبادت میں بیٹھی ہوئی ہیں، کمر خم ہے آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے ہیں، شکم مبارک پشت سے مل گیا ہے، باپ کا دل ہے بے اختیار ٹھنڈی سانس بھری اور پکار کر کہا کہ خداوند! کیا میرے اہل بیت فاقوں کے ہی مارے مرجائیں گے، ادھر رسولؐ کی آواز آسمان پر گئی اور ادھر جبریل امینؑ زمین پر آئے ہاتھ میں ایک طاسِ مرضع جس میں بوئے مشک آتی ہوئی طعامِ جنت سے مملو امیر المومنینؑ کے سامنے رکھ دیا اور سورہٴ ہل اتی اول سے آخر تک امیر المومنینؑ کی شان میں پڑھا۔ شافعی سا شخص غلو کی حالت میں جھوم جھوم کر کہہ رہا ہے کہ دنیا والے کہاں تک ملامت کریں گے محبت امیر المومنینؑ پر کیا کسی کی بی بی فاطمہؑ زہراؑ ہے، کیا کسی کے لیے ہل اتی سا سورہ آیا ہے مگر جس طرح اہل بیت مشکل اور سخت زمانے میں دشواری سے ایفائے عہد کرتے تھے یوں ہی خدا بھی مکر راجر دیتا تھا، دنیا میں تو یوں عزت بڑھائی اور

بہشت سے وہ خوانِ نعمت آیا جس پر اہلِ اُتٰی کے حروف کی مہریں تھیں۔

الغرض ایقائے عہد خاندانِ رسولؐ کا حصہ ہے خود رسولؐ خدا قریب وفات پکار پکار کر فرماتے گئے کہ جس کا حق مجھ پر باقی ہو وہ لے لے جس سے میں نے عہد کیا ہو وہ آئے یہاں تک مرتے مرتے اُن لوگوں کو نہ بھولے۔ اور جن لوگوں سے عہد کیا تھا اُن کے لیے امیر المومنینؑ سے ہدایت کر گئے۔ امیر المومنینؑ برابر اپنے عہدوں کو پورا کرتے رہے۔ یہ وعدے ہی کا خیال تھا کہ ایک دن میں چالیس جگہ دعوت میں تشریف لے گئے۔ امام حسنؑ نے اپنے وعدے پورے کیے معاویہ سے ظاہر اُجوٹے ہو گیا تھا اُس پر قائم رہے، امام حسینؑ نے تو انتہا کر دی اگر غور کیجئے تو اس مقام پر بھی وعدہ وعہد کے معنوں میں فرق نظر آجائے گا۔ جب رسالت مآبؐ نے حسینؑ سے ذکرِ شہادت کیا ہے تو آپؐ نے وعدہ فرمایا مگر جب جبرئیل آئے اور محضرِ شہادت تیار ہونے لگا اہل بیت راضی ہوئے۔ مصائب کی فرد پیش ہوئی حسینؑ سنتے رہے اور اقرار کرتے رہے لیکن جب کچھ زینبؑ کا ذکر آیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ نہ ہوگا جبرئیل نے کہا فردِ بخشش ناقص رہ جائے گی۔ آخر الامر حضورؐ نے ہمارے لیے یہ بھی منظور کر لیا اور یہ عہد نامہ جبرئیل لے کر چلے گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلا قول وعدہ تھا اگر عہد ہوتا تو امام ہرگز انکار نہ کرتے یہ عہد حسینؑ سے بات کے دھنی کا تھا کو فیوں کا عہد نہ تھا جو بار بار پابندار ہوا اور ٹوٹ گیا۔ یہ عہد ہی کا خیال تھا کہ حسینؑ گرمی کے موسم میں یکا یک گھر چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے جن لوگوں کے نام دفترِ شہادت میں درج تھے وہ سب ساتھ ہو لیے، عورتیں بھی ننگے سر ہونے کو چادریں اوڑھ کر اٹھ کر کھڑی ہوئیں، عماریاں کجاوے دروازے کے پاس لگا دیئے گئے، جناب عباسؑ تلوار کھینچ کر قناتوں کے گرد ٹھہلنے لگے، اکبرؑ و قاسمؑ اہتمام میں مصروف ہیں، حضور دولت سرا سے برآمد ہوئے، علی اکبرؑ مکان میں آئے، صفحہ نے دور سے



دیکھا تو ہاتھ پھیلا کر بڑھیں دو محبت والے بھائی بہن چھٹنے کے لیے گلے مل رہے ہیں، ان کے رونے کا کیا ذکر ایسا روئے کہ جنہوں نے دونوں کو پالا ہے وہ منہ پھیر کر ہٹ گئے، صغرا نے کہا بابا کو تو روک نہیں سکتی مگر تم نہ جاؤ، علی اکبر اور زیادہ روئے کہا بہن دل نہیں مانتا اس مصیبت ویاس کے سفر میں بابا کو تنہا چھوڑ دیں، صغرا نے کہا اچھا وعدہ ہی کرتے جاؤ کہ جہاں آرام سے ٹھہرو گے وہاں ہمیں بلا لو گے، علی اکبر نے وعدہ کیا مگر جب عاشور کا دن آیا اور علی اکبر رخصت کے لئے خیمے میں آئے تو بیمار بھائی سید سجاد سے کہا کہ جب مدینے واپسی ہو تو صغرا بی بی کو میرا پیغام پہنچا دیجئے گا۔

اس معرکے سے جب ہو وطن آپ کا جانا صغرا کو کئی بار کلیجے سے لگانا کہنا کہ بہن پھر گیا بابا سے زما نا وعدہ تو کیا تھا یہ نہ تم تک ہوا آنا شبیرؑ پہ فوجوں کی گھٹا چھا گئی صغرا آنے ہی کو ہم تھے کہ اجل آگئی صغرا (یہ رائے)۔

الغرض سب بیبیاں ناقوں پر سوار ہوئیں کر بلا کے مسافروں الفراق الفراق الوداع کہتے ہوئے ابھی تھوڑی ہی راہ طے کی تھی کہ دیکھا صغرا پھر چلی آتی ہیں، امام نے پوچھا صغرا صغرا اب کیوں آئیں، کہا بابا دل چاہتا ہے کہ ایک بار پھر سب کو دیکھ لوں، حضور نے حکم دیا ناقے بٹھا دیئے گئے قاتیں کھینچ لی گئیں صغرا ہر ایک سے ملنے لگیں، زینبؑ سے رخصت ہوئیں، چھوٹی بہن سکینہؑ سے ملیں، یہاں تک کہ جناب ربابؑ اور علی اصغرؑ سے گلے ملنے کی نوبت آئی، سر سینے سے ہٹایا ہی تھا کہ ماں کی گود میں نظر پڑ گئی، دیکھا علی اصغرؑ آنکھیں کھولے بہن کو یاس سے دیکھ رہے ہیں، صغرا نے ہاتھ پھیلا دیئے بہن کی محبت ننھے سے دل میں انتہا کی تھی ہمک کر چلے آئے اور سینے سے لپٹ گئے، جب دیر ہوئی تو ربابؑ نے لینا چاہا، علی اصغرؑ نے

آئے صغرا نے کہا اے مادرِ مہربان مجھ سے اصغر کو زبردستی نہ لیجئے گا اگر خود سے چلے آئیں تو لے لیجئے یہ ملنا آخری ملنا ہے مجھ سے بچے کا دل نہ توڑا جائے گا۔ زینبؓ بلاتی ہیں سیکنہؓ ہاتھ پھیلاتی ہیں مگر علیؓ اصغر بہن کے شانے سے سر نہیں اٹھاتے جب زینبؓ کو یقین ہو گیا کہ علیؓ اصغر نہ آئیں گے بھائی کو بلایا، حسینؓ دنیا کے حالات سے واقف ہیں سفر کے انتظام میں اب تک بھولے ہوئے تھے مگر اب کر بلا کا میدان اور زوال آفتاب کا وقت بچہ کی پیاس اور حرمہ کا جواب سب کا سب یاد آ گیا، زینبؓ کے پاس آئے مگر روتے ہوئے ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہوئے اور دامن سے آنسو پونچھتے جاتے ہیں سر جھکائے ہوئے علیؓ اصغر کے پاس آئے اور کان میں جھک کر کہا کہ اے میرے مسافر بابا تیری طرف سے بھی تو عہد کر چکا ہے کیا امت کو بخشوانے نہ چلو گے اگر تم صغرا کے پاس رہے تو گلے پر تیر کون کھائے گا۔ اور حسینؓ کی ریش کا خضاب کس کے خون سے ہوگا یہ ضیعت باپ تلوار سے کس کی قبر کھودے گا یہ سننا تھا کہ علیؓ اصغر بے تاب ہو کر حسینؓ کی آغوش میں آ گئے۔ حسینؓ مظلوم نے وعدہ طفلی ستاؤن سال کی عمر میں وفا کیا مگر علیؓ اصغر نے صرف چند ماہ بعد اپنے وعدے کو پورا کر دیا اور عجیب شان سے کیا ہائے اس ننھے مجاہد کی وعدہ وفائی کچھ ایسی غیر معمولی طور پر واقع ہوئی کہ مادرِ فراقِ اصغرؓ میں ہمیشہ روئیں لیکن ہم اور آپ جس وقت تصور کرتے ہیں دل چاہتا ہے کہ پوچھیں امام مظلومؑ سے کہ اے آقا صدائے گریہ سن کر جب آپ خیمہ عصمت میں تشریف لائے اور گہوارہ میں جھک کر حالتِ صغیر دیکھی کہ پیاس سے بچہ جاں بلب ہے آنکھیں بند ہیں منکا ڈھلا ہوا زبانِ خشک پر کانٹے پڑے ہوئے ہیں ہائے یہ حال دیکھ کر آپ نے بچے سے کیا کہا کہ شمشاہہ ماں کی گود چھوڑ کر آپ کی گود میں آنے پر تیار ہو گیا۔ ممکن ہے کہ مادرِ علیؓ اصغرؓ بے تابانہ حرم سرا کی ڈیوڑھی تک آگئی ہوں لیکن پھر اس خیال سے کہ اب تک جتنے بھی



میدان میں گئے وہ سب مرکبوں پر سوار ہو کر گئے اشقیاء سے جنگ کی لیکن میرا  
 شمشاہہ صرف پانی پینے جاتا ہے اس لیے اس سے کسی کو تعرض نہ ہوگا آہ مادرِ  
 علی اصغرؑ کو یہ نہ معلوم تھا کہ سوالِ آب پر بدلے پانی کے حرمِ تیرِ ظلم لگائے گاہے  
 گردنِ صغیر کے ہمراہ بازوئے امام بھی زخمی ہوگا صابر و شاکر امام ہاتھوں سے  
 کاندھے پر لاشہ رکھ کر ذوالفقار سے قبر بھی کھودے گا پھر نعشِ سی لاش کو زیرِ زمین  
 دفنائے گا اے کاش اگر ربّابؑ کو یہ معلوم ہوتا تو ہرگز بچہ کو میدان میں نہ جانے دیتی  
 مگر ماں تو مجبور تھی عزا دار وارے علی اصغرؑ جس طرح بہن کی گود چھوڑ کر مدینے سے  
 آئے تھے اسی طرح ماں کی گود سونی کر کے نانا کی امت کو بخشوانے کے لیے  
 آئے۔ میرِ نفیس کہتے ہیں:-

گلا چھدائے قیامت میں جب کہ آئے گا  
 یہ شیرِ خوار بھی اُمت کو بخشوائے گا (میرِ نفیس)

# مجلس چہارم عظمتِ صبر در احوال جناب عونؑ و محمدؐ

قَالَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى فِي الْقُرْآنِ الْحَمِيدِ أَفَمَنْ يَعْْلَمُ أَنَّ مَا أُنْزِلَ  
إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمْ هُوَ أَعْمَى إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

(سورہ رعد آیت ۱۹)

خداوند عالم اپنے کلام بلاغت نظام میں ارشاد فرماتا ہے کہ اے ہمارے رسول  
بھلا وہ شخص جو یہ جانتا ہے کہ جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا  
ہے بالکل درست اور حق ہے کیسے اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو مطلقاً اندھا ہے  
نہیں (ہرگز نہیں) بس اس سے تو کچھ سمجھ دار ہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

اس آئیہ کریمہ میں جو زریں مطلب بیان کیا گیا ہے جس کے بعد لسانِ قدرت  
نے صبر پر روشنی ڈالی ہے صبر ایک خدا داد قدرت کا نام ہے جو انسان کے بڑے  
بڑے اور نہایت اہم وقتوں میں کام آتا ہے۔ امیر المومنین کا قول ہے کہ صبر ایمان



کے تمام زیوروں سے عمدہ زیور ہے اور ہے بھی یہی بات اس لیے کہ جب مصیبت آتی ہے تو کثرت سے یہی دیکھا گیا ہے کہ چارہ تدبیر کی راہیں بند ہو جاتی ہیں، دل و دماغ اس ناقابل برداشت بار کے اٹھانے سے ضعیف ہو جاتے ہیں، اعضا میں سکت باقی نہیں رہتی اور یہ جو کچھ بھی ہوتا ہے ٹھیک ہے اس لیے کہ صبر کے معنی یہ ہیں کہ اظہارِ جزع سے روکے اور جس چیز کو بے اختیار دل چاہ رہا ہے اس کا استعمال نہ کرے جس عمدہ شے کے رکھ چھوڑنے پر دل اصرار کر رہا ہے اس کو خواہ مخواہ چھوڑ دے اور اُس راہ سے جس پر دل چاہتا ہے رُخ موڑ کر اُس راستے پر کر دے جس پر دوسرے دل کی رضا اور خواہش ہے اور اُس کے حکم پر صبر کرنا بڑا سخت کام اور انتہا کی دشوار مہم ہے انسان ہر شے کا مالک بنتا ہے مگر خود اگر کسی کے بس میں ہے تو وہ صرف یہی ایک مُشتِ استخوانِ دل ہے نہ دل کا ضعف ہمارے بس میں ہے اور نہ قوت ہمارے قابو میں بلکہ ہم خود اُس کا حکم بجالانے والوں میں ہیں۔ یہی شیشے سے نازک دل کبھی صبر سے پتھر کی سل کا بار اٹھا لیتا ہے اور کبھی تنفس کے ہلکے جھٹکے سے چور چور ہو جاتا ہے، اس بے قابو شے کو اپنے بس میں کر لینا بڑے پرجگروں کا کام ہے، اپنی رضا پر دوسرے کی مرضی کو مقدم کرنا بڑی بے نفسی کی دلیل ہے، اس مقام پر صبر دو قسموں پر تقسیم ہو گیا ہے اس لیے کہ دل دو طرف رجوع ہوتا ہے، کبھی تو خود صبر کو پسند کرتا ہے مثلاً گھڑ لٹ رہا ہے اور کثیر ظلم پر تڑپا ہوا ہے اور مصلحت حکم دیتی ہے کہ صبر کرو یا کسی مجمع میں گھر گئے ہیں اور یقین ہے کہ ہم اس میں سے زندہ بچ کر نہ نکلیں گے مگر دل کہہ رہا ہے کہ غیرت ہے کنارہ کش نہ ہو، حمیت کو نہ چھوڑو۔ صبر سے کام لے کر لڑتے جاؤ۔ یہاں تک کہ فنا ہو جاؤ۔ یہ صبر تحتِ شجاعت ہے، بہادروں کی شان ہے، جس طرح شبِ ہجرت امیر المومنینؑ نے کیا۔ رسولِ خدا مکہ کے ایک مکان میں آرام فرما رہے ہیں اور کفار چاروں طرف

سے گھیرے ہوئے سونے والے کا نظارہ کر رہے ہیں، تلواروں پر صیقل ہو رہی ہے، پتھر جمع ہو رہے ہیں۔ انتظام ہے کہ اللہ کی پناہ اور رسول خدا تنہا ہیں، اصحاب چھوڑ کر چلے گئے ہیں وہ لوگ جو مہاجرین کا لقب پانے والے ہیں وہ بھی اپنی جان بچائے ہوئے ہیں ہاں ایک پہلو سے محبت کی بو آ رہی ہے۔ ایک بیس برس کے نوجوان کو اپنے بستر پر سونے کے لئے آمادہ پاتے ہیں۔ آخر فرماتے ہیں، کیوں اے ابن عم اے میرے وصی، کیا تم اپنی جان مجھ پر نثار کرنا چاہتے ہو میری رضا پر راضی ہو؟ علیٰ عرض کرتے ہیں اے رسول خدا میں تابع حکم ہوں آپ تشریف لے جائیے یہ کہہ کر تلوار پہلو میں رکھ لی اور رسول خدا کی مشہور سبز چادر اوڑھ کر خدا کی راہ میں سر دینے پر راضی ہو کر آرام فرمایا، قول امیر المومنین ہے کہ میں کبھی اس اطمینان سے سویا ہی نہیں جس طرح شب ہجرت بستر رسول پر مجھے نیند آئی۔ (نعرۂ درود)

یہ وہ وقت تھا کہ خدا فخر کر رہا تھا کہ اے نفوسِ قدسیہ رکھنے والو، اے میرے عرش کے حاملو، دیکھو علیٰ ابن ابی طالب سے جبری و بہادر کو کہ بھائی پر نثار ہونے کو کس بے پرواہی کی نیند سو رہے ہیں۔ دوستوں کا با وفا ہونا اصحاب کا محبت دار نکلتا دشوار ہی نہیں بے حد مشکل ہے رسول خدا کے اصحاب میں اس وقت اگر کوئی قابلِ قدر نکلا تو وہ علیٰ ابن ابی طالب کا دم تھا ایسا واحد مقدر کسی کے حصے میں نہیں آیا کہ اُس کے تمام اصحاب با وفا ہوں، تمام دوست چاہنے والے ہوں، تمام اعزہ رفاقت کرنے والے ہوں، ہاں اگر ایسے کچھ لوگ تھے تو صرف وہ جن کے لیے ہمارے امام زمانہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بابی انتم و اُمّی طبتُم یا انصار اے خدا کی نصرت کرنے والو میرے ماں و باپ تم پر نذا ہوں۔ ایک امام کا یہ فقرہ اور ایک کا وہ انتخابی جملہ جو امام نے شب عاشور فرمایا ہے۔ کہ جیسے با وفا اصحاب مجھ کو ملے کسی کو



نہیں ملے۔ حسینؑ کو اپنے محبت کرنے والوں پر جو فخر تھا وہ بے جا نہ تھا حسینؑ کے ساتھ ایسے ایسے دُرّ بے بہا تھے جو حقیقتاً قابلِ فخر تھے عزادارانِ حسینؑ میرا دل چاہتا ہے کہ تاریخ کے لحاظ سے اس وقت اس محبت کا تذکرہ کروں جس محبت سے اسلام کی تاریخ کو ناز ہے جس محبت سے کربلا کا واقعہ رنگین ہو گیا جس محبت سے گنہگارِ ان امت کی پردہ پوشی ہوئی۔ جس محبت سے کینراں زہراؑ نے محبت کرنا سیکھا وہ کون سی محبت ہے وہ محبت حسینؑ کی ماں جائی نبیؑ کی نواسی علیؑ کی بیٹی ثانیؑ زہراؑ جنابِ زینبؑ خاتون کی محبت ایک سبق آموز کہانی، ایک درد انگیز افسانے کی صورت میں آپ سمجھوں گے سامنے آئی، عزادارانِ حسینؑ! ہر بہن کو اپنے بھائی کی محبت لازمی اور ضرور بلکہ فطرتاً ہوتی ہی ہے لیکن جو مثال ہم کو ہماری شہزادی جنابِ زینبؑ سے ملی وہ آدم سے تا اندم دیکھنے یا سننے میں نہیں آئی۔

جنابِ زینبؑ چونکہ علیؑ جیسے شجاعِ حیدرؑ کا غیر فرار کی عاجزادی تھیں اس لیے اپنے اُن چھوٹے چھوٹے کمنِ فرزندوں کو تعلیم بھی وہ دی جو شیروں کے بچوں کو ملتی ہے، ثانیؑ زہراؑ بچوں سے کہانی بھی کہتی ہیں تو وہی شجاعت اور جوانمردی کے افسانے سناتی ہیں، بچے بھی جعفر طیار کے پوتے اور حیدرؑ کے نواسے تھے، آبا و اجداد کی شانِ بہادری سن سن کر جھوم جاتے تھے، الغرض بچے ابھی جوان ہونے نہ پائے تھے کہ فلک کج رفتار نے حسینؑ کو مدینہ سے چھڑا دیا ماں جائی نے بھائی کی رفاقت میں گھر چھوڑا وطن کو خیر باد کہا اور اپنے پیارے بچوں کو لے کر واردِ میدانِ کربلا ہوئیں، جب وہ دن قیامت خیز نمایاں ہوا جس میں زمین و آسمان کو تزلزل ہوا جس میں جن و انس نے خاک اُڑائی جس دن فاطمہؑ لحد سے سرنگے نکلیں، جب رسولِ خدا مرقد سے لشکار اٹھے، جب حیدرؑ کے زخم نے نجف سے کربلا کا رخ کیا، جس دن حسنؑ مسموم بھائی کی غربت پر نوحہ کناں ہوئے تو حسینؑ کی ماں جائی نے بھی اپنی وہ

دولت بھائی پر نثار کی جس سے بڑھ کر دنیا کی کوئی شے نہ تھی، تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حسینؑ کے یاور انصار و احباب نے اپنی اپنی جانیں حسینؑ پر فدا کی اُس کے بعد مسلم کے لاڈلوں نے اذن جہاد لیا اور جب مظلوم امام بھتیجوں کی لاشیں خیام میں لائے تو علیؑ کی بیٹی کے تیور بگڑ گئے فرزندوں کو پاس بلایا لیکن غصے سے یہ حالت تھی بچوں کی طرف سے رخ پھیر لیا فرمایا کہ اے عونؑ و محمدؑ کیا بد نصیب ماں نے اسی دن کے لیے تم کو پالا تھا کہ حسینؑ کے سب رفقا کام آجائیں لیکن مجبور بہن کی طرف سے کوئی حسینؑ کے کام نہ آئے۔

کسمن بچے ماں کی مرضی سمجھ گئے، ننھے ہاتھوں کو جوڑ کر سر قدموں میں رکھ دیا، بولے اے اماں آپ ہی نے توضیح تاکید کی تھی بے اذن امام قدم نہ اٹھے، ہم نے تو آقا سے اکثر میدان کی اجازت طلب کی مگر ہر مرتبہ امام نے سینے سے لگا کر بٹھا لیا، کہیے تو ہم چھوٹے ماموں کو بلا لیں اور آپ حضرت سے دریافت فرمائیں۔ جناب زینبؑ خاتون فرماتی ہیں میں نے مانا کہ امام نے تم کو روکا لیکن میں پوچھتی ہوں کہ مسلم کے بچوں کی لاشیں دیکھ کر تم کو غیرت نہ آئی اب کیا تم اس کے منتظر ہو کہ حسنؑ کی بیوہ لٹ چکے اور اُمّ ربابؑ کی گودا جڑ چکے تو تم میدان کو جاؤ اے کاش تم نے ماں سے بھی تو کہا ہوتا میں خود اجازت دلواتی۔ حضرات یہ بچے ایسے بچے نہ تھے کہ جیسے ہمارے اور آپ کے ہیں یہ حیدر کے نواسے جعفر کے پوتے تھے فرمایا اماں ہم امام عالی مقام کو خیمے میں بلا کر لاتے ہیں آپ اجازت میدان میں جانے کی دلوائیے، ماں بیٹوں میں ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ بہ نفس نفیس امام انام داخل خیام ہوئے فرمایا بہن زینبؑ بچے ہاتھوں کو جوڑے ہوئے کیوں کھڑے ہیں، بھائی کو دیکھ کر تم سیدہ بہن اٹھ کھڑی ہوئی بچوں کے ہاتھ ہاتھ میں لے کر بھائی کے قریب آئیں فرمایا بھیا انصار میں اب کوئی باقی نہیں، عزیزوں میں بھی مسلم کے



لاڈلے شہید ہوئے، قاسم نوشاہ اذن جہاد ماں سے طلب کر چکے، کیا یہ دکھیا ری بہن سب عزیزوں سے ہمیشہ کے لیے محجوب رہے گی، بھیا اماں نے دم واپس وصیت فرمائی تھی زینبؓ کربلا میں صبر و ہمت کا امتحان ہوگا میرے حسینؑ سے کوئی چیز عزیز نہ رکھنا اے بھائی، بہن بہت غریب ہے کچھ مال نہیں رکھتی الا بجز ان دونوں لعلوں کے لہذا غریب بہن کا ہدیہ رونہ کیجئے ورنہ بعد مرنے کے بھی مجھے چین نہ ملے گا، بہن کی درد بھری باتوں کو سن کر امام رونے لگے فرمایا بہن کوئی ایسے دُرِ بے بہا ہاتھوں سے کھوتا ہے یہ چاند میدان میں جا کر پھر نہ ملیں گے ہائے کیوں کر کہوں کہ صغیر بچے میدان میں جائیں اور جعفر و حیدر کا نام مٹے جناب زینبؓ فرماتی ہیں بھیا ایسے سولعل آپ پر سے تصدق کروں اکبر و اصغر میرے سلامت رہیں یہ دونہ سہی، امام خاموش رہے، جناب زینبؓ بچوں کو لے کر بھائی کے گردسات بار پھر میں فرمایا بچوں عین سعادت ہے کہ تم فاطمہؓ کے لال کے صدقے ہوئے اب شوق سے سدھارو کہ ماں تم سے راضی ہے دودھ بھی بخشا، جاؤ اور میرے شیر کا اثر شامیوں کو دکھاؤ اور اے بچو ماں ہاتھوں کو جوڑ کر کہتی ہے کہ تم تین دن کے پیاسے ہو لیکن تنہا نہیں دیکھو تمہاری بہن سیکنہ اور بھائی علی اصغر بھی پیاس سے جان بلب ہے خبردار دریا کا رخ نہ کرنا کہ فرزند زہراؓ پیاسا ہے، بچوں نے ہتھیار بجا شروع کیا امام نے ملاحظہ فرمایا کہ بچے اب رکنے کے نہیں بہن سے فرمایا کہ بچوں کو ایک بار دولھا تو بنا لو کہ حسرت نہ رہ جائے جناب زینبؓ نے یہ سن کر بچوں کے بالوں میں شانہ کیا اور فاخرہ لباس پہنایا جناب عباسؑ نے اپنے ہاتھوں سے ہتھیار سجائے۔ صاحبانِ اولاد جگر تھام لینے کا وقت ہے کمسن بچے جو ابھی تنہا گھر سے نکلے بھی نہ تھے آج ماں سے چھٹ کر موت کے بازار میں سدھارتے ہیں مگر واہ رے میری خُرادی (شہزادی) کہ حسینؑ سا صابر امام بچوں کی طرف دیکھ کے رو دیا اور زینبؓ بچوں کو خدا حافظ کہہ

کر سجدہ شکر میں مشغول ہو گئیں۔ رونے والوں میدان کر بلا کا تصور کرو اس وقت مظلوم امام نے کیا کیا آہ میرے صابر مولا نے بھانجوں کو گود میں اٹھایا نادعلی دم کی پیشانی کا بوسہ دیا اور کہا بچوں خدا حافظ جاؤ اور ماموں کو بے آس کر کے جاؤ۔

جہاں تک بچے نظر آتے رہے امام بہ نگاہ حسرت دیکھتے رہے پھر درخیمہ پر منتظر ہو بیٹھے۔ شیروں کے شیر جب فوج شام میں ہلچل ڈال چکے لاشوں پر لاشے گرا چکے پیاس کی شدت سے بیتاب ہوئے کہ ایکبارگی فوج نے چاروں طرف سے گھیر لیا آہ کسن بچے لاکھوں وار کی رونہ کر سکے مرکبوں سے گر کر پکارے کہ شاہ شہیداں مدد کا وقت ہے۔ ہائے کیوں کر عرض کروں کہ امام میدان کی طرف کس حال سے چلے خاک بر سر نوحہ کنان بچوں کی لاش پر پہنچے ایک نعرہ کیا اور لاشوں سے لپٹ گئے۔ لکھا ہے کہ بڑے کی لاش عباسؑ نے اٹھائی چھوٹے کی جناب علی اکبرؑ نے اٹھائی لاشیں خیمہ اطہر کے قریب آئیں فضہؑ نے بڑھ کر خبر دی اے میری شہزادی بچوں کی بارات آرہی ہے اتنا سننا تھا کہ جناب زینبؑ بے تاب ہو کر اٹھ کھڑی ہوئیں درخیمہ کی طرف دیکھا فرمایا لوگوں کیا غضب ہے کہ بھرے گھر میں جنازے آتے ہیں ارے جو چیز صدقہ ہوگئی وہ پھر گھر میں نہیں آتی ارے فضہؑ کہہ دو کہ لاشیں بچوں کی قتل گاہ میں رکھ دیں، اتنے میں حسینؑ روتے ہوئے لاشوں کو لئے ہوئے آئے، عزاداران حسینؑ کینزی سیدہ کا فخر رکھنے والیو جائے غور ہے کس ماں کا کلیجہ ہے کہ یہ صبر کرے بچوں کی لاشیں آئیں لیکن اس کا ملال نہیں اور فکر ہے تو یہ کہ علی اکبرؑ لاشہ کیوں لائے فرماتی ہیں مادر علی اکبرؑ سے اے بھابھی کیا دیکھتی ہو میرا پُر امان خون میں نہایا ہوا ہے ارے مجھے وہم آتا ہے خدا کے لیے جلدی سے یہ کپڑے اتار دو کہ پھوپھی کی جان جاتی ہے تمام اہل حرم میں یہ باتیں سن کر گریہ کا شور ہوا یہ دیکھ کر دست بستہ شہزادی زینبؑ کی خدمت میں قمر بنی ہاشم آئے فرمایا اے ثانی زہراؑ بچوں



کی لاشیں آئیں ہیں کچھ ان کی سنئے اور اپنی کہیے کہ یہ لال آخر ہیں فرمایا بھیتا ارے  
 کیوں کر لاشوں پر جاؤں کہ میرے رونے سے بھیتا کو ملال ہوگا میں نہیں چاہتی کہ  
 زہرا کا لال بے چین ہو یہ سن کر امام مظلوم خیمہ سے باہر تشریف لائے عباسؑ نے  
 زینبؑ کو لاکر لاشوں کے قریب بٹھا دیا فرمایا اے عونؑ و محمدؑ جو کہنا ہو ان سے کہہ لو کہ  
 یہ دکھیا ماں تمہارے پاس آئی ہے۔ بچوں نے غش سے آنکھیں کھولیں کہا اماں ہمارا  
 کہا سنا بخشو اور جب مدینے جانا تو بابا سے ہمارا سلام کہنا اور کہنا کہ آپ کے بدلے  
 ہم فاطمہؑ کے لال پر تصدق ہو گئے اور اے اماں اب ہمیں پیاس سے سخت تکلیف  
 ہے چند قطرے پلاؤ کہا بچو پانی حوض کوثر پر پینا ماں بہت مجبور ہے یہ سن کر بچوں  
 نے آنکھیں بند کر لیں اور دم نکل گیا ثانی زہراؑ نے بچوں کو جھک کر دیکھا کہا بچوں  
 کچھ اور کہو ماں منتظر ہے ارے جب صدانہ آئی چلائیں کہ اے بچو اتنی جلدی تم ماں  
 سے روٹھ گئے اے بچو تم نے ماں کی سب تمنائیں پوری کیں لیکن مادر مجبور تم کو ایک  
 قطرہ آب بھی نہ پلا سکی اس کی شکایت حیدر و جعفرؑ سے نہ کرنا ارے تم کو معلوم ہے  
 کہ حسینؑ کا ششماہہ بھی تین دن سے پیاسا ہے۔ مرزا تیر کہتے ہیں:-

زینبؑ سے جو دیکھے نہ گئے نزع کے آثار چلائی کہ اے موت خبردار خبردار

ایسا نہ ہو صدمہ کوئی یہ دل کو دکھا جائے

یوں آ کہ میرے پیاروں کو اک نیند سی آجائے

اے موت یہ دونوں ہیں غلام ابن علیؑ کے اے موت فدائی ہیں یہ ہم شکل نبی کے

اے موت یہ فرزند ہیں مجھ کو کھ جلی کے اے موت یہ عاشق ہیں جناب احدی کے

اے موت یہ زخمی ہیں یہ بھوکے ہیں یہ پیاسے

اے موت یہ ہیں حیدرؑ صفدر کے نواسے

یہ کہتی تھیں زینبؑ کہ وہ آخر ہوئے ہیہات لاشوں کے برابر گری رو کر وہ خوش اوقات

اس لاش پہ اک ہاتھ تو اس لاش پہ اک ہاتھ چلاتی ہیں واری گئی اماں کو بھی لو ساتھ

غربت میں ضعیفی میں میرا ہاتھ نہ چھوڑو

ساتھ آئے ہو شرب سے میرا ساتھ نہ چھوڑو

کیا لیٹے ہوئے ہو مرا کچھ حال تو دیکھو چھاتی سے لگو خاک بھرے بال تو دیکھو

لو میں نہیں کہتی مرا احوال تو دیکھو پیارو قلق شاہ خوش اقبال تو دیکھو

ناچیز ہے ماں خیر نہ لپٹاؤ گلے سے

ماموں تمہیں روتے ہیں لپٹ جاؤ گلے سے

لو یہ تو کہو موت ہوئی سہل کہ مشکل کس طرح سے آسان ہوئی پہلی یہ منزل

اللہ کے دربار میں کیونکر ہوئے داخل کیا تم نے کہا حق ہوا کس بات کا سائل

پوچھے جو خدا تم سے عبادت تیری کیا ہے

کہنا ترے شبیر پہ جاں اپنی فدا ہے

اماں کی قسم دونوں مُبرا ہو خطا سے ہوئے گی ملاقات بہت خوب خدا سے

پر صدقے گئی جاتے ہو گھر سے مرے پیارے شکوہ نہ مرا یکجو رب دوسرا سے

بن بیار ہے پُر ارمان چلے اماں کے گھر سے

پیاروں کا کوئی دین نہ اُترا مرے سر سے

یاد آتا ہے پیاروں کا وہ میدان کو جانا اور ماموں کا اک ایک کو گھوڑے پہ بٹھانا

اور ہاتھوں کو اپنے پئے تسلیم جھکانا اور مرتے ہوئے دل کی ہوس کچھ نہ سنانا

نے ملنے کو آئے تھے نہ سمجھانے کو میرے

باندھے ہوئے ہاتھ آئے ہو دکھلانے کو میرے

ہے ہے کبھی جی بھر کے نہ پیاروں کو کیا پیار ہے ہے دم رخصت بھی گلے لپٹے نہ اکبار

ہے ہے رہے ڈرتے ہوئے مجھ سے مرے دلدار ہے ہے مرے آگے نہ کبھی تم نے کی گفتار



۴۳

اب لاشوں کو آغوش میں مادر نے لیا ہے  
اس عرصہ میں میں نے نہیں کچھ پیار کیا ہے  
میں بھولے رہی تم کو مگر تم نہ بھلانا میں نے تمہیں چھوڑا مجھے تم چھوڑ نہ جانا  
کم پیار کیا میں نے تمہیں پیار بڑھانا گر سونا لحد میں تو مجھے ساتھ سلانا  
جب تم نہ ہو دنیا میں تو کیا جی کے کروں میں  
تم سے مرے دو شیر مرے اور نہ مروں میں  
موت آئے تو مر جاؤں ابھی بھائی سے کہہ کر اک قبر میں ماں بیٹوں کے مُردے ہوں برابر  
اک ہاتھ ہو میرا تو مرے عون کا ہوسر اک ہاتھ پہ گردن ہو محمد کی سراسر  
لکھنا سرِ مرقد یہ زیارت کا مکاں ہے  
دو بیٹے ہیں بن بیامے اور اک دل جلی ماں ہے (مرزا دہیر)

[illegible]

له اسم استوار ہے فریاد کجی ۱۲۹

۱۰۸

لکھنؤ



سے زیادہ بڑھ کر وہ منظر جب کہ جان سے عزیز بھائی حسن کے جگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کے گرتے ہوئے دیکھے آنکھوں میں خون اتر آیا۔ لیکن اطاعتِ امام میں مہربہ لب سر جھکائے ہوئے سب کچھ برداشت کر لیا۔ یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے بھائی کے جنازے پر تیروں کا مینہ برستا ہوا بھی دیکھا اور شیر دل عباسؑ کی نظروں نے ان تمام مظالم کا جائزہ لیا سچ بتائیے عباسؑ دلاور کی بہادری کا تصور رکھنے والے دماغ میں بھی یہ روح فرسا منظر برداشت کرنے کی قوت شاید نہ ہو۔ چہ جائیکہ عباسؑ کی موجودگی میں اور ان کے جیتے جی یہ جمال! یہ صرف حسینؑ کے صبر و استقلال کی زبردست چھاؤں تھی جس میں عباسؑ پروان چڑھے تھے۔ اور دوسری طرف مصلحتِ الہی کا حصار اور فرض کی زنجیریں عباسؑ کے ولولوں کو اپنائے ہوئے تھیں کئی کر بلا کے میدان کوفہ ہی میں بن جاتے۔ اور وہ بھی محض عباسؑ ہی کے ہاتھوں۔ یقیناً اس کو آپ کی بلند نظری نے سمجھ لیا ہوگا کہ حالاتِ زمانہ کی رفتار کیا ہے اور ہم کو آخر میں کیا کرنا ہوگا۔ اس طرح صبر آزمائی انتظار کی گھڑیاں جو ایک بہادر کے لئے سخت سے سخت ہوتی ہیں ان ہی سے عباسؑ کو دو چار ہونا پڑا۔ لیکن وہ ایک فرض شناس انسان جرأت اور بہادری کے صحیح حدود کو پرکھنے والے انسان کی طرح اپنے فرض شناس بھائی کے ساتھ جو اس کے قائد اور آقا تھے۔ وقت کی موجود ساکن مگر پر اضطراب خاموشی میں غرق رہتے ہوئے ٹھیک موقع محل کے منتظر تھے۔

آخر کار حاکمِ شام کی آخری ہچکی کے ساتھ اس کی وہ شرط بھی دم توڑ کر رخصت ہوئی کہ اس کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔ ایک غاصب باپ نے اپنے فاسق فرزند کی خاطر وہ تمام راہیں ہموار کر دی تھیں۔ جو دنیاوی افراد کرتے رہتے ہیں۔ پھر جو باپ سے بچ رہا تھا اس کو اس کا فرماں بردار بیٹا پایہ تکمیل تک نہ پہنچاتا تو اس کے پیش رو لوگوں کی جڑیں کیسے مضبوط ہوتیں۔

ہر اصول تاریخ میں مرتب کئے ہوئے۔ اس نے جو کچھ کیا اس خود ساختہ نظام و طرز جہانبانی کے پیش نظر کیا۔

بہر حال وہ موقع بھی آگیا کہ گورنر مدینہ ولید نے امام حسینؑ کو طلب کیا۔ اس وقت جو چند اعزہ آپ کے ہمراہ گئے ہیں ان میں عباسؑ کا اسم گرامی ہمیں اکثر و بیشتر تواریخ میں ملتا ہے۔ اور یہاں تک وہ پُر عظمت و پُر شکوہ آواز ولید کے محلوں سے نکلراتی ہوئی مدینہ میں گونج گئی جو حسینؑ کی آواز پر بلند ہوئی تھی۔ جس نے مروان ایسے بزدل صلاح کار کے بدن میں تھر تھری ڈال دی۔ خود گورنر مدینہ کانپ اٹھا یہ پُر شکوہ آواز عباسؑ ہی کی تھی جسے اہل وفانے اس وفاؤں کی دنیا و ایثار کے مجسمے سے تاریخ کے ذریعہ پہلی بار صاف طور سے سنا۔ اور اس کے بعد وہ منظر بھی آگیا جب مدینہ کے دیوار و در اپنے نبیؐ کے اہل بیتؑ کو آخری بار رخصت کرنے کے لئے کانپ اٹھے۔ ستاروں کی بے شمار آنکھیں اور ان پہچانے ہوئے مقدس افراد کی جدائی میں آنسوؤں سے لبریز ہو چکیں ہواؤں میں افسردگی بھر گئی۔ فضائیں غمگین نظر آئیں۔ ناقے لائے گئے مخدّراتِ عصمت کو اکبر و عباسؑ ترک و احتشام عزت و احترام کے ساتھ بٹھانے لگے۔ کہیں عبداللہ ابن عباسؑ کا مشورہ زہیبؑ کے گوش زد ہو گیا۔ کہ آپ عورتوں اور بچوں کو اپنے ہمراہ نہ لے جائیے۔ پھر وہ بہن جو بھائی کی جدائی کا تصور بھی نہ کر سکتی ہو۔ اس کے لئے یہ جملہ کتنا گراں گذرا ہوگا؟ اور ایسی بہن جس کی نظروں کے سامنے عباسؑ سا شیر بھائی موجود ہو۔ ایک آواز بلند ہوئی۔ ابن عباسؑ کیا تمہارا منشا یہ ہے کہ بہن بھائی سے جدا ہو جائے۔ میں عرض کروں گی کہ اے شہزادی آپ کا اعتماد و بھروسہ حق بجانب ہے عباسؑ ساری بھائی جس کا ہو پھر کس کی مجال ہو سکتی تھی جو گستاخانہ نظریں بھی اٹھا سکے اور بہن کو بھائی سے جدا کر دے؟۔ لیکن ایک وقت آئے گا کہ آپ کو فرض کی قربان گاہ پر اپنے جان



سے زیادہ عزیز بھائی اپنی اٹھارہ برس کی کمائی حتیٰ کہ اپنا سارا متاعِ زندگی تاج دینا پڑے گی اور وہ وقت وہی ہوگا جب علمدار حسینی عباسؑ علمبردار شجاعت کا چراغ گل ہو جائے گا۔ ہمت کا ستارا ڈوب جائے گا۔ بہن کی آس ٹوٹ جائے گی فوجِ خدا کا غازی سپاہی۔ ثانی جعفر طیار کے بازو قلم ہو جائیں گے۔ آفتابِ کربلا میں گہن لگ جائے گا۔ اور یہی ہوا بھی جس وقت تک اسد اللہ کا شیر دل فرزند جیتا رہا دشمنوں کی ہمتیں پست رہیں۔ ان کے ولولے سرد رہے۔ فوج پر ایک ہیبت چھائی رہی وگرنہ سردار فوج شمر ابن ذی الجوشن ایسے شقی القلب کو اذن نامہ لکھنے کی سیاست سوچتی؟۔ محض اس خوش آئند تصور پر کہ کہیں دور سے ام البنین والدہ جناب عباسؑ کے قبیلے بنی کلاب سے اس کی رشتے داری نکلتی تھی۔ کون ام البنین۔ حضرت علی کی بہادر زوجہ جن کے وہ نوے جو عباسؑ کی شہادت پر ان کی زبان پر جاری ہوئے جو اپنے میں محض درد انگیز کرب و بے چینی ہی نہیں رکھتے۔ بلکہ ان میں وہ قوتِ نفس موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عباسؑ ایسے شیر کی ماں کے دل سے نکلے ہوئے ہیں۔ کہاں ہیں دیکھنے والے میرے شیر صفت عباسؑ کے جب وہ حملہ آور تھا بیھڑوں کے گلوں پر اور اس کے پیچھے تھے حیدرِ صفدر کی اولاد کے باہمت کئی شیر۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے فرزند کے سر پر گرز لگا، اس وقت جب اس کے ہاتھ کٹ چکے تھے۔ ہائے افسوس میرے بچے کے سر کو گرز نے شکافتہ کر دیا۔ اے عباسؑ مجھے یقین ہے کہ اگر تیری تلوار تیرے ہاتھ میں رہتی تو کسی کو ہمت نہ ہوتی کہ تیرے قریب آ سکے۔

اے لوگو! اب مجھے ام البنین نہ کہو اس سے تو مجھے میرے اپنے شیر یاد آ جاتے ہیں۔ تھے کبھی کئی بیٹے جن کی وجہ سے میرا نام ”فرزندوں کی ماں“ ہوا تھا۔ اب تو میرے بیٹے ہی نہیں رہ گئے۔ چار وہ جیسے باز ہائے شکاری سب موت کے گلے میں

ہاں نہیں ڈال چکے۔ تیروں نے ان کے جسم کلڑے کئے اور سب زمین پر بے جان ہو کر گر گئے۔ ارے کیا یہ صحیح ہے لوگ کہتے ہیں کہ عباسؑ کے ہاتھ بھی قطع ہو گئے تھے۔ بھلا ایسی شیر دل ماں کی اولاد کے جیتے جی حسینؑ اور اصحاب حسینؑ پر کوئی آنکھ اٹھا سکتا تھا اور پھر متحدہ رات عصمت کی بے پردگی اور لاچارگی کا تصور بھی کسی کے ذہن کو چھو سکتا تھا۔ البتہ جب تمناؤں کا مرکز۔ بیسیوں کا سہارا زینبؑ کے دل کی ڈھارس۔ وفاؤں کی دنیا۔ ہمت و استقلال کا پیکر، عزم و استقلال کا غیر متزلزل پہاڑ، فرزند رسولؐ سے جدا ہو کر فرات کی ترائی میں ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا اس وقت حسین کے بازو شکستہ محسوس ہوئے، کمر ٹوٹی ہوئی معلوم ہوئی مستوراتِ کربلا کی آس ٹوٹ گئی۔ زینبؑ نے اپنے بازوؤں کی طرف دیکھا۔ رن بستی کا تصور سامنے آ گیا۔ اپنے عزیز بھائی سے جدا ہونے کا اب یقین کامل ہو گیا۔ اُمّ کلثوم کی اداسیاں بڑھ گئیں۔ سیکڑے کی آہ و زاریاں فضا کے کربلا میں گونجنے لگیں اور اسلام کی بھرپور جوانی خون و فاکازہ مل کر کچھ اور نکھر گئی، ایثار و قربانی نے بڑھ کر وفائے عباسؑ کے قدم چومے۔ حق و رفاقت اور ولولہ نصرت نے سنہیل کر زمین پر تڑپتے ہوئے عباسؑ کے شکستہ بازوؤں کے بوسے لئے اور اسلام کی بھرپور جوانی کچھ اور نکھر گئی۔

گذرتی ہوئی شب عاشور کے ساتھ چاند بھی اپنی دسویں منزل سے گذر رہا تھا۔ سطح زمین پر پھیلی ہوئی چاندنی رفتہ رفتہ اپنا دامن سمیٹ رہی تھی۔ نیلگوں آسمان پر جا بجا جھٹکے ہوئے تارے اس طرح بھللا رہے تھے جیسے کوئی نیند کا ماتا لیکن ڈرا ہوا گھبرا گھبرا کر بے اختیار آنکھیں کھولتا اور بند کرتا ہو۔

دنیا لیلائے شب کی آغوش میں نیند کے مزے لے رہی تھی فضا عالم پر سناٹا۔ استقلال کی صورت اختیار کئے ہوئے تھا۔ لبہائے ماسوا پر مہر سکوت لگی ہوئی



تھی۔ ہاں کبھی کبھی سنان اور ویران صحرا سے کچھ حشرات الارض کی صدائیں بلند ہو کر ان مناظرِ خوف افزا کو اور بھی دہشت ناک بنا دیتی تھیں۔ فرات کی موجیں صحرائے کربلا کی وادیوں کو سیراب کرتی ہوئی پیاسوں کے عبرتناک حال پر کفِ افسوس ملتی ہوئی مجبوراً آگے بڑھ جاتی تھیں۔ افسوس یہ پانی اہل بیتِ رسول کے علاوہ ہر ذی روح کے لئے آبِ رواں تھا اپنے ڈیرے ڈالے قدرت کی اس عام اور لاحدود نعمت کو غیر فطری اور غیر آئینی قبضہ جمائے خاص اور محدود بنائے ہوئے تھی۔ اور اولادِ فاطمہ پر یہی آبِ رواں و دواں بند تھا۔ غرض کہ ایک طرف شبنمی رات پیاسوں پر آنسو بہاتی ہوئی تمام ہو رہی تھی۔ دوسری طرف اہل بیتِ رسول کی امیدیں ختم ہو رہی تھی۔ چراغ بھڑک رہے تھے۔ دل دھڑک رہے تھے دریائے فرات لہرا رہا تھا۔ باغِ رسول بے آب مرجھا رہا تھا شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ رات کی اس خاموش فضا میں جس طرح دنیا کو خواب تھی ویسے ہی حسنی خیام میں بھی پرسکون ماحول ہوگا۔ لیکن نہیں۔ وہاں سکون کہاں جہاں بھوک اور پیاس ہو جینے سے یاس اور مرنے کی آس ہو جہاں تلواروں سے گلے ملنے کا ذوق اور راہِ خدا میں مرنے کا شوق ہو۔ وہاں تو کہیں ننھے ننھے معصوم بچوں کی الجوع اور الماء کی دلخراش آوازیں تھیں کہیں عقیدت کی چھاؤں میں بچھے ہوئے مصلوٰں سے آیاتِ قرانی اور ادعیہ کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ کسی طرف نصرتِ حق میں مر مٹنے والے اپنے اسلحے درست کر رہے تھے اور بے چینی سے صبحِ عاشور کا انتظار کر رہے تھے۔ خیام کے باہر شیر الہی کا شیر اپنے پورے جلال و ہیبتِ خاندانی کے ساتھ ٹہل ٹہل کر فرائضِ نگہبانی انجام دے رہا تھا۔ اور اس خدمت کو فرض کے خیال سے ادا کرتے ہوئے ارشاد فرماتے جاتے ہیں کہ اے نفسِ عباسؑ یہ شبِ عالم فانی کی آخری شب ہے خدمتِ آلِ رسولؐ بھجنی بھی ہو سکے کر لے شاید یہ موقعِ زندگی میں پھر نہ میسر آئے۔ دفعاً ہوا

میں ایک تہوج پیدا ہوا اور ایک خیمہ سے دبی ہوئی آواز کسی کی سسکیاں گوش مبارک سے نکلرائیں جھومتا ہوا شیر ٹھہر گیا اور آہستہ آہستہ اس خیمے کے قریب جا کر اندازہ کرنا شروع کیا یا ایک ضیغ کا پر جلال چہرہ متغیر ہو گیا اور روئے مبارک پر غیر معمولی اضطرابی رنگ دوڑنے لگا۔ ہاشمی ابروؤں پر بل پڑ گئے دل کچھ ایسے ہی متاثر ہوا کہ جذبات سے مجبور ہو کر ایک مرتبہ بے اختیار تھرتھراتے اور کانپتے ہاتھوں نے خیمے کا پردہ اٹھا کر دلیر کو اندر کا اندوہناک سماں دکھا ہی دیا۔ فاتح خیبر کی چھوٹی صاحبزادی جناب اُم کلثوم کے آنسوؤں کا ایک تار بندھا ہوا ہے پاس جلتی ہوئی شمع کا فوری گو خود بھی شہزادی کو نین کے ساتھ آنسو بہا رہی ہے لیکن اس کے آنسوؤں کا سلسلہ بھی اتنا تیز نہیں۔

عباسؑ سا غیرت دار اور وفا شعار بھائی، بہن کو اس عالم میں دیکھ کر بے تاب ہو گیا۔ بہن کی نظر بھی ایک بار بھائی پر اٹھی اور آؤ بھیا کہہ کر بہن نے اور بھی بیتابانہ اشک برسانا شروع کر دیئے۔

محبت والے بھائی کو اس کی برداشت کہاں، فرمایا شاہزادی غلام یہ کیا دیکھ رہا ہے۔ عباسؑ کی زندگی میں آپ کو کس چیز نے اس طرح رونے پر مجبور کر دیا۔

دل شکستہ بہن جواب کیا دیتی، وفور غم اور غیرت فطری سے زبان نہ کھل سکی۔ البتہ نظریں شیر سے بھائی کے چہرے پر گر گئیں، زبان مبارک سے صرف ”بھیا“ نکل سکا اور بندھی ہوئی آواز کی سسکیوں نے پھوٹ پھوٹ کر رونے کی شکل اختیار کر لی، بھائی کے حال دل دریافت کرنے سے مغموم و محزون بہن کا دل اور بھی بھر آیا۔ فدائی بھائی کا کلیجہ بھی فرط غم سے شق ہو گیا اور سوا اس کے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ دوڑ کر بہن کے قدموں پر سر رکھ دے۔ فرمایا شہزادی غلام کی جان نثار ہو خدا را اپنے اس طرح رونے کا سبب جلد بتا دیجئے ورنہ عباسؑ اب اپنی تیغ سے گلا کاٹ کر مر



جائے گا۔ بہن کا دل تھا بے قرار بھائی کے اس طرح اصرار نے شہزادی کی خموشی کو بالآخر تکلم سے بدل دیا، فرمایا بھیتا کیا بتاؤں رات تمام ہو رہی ہے۔ کچھ دیر کے بعد صبح عاشورہ نمودار ہوگی۔ رسولؐ کے جگر بند پر فدا کرنے کے لئے سبھی کے پاس کچھ نہ کچھ گراں قدر دیئے موجود ہیں۔ بہن زینبؓ اپنے دولال بھائی پر قربان کریں گی ام فروہ بھی محمد اللہؐ دو فرزند رکھتی ہیں۔ بیوہ مسلم کو بھی خدا نے دلِ لخت جگر دیئے ہیں۔ ام لیلیٰ اپنے کڑیل جوان ہمشکل رسولؐ اور رباب اپنے ششماہ کی قربانی پر ناز کریں گی۔ لیکن بھیتا..... کہہ کر پھر جناب ام کلثوم خاموش ہو جاتی ہیں۔ بے تاب دل بھائی نے فرمایا فرمائیے فرمائیے، فرمایا، بھیتا میں بدنصیب تو کوئی فرزند بھی نہیں رکھتی۔ فاطمہ کے لال پر نثار کرنے کے لیے فدیہ کہاں سے لاؤں۔ بھیا عباسؓ بروز قیامت نانا جان کے رو برو یہ سب سرخروئی حاصل کریں گے لیکن میں بدنصیب ان کا سامنا کیسے کروں گی۔ بہن کے اس درجہ حسرت سے بھرے ہوئے جملوں نے بھائی کے دامن صبر کی دھجیاں اڑا دیں۔

کہا مخدومہ عالم یہ آپ کیا ارشاد فرماتی ہیں۔ عباسؓ جیسے غلام کی موجودگی میں آپ کے زبان مبارک سے یہ جملے! میری شہزادی اگر عباسؓ کو ایسی ہزاروں جانیں ملیں تو بھی وہ آپ کے ادنیٰ سے اشارے پر نثار کرنے کو فخر سمجھے گا۔

شہزادی کو نین بس للہ اب عباسؓ کے سامنے کچھ نہ ارشاد فرمائیے گا ورنہ شاید اس کی روح تڑپ کر قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے یہ آپ نے کیا فرمایا کہ آپ کے پاس فدیہ نہیں یہ آپ کا غلام تو موجود ہے آخر یہ کس دن کام آئے گا۔ مطمئن رہیے اور صبح ہونے دیجئے یہ فدیہ آپ کے سامنے حاضر رہے گا۔ فرزند رسولؐ سے قربان ہونے کی اجازت دلانے کی آپ ذمہ داری لیں اور بس۔

بہن کو اس سعادت سے خوشی تو انتہا کی ہوئی بے تابانہ بڑھ کر بھائی کے گلے

میں باہیں ڈال دیں فرمایا میرے فدائی میرے شیر سپاہی میرے شکستہ دل کے  
 سہارے ام البنین کے راج دلارے فاطمہ کی آنکھوں کے تارے بہنوں کے ٹوٹے  
 ہوئے دل کے سہارے تجھ سے تو حسینؑ کے لشکرِ قلیل کی زینت ہے، بھیا حسینؑ  
 کے زندگی کے سہارے، معصوم بچوں کی زیست کا سبب تجھ سے ہے، یہ بہن تجھ جیسے  
 دُر بے بہا کو کیوں کر میدان کی اجازت دلوائے گی۔ اے عباسؑ کاش کہ اس وقت  
 بہن کا وجود اس عالم فانی میں نہ رہ جائے جبکہ میدانِ قتال میں شہادتِ عباسؑ کا غل  
 بلند ہو۔ اب میں پوچھتی ہوں کہ شہزادی جب آپ نے حسینؑ کو میدانِ جنگ سے  
 علم لاتے ہوئے دیکھا ہوگا تو کیا قیامت گزری ہوگی۔ شاید خیامِ حرم میں و امجدہ و  
 عباساہ و علیاہ کی پیہم صدا میں بلند ہوئی ہوں۔



## مجلس ششم<sup>۶</sup> سیرت ابوالفضل العباسؑ

چونکہ اس مجلس میں میں سیرت ابوالفضل العباسؑ کی کچھ خصوصیات بیان کرنا چاہتی ہوں، گو آپ سب خود حضرت کی عدیم المثال ذات گرامی سے مجھ سے زیادہ واقف ہوں گے بہر حال میں کیا اور میری مجال کیا کہ اسد ذوالجلال کے شیر جیسے فرزند کے وصف میں اپنی زبان بے زبانی سے بیان کروں البتہ اسے بھی تائید خدا اور امداد بخشنی سمجھتی ہوں بلکہ خود اعجاز اور برکت نام حضرت عباسؑ ہے کہ مجھ سی کم علم حضرت عباسؑ کے فضائل و مصائب اپنے ہی قلم سے نکلے ہوئے جذبات کی تہہ میں بیان کر سکے۔ اس کے لئے خداوند کی شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھ کو امت محمدؐ اور شعیان اہل بیتؑ سے خلق فرمایا اور پھر یہ دعا ہے کہ اے خالق انس و جان تو ہم سب کو انھیں معصومین طاہرہ اور اعلیٰ قدر مراتب شہدائے کربلا کے ساتھ روز حساب بلانا ہمارے ہاتھوں میں اس دن بھی گوشہٴ ردائے زہر ہو اور جس نشان اسلام علم کے نیچے ہم آج اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں اور مرادیں پاتے ہیں اس سعادت

نشان پھریرے کا سایہ ہم گنہگاروں کے سر پر عرصہ محشر میں لہرائے اور فرشتوں میں غل ہو کہ حسینؑ کے تعزیہ دار آتے ہیں۔ (آمین)۔

اب میں چند جملوں میں حضرت عباسؑ کی طاعت اور معرفت خدا کا ذکر کرتی ہوں۔ اگرچہ عباسؑ کی سیرت اتنی نمایاں اور کافی ہے جو روشنی کی محتاج نہیں، ”عباسؑ کی وفا کوئی پوچھے حسینؑ سے“

خود مرقد عباسؑ اس مطلب پر شاہد ہے کہ ساری دنیا عباسؑ کو مظہر غضب شیر خدا جانتی ہے اور عباسؑ کی شجاعت و وفا و مواسات و احترامات و حفاظتِ امامت کے لئے بچپن سے پہنچتی تھی زندگی میں عباسؑ نے اپنے بھائی یا آقا حسینؑ کے ساتھ جو محبت اور وفاداری دکھلائی آج تک اسکی مثال نہ دیکھی گئی نہ سنی گئی۔ بعد شہادت بھی حضرت کی وفاداری اسی جوشِ ایمانی کے ساتھ ہر وقت تازہ رہتی ہے۔ چنانچہ یہ مشہور ہے کہ جب زائرین کا قافلہ نزدِ عراق پہنچتا ہے تو جنابِ علمبردارِ حسینیؑ معہ نشانِ لشکر کے سرحدِ عراق پر زائرین کا خیر مقدم فرماتے ہیں خوش نصیب وہ مومنین ہیں کہ جن کے استقبال کو شہنشاہِ کونین سلطانِ مشرقین جنابِ امام حسینؑ کے لشکر کا علمدار سپاہی خود بہ نفسِ نفیس تشریف لائے خدا کرے جملہ مومنین و مومنات اور یہ گنہگار بھی یہ مناظر جیتے جی دیکھ سکے (آمین) آپ سبھوں نے عالم و جد میں نعرہ صلوٰۃ بلند کیا خدا اس کا اجر عطا کرے۔ لگے ہاتھوں ایک معجزہ اور اپنے مولا و آقا علمدار علیہ السلام کا سن لیجئے تاکہ باعثِ فرحت و تسکینِ قلب ثابت ہو۔ مشہور ہے کہ کبھی زائرین کر بلا کا آج تک کوئی جہاز بجمہ کبھی غرق نہیں ہوا۔ سمندر میں تلاطمِ عظیم آئے۔ خوفناک آندھیاں بھی آئیں طوفان کا بھی زور و شور رہا سب کچھ ہوا مگر زائرین کا جہاز ہمیشہ بہ فضلِ الہی محفوظ رہا۔ چنانچہ حضرت ابوالخلیل مولا ناسیدِ راحت حسین صاحبِ قبلہ (مولف کتاب ”توشہ آخرت“) تحریر فرماتے ہیں کہ۔ ۱۳۳۰ھ



میں حقیر کو بھی ذاتی تجربہ ہوا جبکہ پہلا سفر عراق تھا اور میرے ہمسفر حاجی غلام علی صاحب مرحوم ایڈیٹر راہ نجات بھاؤنگر کا ٹھیا واڑ تھے یقین مانیے یورپین ناخدا کہتا تھا کہ میں بوڑھا ہوا سمندر ہی کے سفر میں زندگی تمام ہوئی بڑے بڑے معرکے سمندر کے جھیلے مگر ایسا طوفان میرے ہوش میں نہیں آیا، اس نے زائرؤں سے کہا ان کو پکارو جن کی زیارت کو جا رہے ہو۔ یہ کہا اور غائب ہو کر سیڑھیوں سے اترنے لگا۔ محافظت والی کشتیاں کھول کر سطح سمندر پر ڈال دی گئیں، ایک رئیس غالباً یوپی کے رہنے والے تھے انہوں نے گڑ گڑا کر ناخدا سے کہا تمہیں عیسیٰ ابن مریم کا واسطہ جہاز سے نہ اتر ورنہ ہماری عورتیں اور بچے سہم کر ہلاک ہو جائیں گے۔ کہ ایسا طوفان عظیم ہے کہ ناخدا بھی جان بچا کر بھاگا جا رہا ہے۔ ناخدا نے غصہ میں جھلا کر کہا کیا تم چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ ہم بھی ڈوب مرے۔

بے چارے رئیس سجدے میں گر پڑے مولا کو پکار رہے تھے، سب زائرین عورت و مرد بوڑھے بچے نوحہ و ماتم میں مشغول تھے کہ یکا یک وہ کپتان سیڑھیوں سے پلٹا اور رئیس صاحب موصوف کے پاس آکر ہاتھ جوڑ کر خوشامد کرنے لگا۔

رئیس نے پوچھا کیوں پلٹے۔ تم تو ابھی مجھ کو جھڑک کر چلے گئے تھے۔ اس نے کہا چند سیڑھیاں طے کی تھیں کہ دفعتاً دیکھا ایک سوار سمندر پر گھوڑا دوڑائے ہوئے چلا آ رہا ہے جس کے شانے تو کٹے ہوئے ہیں مگر نہ معلوم کس عنوان سے علم بھی ساتھ ہے جس کا پھریرا لہرا رہا ہے اور نیزہ بھی ہے۔ مجھ سے کہا ڈانٹ ڈپٹ کر کہ جلد جہاز پر جاؤ۔ ہمارے زائرین کو دلاسا دوا اگر تم نہ مانو گے تو ہم اپنے زائرین کو تو اللہ کے عنایت سے بچا ہی لیں گے مگر تم اور تمہارے جہاز کی خیر نہیں۔ کان کھول کر سن لو۔ میں نے پوچھا آپ کون ہیں کہاں سے آ رہے ہیں۔ کہا کہ لشکر حسینی کا سردار حسین مظلوم کا تابع دار عباس علمدار ہوں۔ میرے آقا نے مجھے حکم دیا کہ عباس

کر بلا سے جلد وہاں پہنچ اور نیزے کی انی سے جہاز کو روک لے ہمارے زائرین بے حد پریشان و مضطرب ہیں۔ بہر کیف جہاز کو اسی وقت سکون ہوا باطمینان تمام کراچی پہنچا (نعرہ صلوة)۔

مومنین ایسے وفادار جاں نثار بھائی کی اپنی حیات میں حسین کو کیوں نہ قدر ہوتی جو بعد شہادت بھی اپنے آقا کے حکم پر ہر وقت راضی برضا ہو۔ جب ہی تو روز عاشورہ ہنگام زوال میدان قتال میں ایک آواز دردناک گونجی تھی معلوم ہوا کہ کوئی خدا پرست کسی جوان کی لاش پر مصروف ماتم ہے جس کی آپس قلوب کفار کو لرزا رہی ہیں جس کے خونی آنسو زمین کر بلا کو آنسو بہانے پر مجبور کر رہے ہیں جس کے مرثیے کی لرزتی ہوئی آواز کون کر نہر فرات مصروف ماتم ہے فضا غمگین ہے۔ ایک طرف شہیدوں کے لاشے ہیں جو اس گریہ کن صدائے نوحہ پر بے قرار ہو کر واعباسا کی آواز نکالتے ہیں رونے والے کی جھکی ہوئی کمر بتلا رہی ہے کہ اس بہادر کی کمر ٹوٹ چکی ہے جس کے سینے سے نکلتی ہوئی کراہیں یہ ظاہر کر رہی ہیں کہ اس بہادر کا دل پاش پاش ہے معلوم نہیں یہ کون مظلوم ہے جس کا جسم تیروں سے چھلنی ہے لباسِ مطہر بھائے سیف سے تارتا ہے۔ ہاں سمجھ میں آیا یہ ستم یزیدی کا نشانہ حرص دنیا سے بیگانہ خاتم المرسلین کا نواسہ حسین ابن علی ہے جو اپنے برابر کے بھائی عباس کی لاش پر دل کو سنبھالے ایک مایوس کن انداز میں مرثیہ پڑھ رہے ہیں جسے سن کر جن و ملک بھی بے تاب ہو گئے ناگاہ زعفر جن نے خدمت امام میں آکر عرض کی مولا

زعفر نے کہا دم نہیں آقا میرے دم میں جن نعروں غش ہوتے ہیں جن دردِ عالم میں سنتا ہوں وہی نعرے میں اس دشتِ ستم میں شہ بولے علی روتے ہیں عباس کے غم میں ٹوٹی ہے ہماری بھی کمر بھائی کے غم سے



سیدھا ہی نہیں اب تو ہوا جاتا ہے ہم سے

حسینؑ اس کی لاش پر مصروف ماتم کیوں نہ ہوں جس نے وفا کو زندہ کر دیا جس نے وفا کو منتہائے کمال پر پہنچا دیا۔ جس نے اپنے برابر کے بھائی سے کبھی کسی حکم کے بجالانے میں انکار نہ کیا۔ یہ وہی عباسؑ ہیں کہ جب بھی حسینؑ پر کوئی مصیبت پڑی ہمیشہ حسینؑ کا ساتھ دیا۔ حُر نے مرکبِ حسینی کی لجام پر ہاتھ ڈالا تو شمشیرِ عباسؑ نے بلند ہو کر حُر کو لجام چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ اگر میدانِ کربلا میں نہر سے نیچے ہٹانے کا فوجِ اشرار نے مطالبہ کیا تو شمشیرِ عباسؑ نیام سے تڑپ کر باہر نکلی۔ اگر حسینؑ نے میدان میں جانے کا قصد کیا تو عباسؑ نے پہلے اپنے ہاتھ کٹا دیئے۔ یہ وہی شیرِ دل عباسؑ ہیں جن کی ایک ضرب نیزہ سے ماردا بن صدیف کو سوائے کوچہ موت کے کہیں جگہ نہ ملی۔ مجھے وہ وقت یاد آ رہا ہے کہ جب جنابِ عباسؑ نے دیکھا کہ سوائے شہزادہ علی اکبرؑ کے اور مولائے کونین امام حسینؑ کے کوئی جنگ کرنے والا نہ رہا تو باوجود امام کے انکار ایک مرتبہ پھر جنابِ عباسؑ امام کی خدمت میں آئے آنکھوں میں آنسو بھرے طالبِ جہاد ہوئے۔

حضرت سمجھ گئے کہ عباسؑ اب نہ رکیں گے اور حسینؑ یہ بھی سمجھتے تھے کہ عباسؑ اسدِ الہی کا شیر ہے اگر عباسؑ نے غصہ اور غضب کی حالت میں فوجِ یزیدی پر حملہ کیا تو طبقہ کربلا لرزنے لگے گا فوجِ یزیدی نیست و نابود ہو جائے گی۔ اس لئے کچھ سوچ کر فرمایا، بھائی میں تم کو لڑنے کے لیے فوج میں نہیں بھیجتا مگر ہاں اس وقت فوجِ یزیدی کو وعظ و نصیحت کر کے کچھ پانی طلب کرو تو پیاس سے تڑپتے ہوئے قریب ہلاکت یچوں کو کچھ تسکین ہو۔ لیکن دیکھو تم علمدارِ لشکر ہو علم کا خیال رہے۔

عباسؑ نے گلے میں مشک ڈال لی ایک ہاتھ میں علم ایک میں نیزہ لیا، میدان میں پہنچے۔ صفوفِ لشکر کفار پر غیظ میں نظر ڈالی۔ علیؑ کا شیر ہے لشکرِ کفار عباسؑ کے تیور

دیکھ کر کانپ گیا۔ عباسؑ نے پہلے شیرانہ رجز شروع کئے۔ پھر فرمایا اے قوم جفا کار  
 سن میں اپنے ہدایت یافتہ قلب کے ساتھ بے نظیر مقاتلہ کے سلسلہ میں نواسہ  
 رسول محمد مصطفیٰؐ سے دشمنوں کو دفع کروں گا۔ میرا کہنا یاد رکھو کہ اس تلوار سے تم کو  
 ایسا قتل کروں گا کہ تم پریشان ہو جاؤ گے اور میرے آقا و مولا امام حسینؑ سے جنگ  
 کرنے سے باز آؤ گے۔ میں عباسؑ ہوں، صاحب شجاعت و محبت ہوں اور شجرِ علوی  
 کی عمدہ ترین شاخ ہوں، اس کے بعد دشمنوں نے آپ کو گھیر لیا اور چاہا کہ حملہ کریں  
 اس وقت آپ نے پھر ارشاد فرمایا کہ۔

سچ کہو تم لوگ کون ہو کافر ہو کہ مسلمان کیا تمہارے دین میں یہ جائز ہے کہ  
 حسینؑ اور ان کے بچوں تک پانی نہ پہنچے اور وہ پیاس کی شدت سے ہلاک ہوں۔  
 افسوس دیکھو حسینؑ اور اطفالِ حسینؑ شدتِ عطش سے جاں بلب ہیں اور تم پانی نہیں  
 دیتے کیا تم لوگ قیامت کی سخت پیاس کو بھولے ہوئے ہو۔

اس کے بعد بہادر شیر نے حملہ کیا وفادار اس کو کہتے ہیں کہ عباسؑ اگر حملہ آور  
 ہوتے ہیں تو حسینؑ کو یاد کرتے ہیں۔ رجز پڑھتے ہیں حسینؑ کو یاد کرتے ہیں۔ کبھی  
 فرماتے ہیں میں وہ بہادر ہوں کہ جب موت سرخ لباس پہنے میرے سامنے آتی  
 ہے تو میں اس سے ڈرتا نہیں اور میں شمشیرِ برہنہ سے روگردانی نہیں کرتا اور کبھی  
 فرماتے ہیں میری جان حسینؑ پر فدا ہو جائے جو بمنزلہ جانِ محمدؐ ہیں۔ میں عباسؑ  
 ہوں اور سقائے اہل بیت ہوں۔ یاد رکھو کہ میں میدانِ جنگ میں جنگ سے قطعاً  
 خوف نہیں کرتا۔

وفاداریِ عباسؑ کا دم بھرنے والو اس سے زیادہ اب کیا وفاداری ظاہر ہوتی کہ  
 جب عباسؑ نے تین دن کی پیاس میں نہرِ فرات کے تیزی سے بہتے ہوئے صاف  
 پانی میں اپنا مرکب ڈالا۔ تین دن کے بعد جو پانی کو اتنے قریب پایا ایک مرتبہ چلو



بھر کر پانی لیا۔ دفعتاً خیام حسینی میں تڑپتے ہوئے العطش العطش کی صدائیں لگاتے ہوئے بچے یاد آئے پھر اپنے آقا و مولا کا شدت عطش سے اداس چہرہ یاد آیا۔ پانی کو پھینک دیا۔ اسی عالم میں نفس سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں اے نفس عباسؑ پانی پینے میں جلدی نہ کر حسینؑ اور ان کے خرد سال بچے حرم مطہر سب بے حد پیاسے ہیں۔ خدا کی قسم میں ایک قطرہ بھی پانی کا نہ پیوں گا اس حالت میں جبکہ آقا حسینؑ کی بے حرمتی ہو رہی ہو۔ اس کے بعد مشک بھری خیام حسینی کی طرف چلے کفار نے حملہ کیا۔ حضرت عباسؑ رجز پڑھتے ہوئے بڑھے راہ میں ماردا بن صدیف کو قتل کیا۔ ایک ظالم شامی نوفل ملعون نے حملہ کیا اور دست راست منقطع کیا۔ اس کے بعد حکیم ابن طفیل اور بروایت عبداللہ ابن شہاب سبھی نے پشت سے آکر آپ کے بائیں ہاتھ کو منقطع کیا۔ ایک جناب عباسؑ کی بیکی تھی، مظلومی تھی، شجاعت تھی، وفاداری تھی اور دوسری طرف بھائی کی محبت تھی۔ حسینؑ کی نظر علم عباسؑ پر تھی۔ مظلوم امام، عباسؑ کی سلامتی کی شہادت نشان لشکر کی بلندی سے پار ہے تھے عباسؑ نے داہنے بازو کے جدا ہوتے ہی علم بائیں ہاتھ میں لے لیا، رایت سلام ڈگگا کر پھر بلند ہو گیا لیکن جبکہ بایاں بازو بھی کٹ کر گرا عباسؑ مجبور ہوئے اور نشان اسلام تیسری بار جھکا بلکہ اس لئے خاک پر ٹھنڈا ہوا کہ پھر نہ اٹھے۔ نہیں میں نے غلط کہا یہ علم اس لیے جھکا کہ نشان اسلام کی شبیہ ہر شیعہ اور ہر عزا دار کے امام باڑوں میں جگہ پا کر دلِ مومن میں ایمان کی روشنی پھیلا سکے اور ہر اس مجمع میں ہر گروہ میں واحسینا کی صدا کے ساتھ ساتھ علم عباسؑ بھی بلند رہے۔ یہ ایں وجوہ جب سے عباسؑ میدان کو سدھارے تھے مولائے دو جہاں برابر عباسؑ کے علم پر نظریں جمائے رہے علم کا ڈگگانا دیکھ کر میرے مظلوم حسینؑ سمجھ گئے کہ جاں نثار بھائی پر بھی وقت رخصت آگیا، علم زمین تک جھکا قلب حسینی مصروف ماتم ہوا لیکن علیؑ کے شیر، جعفر ثانی نے

کٹے ہوئے ہاتھوں کی مدد سے گرتے ہوئے علم کو سنبھالا۔ اُس طرف حسینؑ کچھ مطمئن ہوئے اور ادھر ایک ظالم نے سرعباسؑ پر گرز لگایا۔ تیرمشک کو پہلے ہی چھید چکا تھا۔ ہمت و قوت نے جواب دیا۔ عباسؑ نے گھوڑے سے گرتے گرتے آواز دی یا مولا آپ پر آخری سلام۔ حسینؑ نے بھائی کی آواز سنی کمر پکڑ کر حسینؑ عباسؑ کے لاشے کی طرف چلے اور عالم حسرت و یاس میں گریہ کرتے جاتے ہیں بیٹے کی ہمراہی میں بھائی کی لاش پر پہنچے فرمایا عباسؑ، حسینؑ آیا ہے، ساتھ ہی جناب علی اکبرؑ نے پکار کر فرمایا اے چچا عباسؑ بابا تشریف لائے ہیں آنکھوں کو کھولئے۔ شوق زیارت امام میں عباسؑ نے ایک بار چشم وا کی اور فرمایا، آقا میری لاش کو خیمہ میں نہ لے جائیے گا اس لئے کہ میں اپنی کوششوں میں ناکامیاب اور سیکینہ سے محبوب رہا۔

اور ایک یہ حسرت مری عابد کو سناتا      پیارے مرے جب گورِ غربیاں تو بنانا  
تو لا کے سیکینہ کو ترائی میں بٹھانا      صدقے کی طرح گرد مری لاش پھرانا  
تلقین میں کہیو مجھے شیدائے سیکینہ

اور قبر پہ لکھ دیجو سقائے سیکینہ (مرزا دہر)

مومنین یہ عباسؑ کی شان وفا تھی اس سے بالا تر شان ملاحظہ فرمائیے۔

جب کہ امام فرما رہے ہیں بھیا عباسؑ میری یہ حسرت آخری پوری کر دو کہ ایک بار مجھ کو بھائی کہہ کر پکار لو۔ فرمایا آقا یہ کیونکر ہو سکتا ہے بھلا غلام کی مجال ہے کہ آقا کو بھائی کہہ کر مخاطب کرے۔ وفاداری اسے کہتے ہیں۔ ادھر عباسؑ نے موت کی انگڑائی لی ادھر حسینؑ بے قرار ہوئے۔ وہ منظر یاد آتا ہے کہ حسینؑ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں بہادر اور وفادار عباسؑ سامنے ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ حسینؑ اشک حسرت بہا رہے ہیں۔ اور عباسؑ کے سینے میں تیر پیوست سر پر گرز کا نشان، ہاتھ منقطع، تمام جسم سے خون بہہ رہا ہے، قطرہ بے خونین نے جمع ہو کر گہائے وفا کا بار



بنایا اور اپنے مولا و آقا کی خدمت میں نذرِ عقیدت و محبت پیش کیا، حسینؑ نے قبولیتِ نذر کے طور پر قطراتِ خونین پر ہاتھ رکھا ادھر عباسؑ کی روح نے جسدِ اطہر کو خیر باد کہا ایک مرتبہ حسینؑ عباسؑ کے لاشے سے لپٹ گئے۔

حسینؑ نے بھی بھائی کی وصیت پوری کی لاش لب نہر سے نہیں اٹھائی اور آج تک علی کا شیر ترائی میں آرام کر رہا ہے۔

رایتِ لشکر لے کر امام واپس ہوئے۔ جناب سیکنڈ نے جو اپنے بابا کو تنہا علم لاتے ہوئے دیکھا عرض کیا بابا جان آپ کو ہمارے چچا عباسؑ کی بھی کچھ خبر ہے وہ پانی لینے گئے تھے لیکن بہت دیر ہوئی اب تک واپس نہیں آئے بابا چچا عباسؑ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے بتلائیے کیا ہمارے چچا جان نے خود پانی پی لیا اور ہم سب کو بھول گئے یاد دشمنوں سے لڑ رہے ہیں۔

امام نے حسرت سے بیٹی کی طرف دیکھا عباسؑ کی یاد اور ستانے لگی چشمہائے مبارک نے اشکِ خونین ٹپکائے ضبط نہ کر سکے فرمایا اے بیٹی تمہارے چچا قتل ہو گئے اور ان کی روح مبارک جنت میں پہنچ گئی۔ اے باپ کی جان خیمہ میں چل کر چچا کا ماتم کرو۔ اپنی پھوپھی زینبؑ سے کہو کہ نام و نشانِ علی دنیا سے مٹ چکا صف ماتم بچھاؤ کہ یہ ماتم رسولؐ اور حمزہؑ و جعفرؑ کا ماتم ہے لشکرِ حسینؑ کا خاتمہ ہوا۔ نشانِ اسلام فرات کے کنارے ٹھنڈا ہو گیا۔

امام کے یہ الفاظ سیدانوں کے لئے مصیبتِ عظیم تھی۔ زینبؑ کی ڈھارس سیکنے کی امیدیں لشکر کی شانِ علیؑ کا نشانِ حسینؑ کا قوتِ بازو لشکرِ اسلام کا علمدار نہر سے واپس نہ آیا بلکہ پانی کے لئے بہتے ہوئے دریا پر اپنا خون بہا دیا۔ جب تک عباسؑ سا بھائی حسینؑ کے چھوٹے سے لشکر کی زینت رہا زینبؑ کو بڑی ڈھارس رہی بھائی پر نظر ڈال کر دل میں کہتی تھیں کہ جس کا شیر سا بھائی ہو کیا اس کے سر سے کوئی چادر اُتار

سکتا ہے جس کے لشکر کا علمدار عباس ہو کیا اس کے سردار کا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے۔ افسوس صد افسوس زینبؓ کی آرزویں خاک میں مل گئیں، رایت اسلام کے سرنگوں ہونے سے زینبؓ کی آرزوئیں خاک میں مل گئیں، رایت اسلام نے سرنگوں ہو کر زینبؓ کی بربادی پر ماتم کیا، حسینؓ کی تنہائی پر آنسو بہائے، سیکنہ کی پیاس پر آہ دردناک بلند کی۔ زینبؓ کو یقین ہو گیا کہ اب حسینؓ کا سراپھر یزیدی لشکر تن سے ضرور جدا کرے گا، ہائے اب زینبؓ کے ہاتھ بھی رسن بستہ ہو جائیں گے یتیم سیکنہ کے گوشوارے بھی چھنیں گے، علیؓ کی بیٹیاں تشہیر بھی ہونگیں۔ ابن زیاد اور یزید کے دربار میں آل رسولؐ سر برہنہ جائے گی۔ اے بھیا عباسؓ بہن کی نگاہیں اس وقت تیری شجاعت کو یاد کر کے آنسو بہائے گی اور اعدائے دین میرے رونے پر خوشیاں منائیں گے زینبؓ کے حسرت آمیز کلمات سن کر حسینؓ سا صابر امام رو دیا فرمایا اے زینبؓ عباسؓ کی شہادت نے پنجن کا خاتمہ کیا بابا کی تصویر بھائی حسنؓ کا خلق حمزہ و جعفرؓ کی شجاعت کا ماتم ہے۔ حسینؓ کے چھوٹے سے لشکر کا خاتمہ ہوا، بہن رسن بستہ ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ سر برہنہ ہونے کے لئے منھ ڈھانپ کر رو لو۔ سیکنہ کا گریبان چاک کر دو کہ علمدار کی شہادت سردار لشکر کی موت کا پیغام ہے۔ اے بہن کیونکر نہ روؤں کہ رسولؐ نے بھی حمزہ کا ماتم کیا تھا حسینؓ کا کلیجہ غم سے چھلنی ہے صبح سے اب تک جتنے جاں نثار قتل گئے سب کی لاشیں یہ غمزدہ خیمہ میں لایا مگر ہائے افسوس اپنے قوت بازو کی لاش اس کی وصیت سے مجبور ہو کر نہ لاسکا۔ اے زینبؓ جب اللہ تمہیں قید تم سے رہائی دے اور تم شام سے کر بلا آنا تو گور غریباں بنانا لیکن میرے عباسؓ کی لاش کو دریا پر دفنانا کہ علیؓ کا شیر ترائی نہ چھوڑے گا۔



مجلس ہفتم

ذبح عظیم

در حال شہادت حضرت علی اکبر علیہ السلام

آیات: فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَبْنَىٰ رَبِّىْ اَرَىٰ فِى الْمَنَامِ اَنِّىْ  
اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ط قَالَ يَا بَتِ اِفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِىْ اِنْ  
شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّہُ لِلْجَبِیْنِ ۝ وَنَادٰیْنِہٖ اَنْ  
یَّابْرٰہِیْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا  
لَھُوَ الْبَلٰۤءُ الْمُبِیْنُ ۝ وَقَدْ یَنۡہِ بِذَبْحِ عَظِیْمٍ ۝ وَتَرٰکُنَا عَلَیْہِ فِی  
الْاٰخِرِیْنَ ۝ (سورہ الصافات پ ۲۳ آیات ۷۷-۱۰۷ رکوع ۷)

خداوند حمید قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ جب حضرت اسماعیل پیدا ہوئے  
اور اتنے بڑے ہوئے کہ حضرت ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے لگے تو حضرت  
ابراہیم نے ایک روز اُن سے فرمایا اے فرزند میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تم کو

ذبح کر رہا ہوں اب تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے، انہوں نے عرض کی کہ اے پدر بزرگوار جو حکم آپ کو ہوا ہے اُسے بجالائیے، مجھے آپ انشاء اللہ تعالیٰ صابرین میں سے پائیں گے جب دونوں باپ بیٹے حکم خدا پر راضی ہو گئے اور حضرت ابراہیم نے حضرت اسمعیل کو پیشانی کے بل زمین پر لٹا دیا تو اس وقت ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم تم نے اپنے خواب کی تصدیق کی ہم محسنین کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں یقیناً یہ بین امتحان تھا اور ہم نے اس کے عوض میں بہت بڑی شے کے ذبح کو فدیہ قرار دیا ہے۔ صاحب تفسیر مجمع البیان لکھتے ہیں کہ جس وقت حضرت ابراہیم نے حضرت اسمعیل کو ذبح کے واسطے لٹایا ایک بڈھا اُن کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے ابراہیم کیا ارادہ ہے۔ فرمایا چاہتا ہوں اسے ذبح کروں اُس نے کہا کیا خوب جس نے کبھی کوئی گناہ نہ کیا ہو اُسے آپ ذبح کرتے ہیں۔ ابراہیم نے فرمایا کہ خدا نے حکم دیا ہے۔ اُس نے کہا کہ خدا نے تو منع فرمایا ہے یہ آپ سے شیطان نے کہہ دیا ہوگا، فرمایا اب میں تجھ سے بات نہ کروں گا۔ اس نے کہا اے ابراہیم آپ تو پیشوائے دین ہیں اگر آپ اپنے فرزند کو ذبح کریں گے تو اسی طرح لوگ اپنی اپنی اولاد کو ذبح کیا کریں گے آپ نے اس کے کہنے کو نہ مانا اور ایک عمدہ جو پالان حمار کے نیچے ہوتا ہے اسے بچھا دیا اور اس پر لٹایا جب چھری گلے پر رکھی جبریل امین نے الٹ دی آپ نے آنکھ کی پٹی کھول ڈالی اور پھر سیدھی چھری گلے پر رکھ کے پٹی باندھ لی جبریل نے پھر چھری الٹ دی اور اسمعیل کو ہٹا کر ان کی جگہ پر دنبہ رکھ دیا، ابلیس مایوس ہو کر خانہ کعبہ میں آیا دیکھا کہ مادر اسمعیل طواف میں مشغول ہیں کہنے لگا میں نے دیکھا ہے کہ ابراہیم تمہارے فرزند کو لٹائے ہوئے ہیں اور چھری ہاتھ میں لے کر ذبح کر رہے ہیں، حضرت ہاجرہ نے فرمایا تو جھوٹا ہے یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ کوئی اپنے فرزند کو ذبح کرے، اس نے قسم کھائی کہ میں



اپنی آنکھ سے دیکھ کر آیا ہوں ان کا گمان ہے کہ خدا نے ان کو بیٹے کے ذبح کا حکم دیا ہے، ہاجرہ نے کہا اگر ایسا ہے تو ان کو لازم ہے کہ خداوند عالم کا حکم بجالائیں۔ کہنے کو تو یہ کہہ دیا مگر شفقت مادری سے رہا نہ گیا جلدی سے سر پر ہاتھ رکھے منیٰ میں آئیں دیکھا کہ ان کا لعل صحیح و سالم ہے مگر گلے پر چھری کا نشان ضرور پڑا ہے اس وقت انہوں نے یہ خیال کیا کہ اگر دنبہ عوض میں نہ آیا ہوتا تو کیا ہوتا کیا میرا فرزند ذبح ہو گیا تھا یہ خیال کر کے ایسا صدمہ اٹھایا اور اتنا رنج کیا کہ بیمار پڑ گئیں اور اسی بیماری میں دنیا سے انتقال کیا۔ حضرات یہ حال ہوتا ہے محبت فرزند کا، مومنین کیا حال ہوا ہوگا حضرت ام لیلیٰ کا جب انہوں نے اپنے فرزند جناب علی اکبر کو تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے دیکھا ہوگا۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ جناب پیغمبر خدا اپنے گھر میں آئے دیکھا کہ آپ کا فرزند ابراہیم حالت احتضار میں ہے یہ دیکھ کر بے چین ہو گئے اور گود میں لے کر فرمایا۔ اے فرزند میں کیا کروں مجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا حکم خدا یونہی ہے صبر کرتا ہوں باوجودیکہ جناب ابراہیم نہ پیاسے تھے نہ زخمی تھے نہ کوئی نیزہ لگا تھا۔ اس پر بھی ان کو بیمار دیکھ کر رسول خدا کی یہ حالت ہوئی خیال تو فرمائیے کہ جناب امام حسین کی کیا حالت ہوئی ہوگی جب آپ نے حضرت علی اکبر کو سینے پر برچھی کھائے خون میں نہائے اپنے سامنے ایڑیاں رگڑتے ہوئے دیکھا ہوگا، مومنین دنیا میں مصیبت اولاد سے بڑھ کے کوئی مصیبت نہیں۔

دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ

اس غم سے ہر بشر کو الہی رہے فراغ

خداوند عالم نے بہت سی چیزوں سے اپنے بندوں کا امتحان کیا، ہے سب سے آخر کا امتحان جو سب سے زیادہ سخت ہے اولاد کی موت سے کیا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ  
وَالْأَنْفُسِ وَالْأَثْمَرِ وَبَشِيرِ الصَّابِرِينَ ۝ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۵۵)

ہم تم کو لوگوں کا امتحان کچھ بھوک سے اور کچھ مال کے نقصان سے اور کچھ جانوں کے نقصان سے اور کچھ پھلوں کے نقصان سے لیں گے، یہاں پھلوں سے مراد سیب و انار نہیں ہے بلکہ اولاد مراد ہے جو میوہ دل ہیں، بہر حال ہر طرح سے نقصان اولاد سب امتحان سے کہیں زیادہ ہے۔

چنانچہ جب حضرت ایوبؑ کا امتحان خداوند عالم کو منظور ہوا تو ہر بلا میں انہوں نے صبر و شکر کیا، اونٹ اور گوسفند سب ضائع ہو گئے صبر کیا، باغ و زراعت سب برباد ہو گئی صبر کیا، مگر کسی حال میں خداوند عالم نے ان کو صابر کے لقب سے معزز و ممتاز نہ فرمایا الا جب ان حضرت کی اولاد چھت کے نیچے دب کر مر گئی اور حضرت ایوبؑ نے صبر کیا تو اس وقت خداوند عالم نے فرمایا یقیناً ہم نے اس کو صابر پایا وہ بڑا اچھا اور بڑا رجوع کرنے والا بندہ تھا۔ اولاد کی مصیبت ایسی ہی ہوتی ہے خصوصاً جب اس کی شروع جوانی ہو اور صفاتِ حسنہ میں اور خوبیوں میں کوئی اس کا نظیر نہ ہو، اب حضرت علی اکبرؑ کو خیال کیجئے کہ اٹھارہ برس کا سن ہے عنفوانِ شباب ہے تمام عالم میں اس وقت کوئی ان کا مثل نہیں ہے اگرچہ جناب امام حسینؑ موجود ہیں جناب امام زین العابدینؑ موجود ہیں اور یہ دونوں بزرگوار ان سے افضل ہیں مگر بعض باتیں حضرت علی اکبرؑ میں ایسی ہیں جو ان دونوں بزرگواروں میں نہیں ہیں آپ سمجھ وہ صفات خاص کیا ہیں وہ صفات یہ ہیں کہ جناب علی اکبرؑ جناب پیغمبرؐ خدا سے حسن و جمال میں اخلاق میں بات کرنے میں یعنی صورت میں اور رفتار و گفتار میں ایسے مشابہ تھے کہ جب جناب امام حسینؑ اپنے نانا کو یاد کرتے اور ان کی زیارت کے مشتاق ہوتے تو حضرت علی اکبرؑ کی صورت کو دیکھ لیا کرتے تھے حضرت



پیغمبر خدا کو خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّكَ لَعَلٰی خَلَقْتَ عَزِيزٌ عَلٰی رُسُلٍ بَشَرٌ شَكَرَ تَمَّ خُلُقُكَ عَلٰی دَرَجَةٍ پرفاؤں ہو۔ اس صفتِ خلق میں بھی حضرت علی اکبرؑ سے زیادہ پیغمبر خدا سے مشابہ تھے اور آواز میں تو اس قدر مشابہ تھے کہ جس نے جناب پیغمبر خدا کی آواز سنی تھی اگر حضرت علی اکبرؑ پس پردہ باتیں کرتے ہوتے تو وہ یہی خیال کرتا تھا کہ خود جناب پیغمبر خدا باتیں کر رہے ہیں۔ ایسا بیٹا باپ سے مرنے کی اجازت طلب کر رہا ہو تو اس وقت قلبِ جناب امام حسینؑ کی کیا حالت ہوئی ہوگی خود اپنے اپنے قلب پر ہاتھ رکھ کر غور فرمالیجئے دیکھئے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند حضرت اسمعیلؑ کو ذبح کے واسطے راضی کیا اور فرمایا اے فرزند غور کر لو کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ اس وقت حضرت اسمعیلؑ نے کہا اے پدر بزرگوار آپ کو جو حکم ہوا ہے اس کو بجالائیے۔ اور یہاں خود حضرت علی اکبرؑ خدمتِ امام حسینؑ میں آئے اور بیٹے نے باپ کو راضی کیا اور حضرت نے اجازت دی اور صورتِ علی اکبرؑ کی طرف نگاہ کی۔ عزادارو! یہ نگاہ حضرت کی کیسی تھی کبھی نگاہ ولولے اور اشتیاق کے راہ سے ہوتی ہے، کبھی نگاہ حیرت سے ہوتی ہے یعنی حضرت متحیر تھے کہ کیا کروں کبھی نگاہ حسرت سے ہوتی ہے کبھی نگاہ خوف سے ہوتی ہے کہ نہ معلوم اس رخصت کا انجام کیا ہوگا زندہ رہے گا یا مارا جائے گا ان نگاہوں میں سے کوئی نگاہ نہ تھی بلکہ حضرت نے چہرہ علی اکبرؑ کی طرف اس یاس سے نظر کی جس کے بعد سب امیدیں منقطع ہو جاتی ہیں کیونکہ حضرت کو یہ معلوم تھا کہ اب یہ اس جنگ سے زندہ نہ بچیں گے، جب علی اکبرؑ رخصت ہو کر چلے ہیں تو حضرت کی آنکھ سے مسلسل آنسو جاری ہوئے اور درگاہِ خدا میں عرض کی خداوند تو اس قوم کے ظلم پر گواہ رہنا اب وہ شخص ان سے لڑنے جاتا ہے جو تیرے رسولؐ سے صورت اور خلق میں اور گویائی میں اس قدر مشابہ تر ہے کہ جب میں زیارتِ رسولؐ کا مشتاق ہوتا تھا تو اس اپنے پارہ جگر

علی اکبرؑ کو دیکھ لیا کرتا تھا۔ الحاصل حضرت علی اکبرؑ میدان جنگ میں آئے اور جب سامنے لشکر اعدا کے کھڑے ہوئے تو سب کے سب جمال بے مثال کے دیکھنے میں محو ہو گئے کیونکہ محو نہ ہوتے آخر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت پیش نظر تھی مگر کیا اشتیاق تھے کہ شبیہ پیغمبر کا بھی خیال نہ کیا چاروں طرف سے وار کرنے لگے جناب علی اکبرؑ بہت زخمی ہوئے اور پیاس نے غلبہ کیا تو میدان سے اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئے نہیں چاہتے تھے کہ حضرت کو کسی قسم کی تکلیف ہو مگر بے اختیار ہو کر کہا، اے بابا جان، مجھے پیاس ہلاک کیا چاہتی ہے، کہیں سے تھوڑا پانی مل سکتا ہے کہ اسے پی کر دشمنوں سے لڑنے کے لیے توانا ہو جاؤں۔ دیکھئے یہ نہیں کہا کہ پیاس سے راحت ملے بلکہ محض جہاد کے خیال سے پانی طلب کیا تھا کہ دشمنوں سے لڑنے کی قوت حاصل ہو جائے۔ حضرت امام مظلومؑ کیا جواب دیتے سن کر رو دیئے اور فرمایا اے فرزند تم اپنی زبان میرے منہ میں دے دو شاید تم کو کچھ تسکین ہو جائے۔ جب جناب علی اکبرؑ نے اپنی زبان دہن اقدس امام میں دی فوراً کھینچ لی اور کہا اے بابا آپ کی زبان تو میری زبان سے بھی زیادہ خشک ہے، اللہ اکبر! عزادارو! یہ زبان امام حسینؑ کی کون سی زبان ہے کیا یہ وہی زبان نہیں ہے جس نے چالیس روز تک جناب رسول خدا کی زبان چوسی تھی کیا یہ وہی زبان نہ تھی جس کی پیاس کی خاطر آفتاب قبل از وقت غروب ہو گیا تھا۔ اب اس زبان کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ پیاس سے کانٹے پڑ گئے ہیں۔ الغرض جناب علی اکبرؑ دوبارہ میدان جنگ میں آکر مصروف جہاد ہوئے ناگاہ منقذ ملعون نے کمین گاہ سے ایک نیزہ ایسا مارا کہ انی سینہ مبارک کے پار ہو گئی بس حضرت گھوڑے کی گردن میں باہیں ڈال کر لپٹ گئے گھوڑا لشکر کفار کی طرف آیا تا کہ اپنے سوار کو بچا کر خیام تک لے جائے مگر ان بے رحموں نے فرصت پا کر پارہ جگر سبط رسولؐ کو ٹکڑے ٹکڑے کر



دیا۔ ہائے روح اس شہزادے کی قریب مفارقت پہنچی تو بلند آواز سے حضرت کو پکارے، یا ابتاہ اور کنی، یعنی اے پدر بزرگوار میں نے اپنی جان آپ پر فدا کی۔ مومنین جس وقت آواز علی اکبرؑ کی گوش مبارک میں حضرت کے پہنچی بے تاب ہو کر ایسا نعرہ مارا کہ زمین کر بلا کانپ گئی۔ راوی کہتا ہے کہ کسی صدمہ میں میں نے فرزند رسولؐ کو منتشر الحواس نہ پایا مگر جب ہمشکل پیغمبر گھوڑے سے گر کر یا ابتاہ اور کنی پکارے تو دیکھا میں نے کہ ہوش اور حواس حضرت کے منتشر ہو گئے اور روتے ہوئے ہر طرف نوجوان پسر کی لاش تلاش کرنے لگے آہ آہ۔

مقتل کو چلے خاک اڑاتے ہوئے سرور نے پاؤں میں نعلین نہ عمامہ تھاسر پر تھا چاک گریبان تو رخ آنسوؤں سے تر چلاتے تھے ہے ہے علی اکبرؑ علی اکبرؑ افسوس کوئی مونس تنہائی نہیں ہے ڈھونڈوں کدھر آنکھوں میں تو بینائی نہیں ہے

آہ آہ اسی اثنا میں آواز علی اکبرؑ ایک گوشہ سے پھر آئی اے بابا جلد آئیے فدوی رخصت ہوتا ہے الغرض آپ باحال پریشان جوان فرزند کی لاش پر پہنچے آہ آہ کیوں کر عرض کروں کہ آپ کے آقا و مولانا نے پسر نوجوان کو کس حال میں دیکھا لکھا ہے۔

جب ٹھو کریں کھاتے ہوئے پہنچے شہ خوش خو دیکھا بہ سر خاک تر پتا ہے وہ گل رو پھل برجھی کا سینے میں ہے مجروح ہیں بازو اور حلق میں پیوست ہیں دو تیرہ پہلو

منہ زرد ہے ہستی کا چمن چھوڑ رہے ہیں

چھاتی سے لہو بہتا ہے دم توڑ رہے ہیں

دکھلائے نہ یوں لاش پسر باپ کو اللہ طاری ہوا حضرت پہ عجب صدمہ جانکاہ

دم تن سے نکلنے لگا ہر آہ کے ہمراہ پہلو میں گرے لاش پسر کے شہ ذبیحہ

آ پہنچا قریں منہ کے کلیجہ جو الٹ کر

غش ہو گئے لاش علی اکبر سے لپٹ کر

پس آپ نے شدتِ گریہ سے روتے روتے اپنے تئیں مجروح علی اکبر کی لاش پر گرا دیا اور بے ہوش ہو گئے۔ مومنین حضرت کا تو یہ حال تھا اور خیمہ عصمت میں ایک کھرام بپا تھا، راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا عصمت سرا سے ایک بی بی با حال پریشان افغان و خیزاں اس طرح سے برآمد ہوئیں کہ گوشہ چادر حالتِ بے تابانی میں زمین کو چھو رہا تھا اور گوشوارے کانوں کے بل رہے تھے اس طرح رو کر فریاد کرتی تھیں جس طرح کوئی ماں پسرنو جواں کے لاشے پر روتی ہے ہائے فرماتی تھیں۔

ایک اک قدم پیٹتی تھیں سینہ و سر کو رو کر کبھی چلاتی تھیں اس رشکِ قمر کو گر گر کے کبھی ڈھونڈتی تھیں لاشِ پسر کو اٹھتی تھیں کبھی تھام کے ہاتھوں سے جگر کو کہتی تھیں کہ مجھ پر یہ قیامت کی گھڑی ہے

لوگو میرے اکبر کی کدھر لاش پڑی ہے

تھے جس پہ فدا سیّد والا وہ کہاں ہے جو چاند ہے اس گھر کا اُجالا وہ کہاں ہے جس لال کو اس دائی نے پالا وہ کہاں ہے مشہور ہے جو گیسوؤں والا وہ کہاں ہے

ماں باپ سے اٹھارہ برس بعد چھٹی ہے

کس دشت میں دولت میرے بھائی کی لٹی ہے

حضرات آپ لوگ سمجھ یہ کون بی بی تھیں۔

ارے اکبر کی محبت میں کھلے سر جو آئی تھی۔ راوی نے لکھا کہ وہ زہرا کی جانی تھی، عزا دارو! قربان ہوں جانیں ہم سبھوں کی غیرت جناب امام حسینؑ کے کہ جو نبی جناب زینبؑ کی آواز سنی غش سے آنکھیں کھول دیں ہائے جوان بیٹے کا غم بھول گئے۔

گھبرا کے بہن کو یہ پکارے شہِ صفدر نامحرموں میں خیمے سے کیوں نکلیں کھلے سر زینبؑ نے صدا دی کہ میں قربانِ برادر بتلائیے جیتے ہیں کہ بے جاں ہوئے اکبر



ٹکڑے ہے جگر تاب نہیں بنت علی کو

للہ دکھا دو مجھے ہمشکل نبی کو

سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ شبیر پکارے      زینب علی اکبر تونسلا کھا کے سدھارے

کس کی متلاشی ہو میں قربان تمہارے      وہ پاس محمد کے ہیں کوثر کے کنارے

پھر جاؤ کہ ہمشکل پیسیر نہ ملیں گے

لاشہ تو ملے گا علی اکبر نہ ملیں گے

آہ آہ حضرات جناب سید الشہداء بہن کو سمجھاتے ہوئے خیمہ میں لائے اور فرمایا

اے بہن صبر کرو، ارے لازم ہے صبر تم کو ہماری بہن ہو تم، اے بہن تم ہم شکل

پیسیر کی صف ماتم بچھاؤ میں میت اکبر مقل سے اٹھلاؤں۔ حیف صد حیف اے فلک

ارے نبی کا نواسا فرزند زہرا خلف شیر خدا جوان بیٹے کی میت تنہا اٹھانے کے لیے

جائے اور تو پھٹ نہ پڑا۔ مومنین تصور کیجئے آپ کے اس یکس امام نے جو صبح سے

لاشیں اٹھاتے اٹھاتے اور عزیزوں کا صدمہ برداشت کرتے کرتے چور ہو چکا تھا

ارے اس نے پسر نو جوان کی میت کیوں کر اٹھائی ہوگی، لکھا ہے کہ آپ کے مولا

نے لاشہ اکبر کو گھوڑے پر رکھا اور اس طرح کہ میت کے پاؤں زمین پر خط دیتے

جاتے تھے۔ اور امام مظلوم فرماتے تھے:-

اکبر ترے الم سے جگر چاک چاک ہے

جب تو نہ ہو تو باپ کے جینے پہ خاک ہے

مجلس ہشتم

حبیل اللہ

شہادت حضرت علی اصغر علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ وَاغْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

(سورہ آل عمران آیت ۱۰۳)

طلسم آرائے کن فیکون دنیا پر احکام جاری کرنے والا اپنے کلام بلاغت نظام میں ارشاد فرماتا ہے کہ اعتصام کرو حبیل خدا سے اور جدا جدا نہ ہو۔ یعنی خدا کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو۔ یہ خلاصہ آیت ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ امر کہ وہ کون سی رسی ہے جو دنیا والوں کے درمیان پڑی ہے اور وہ کیا شے ہے کہ جس کو خدا اپنی رسی کہتا ہے دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ وہ کون سی صاحب عظمت شے ہے جس کے لئے کل افراد انسان کو حکم ملا ہے کہ اتحاد کر کے ساتھ ہو اور جدا جدا نہ ہو۔ بظاہر ہماری آنکھوں کو کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی جس کو ہم حبیل خدا یعنی خدا کی رسی کہہ



سکیں۔ ہمیں کوئی رسی ایسی نہیں دکھائی دیتی جس کے ایک سرے نے دو عالم کا حلقہ کر لیا ہو اور دوسرے سرے نے عرش کے پائے سے تمسک حاصل کیا ہو۔ ہاں اگر کوئی مضبوط رسی ہے تو وہ زنجیر الفت ہے۔ یعنی ولائے اہل بیتؑ یہی بارہ عظیم مقاموں پر کھینچی ہوئی دنیا سے ترقی کر کے عرش خدا تک پہنچ گئی ہے۔ یہ میرا خیال ہی نہیں ہے بلکہ وہ لوگ بھی جو نام کو جبل اللہ التین سے تمسک حاصل کئے ہوئے ہیں ایک بڑے شخص کا قول ہے یعنی صاحب تفسیر عزیزی کہتا ہے کہ دنیا میں کوئی جبل خدا نہیں۔ مگر آئمہ طاہرینؑ۔ مگر میں ان کے قول کو مستند کیسے مان لوں اس لئے کہ وہ دائرہ دین سے خارج ہیں اور پھر ہم کو اور آپ کو ان سے مطلب کیا؟ آپ اپنے آقا و مولا مصحف ناطق امام جعفر صادقؑ کا قول سنئے اور درود کے نعرے بلند کیجئے معصوم فرماتے ہیں کہ نَحْنُ جَبَلُ اللَّهِ الَّذِي قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔ یعنی ہم ہی وہ لوگ ہیں جن کو خداوند عالم نے جبل اللہ فرمایا ہے اور ہمارے ہی دامنوں کو مضبوط تھامنے کا حکم دیا ہے (صلوٰۃ)۔ اسی طرح ارشاد رسولؐ ہے کہ جو شخص چاہتا ہو کہ سفینہ نجات پر سوار ہو اور دنیا کے طوفان سے محفوظ رہے اور مضبوط تھامنا چاہے جبل اللہ التین کو تو چاہیئے اس کو کہ دوست رکھے علیؑ کو اور دشمن رکھے ان کے دشمنوں کو اور اتمام محبت کرے ان کی اولاد سے کہ وہی میرے خلفاء ہیں۔ اس آیت کی نزول کے بعد دنیا کی راہوں پر چلنے والے تین گروہ ہو کر جدا جدا چل کھڑے ہوئے ایک تو وہ لوگ جو ابتدا ہی سے گم کردہ ہیں یعنی کفار، دوسرے وہ لوگ جو ہمیں کہیں کہیں چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ تیسرے ہم غلامان علیؑ و کنیزان فاطمہؑ زہراؑ جو امیر المومنینؑ کو اپنا رہبر اور اسی دامن کی وسعت کو جبل اللہ سمجھ کر اور مضبوط تھام کر دین کے کشادہ راستے پر چل رہے ہیں۔ اور انشاء اللہ انھیں وسیلوں سے بارہ منزلیں طے کر کے ابدی جائے قیام

یعنی جنت میں دم لیں گے، ہم وہ مسافر ہیں جو راستوں سے واقف ہیں۔ راہزوں کی پروا نہیں کرتے اور آنکھیں بند کئے چل کھڑے ہوئے ہیں جانتے ہیں کہ اگر ہمارے نہیں تو ہمارے راہبر کے یہ راستے مجھے ہوئے ہیں ہاں وہ لوگ جو اپنے دامنوں کو جنگل کے کانٹوں میں الجھائے ہوئے جا رہے ہیں اور ٹھوکریں کھاتے ہوئے دور دور نظر آ رہے ہیں۔ اب یہ ایک منزل پر اور ملیں گے اور وہیں حق و باطل کا فیصلہ معلوم ہو جائے گا۔ ایک گردہ مالک کا ہیبت ناک چہرہ دیکھے گا۔ ایک قافلہ رضوان سے معاف کرے گا۔ وہ کونسی منزل ہوگی؟ وہ منزل حشر ہے اسی منزل پر سمجھ میں آئے گا کہ کس کا راہبر راستوں کو جاننے والا تھا اور اپنے نقش قدم پر آنے والوں کو کن راہوں سے لے کر ہم سے پہلے آ گیا اور کس کا راہبر خود گم گشتہ ہو گیا۔ یہ منزل بہت سخت منزل ہے تھکے ماندے مسافروں کو دم لینے کی فرصت کہاں۔ نفسی نفسی کا غل۔ سر پر چمکتے ہوئے آفتاب کی گرمی۔ جہنم کے سامنے بھڑکتے ہوئے شعلے کا آگ میں آگ لگ جانا۔ پسینے کی کثرت۔ صفحہ خیال پر ایک لمحہ میں ہزاروں مضامین کا درج ہونا۔ پیاس کی شدت۔ آفتاب کی حرارت سے آنکھوں کا ابلنا۔ پسینے کا کھولتا ہوا پانی بن جانا۔ قافلوں پر قافلوں کی آمد مگر سب اُداس اور سب کی حالت تباہ۔ نہیں معلوم کن کن منزلوں پر لٹے ہیں کہ سامان سفر کیا تو شہ زاد راہ بھی نہیں، ایسا وحشت خیز مقام، اس پر حکم دینے والے کا حکم کہ اے حشر کے میدان میں پریشان ہونے والو آنکھیں کھول کر دیکھو وہ جہنم ہے وہ جہاں پر دھواں دکھائی دے رہا ہے اسی کا نام دوزخ ہے، جسے تم شعلے سمجھ رہے ہو یہ شعلے نہیں بلکہ یہ وہی دھواں ہے جو آگ کی کثرت سے سرخ ہو گیا ہے۔ اور وہ سامنے جہاں اونچے درختوں کی گنجان چوٹیاں دکھائی دے رہی ہیں وہ جہاں پہنچ کر تمہاری نظر جمنے کا ارادہ کرتی ہے وہی بہشت بریں ہے اگر اور فرحت افزا خطے میں جانے کی ہوس ہے تو بڑھو



اس دریائے آتش سے گزرنے کی کوئی راہ نہیں مگر وہی رستی جو بال سے باریک اور  
تکوار سے زائد تیز دکھائی دے رہی ہے، اگر تمہارا ہاتھ پکڑنے کو جبل اللہ التین ہے  
تو پھر کاہے کا ڈر ہے گزر جاؤ۔ کوئی اس پل سے نہ گزر سکے گا مگر وہی جو سفینہ نجات  
پر سوار ہے وہی لوگ جن کے جتنے ہوئے قدم آپ مسئول بن گئے ہیں وہ گوہر مراد  
پانے والے جنہوں نے اپنے دامنوں کو جبل اللہ سے مضبوط باندھ دیا ہے جن کے  
پھیلے ہوئے دامنوں کو ہوائے جنت آکر معطر کرتی ہے، یہی لوگ ہوں گے جن کے  
دامنوں کی فضا میں جنت کی باد مراد بھر کر جسم کی کشتی کو اڑا لے جائے گی۔ اور جو  
لوگ ہم سے دنیا میں منزل کی راہوں میں چھٹ گئے ہیں۔ وہ وہاں بھی چھٹ  
جائیں گے اور کیوں نہ چھٹ جائیں۔ جبل اللہ کے دشمن کو کون سہارا دے یہی وہ  
لوگ ہیں جن کے بزرگوں نے بڑے بڑے ظلم کئے جس کو خدا نے جبل اللہ کہا اسی  
کے گلے میں رستی کا پھندا ڈال کر کھینچا۔ جو پاؤں صراط پر چمنے والے تھے اور جو ہاتھ  
تھام کر جنت پہنچا دینے والے تھے انھیں بیروں میں بیڑیاں انھیں ہاتھوں میں  
تھکڑیاں پہنائیں۔ الغرض اس آیت کا دوسرا ٹکڑا ”ولا تفرقوا“۔ یعنی اتحاد کرو اور جدا  
جدا نہ ہو، واقعاً اتحاد وہ قطب ہے جو آپ حرکت نہیں کرتا مگر اس کے ڈھونڈھنے  
والے اس کے گرد ستاروں کی طرح نثار ہوتے ہیں، اتحاد وہ خون ہے کہ جس رگ  
میں یہ جاری ہے وہ خراب ہی نہیں ہوتی، اتحاد وہ شجاع ہے کہ اپنے مخالفوں کا منہ  
پھرا دیتا ہے، اتحاد ظاہری بھی ہوتا ہے اور باطنی بھی۔ ایسے لوگ بہت کم پائے  
جاتے ہیں جن میں ظاہر و باطن اتحاد پایا جاتا ہو مگر ہاں چند یکس مسافروں میں  
ضرور تھا غالباً آپ لوگ سمجھ گئے ہو گئے ہاں وہی مسافر ان مدینہ جو وطن سے چھٹ  
کر صرف اتحاد قائم رکھنے کے لیے کربلا کی تپتی ہوئی زمین بے آب و گیاہ صحرا کو  
آباد کرنے والے تھے۔

صبح عاشورہ اپنا گریبان پھاڑے ظاہر ہو چکی ہے آفتاب دنیا کا مُنہ حیرت سے دیکھتا ہوا بلند ہو رہا ہے، اُدھر یزید کا لشکر جس کی تعداد تیس ہزار سے سوا لاکھ تک کہی جاتی ہے تیار ہو چکا ہے، اُدھر حسینی مختصر فوج آمادہ مرگ و مہیائے قضا ہے۔ اُدھر صفوں پر صفیں امنڈ رہی ہیں اُدھر ایک صف ہے اس میں بھی رخنے پڑے ہوئے کیوں اس لئے کہ جوانوں کے برابر بچے بھی پہلوؤں سے پہلو ملائے مرنے پر آمادہ کھڑے ہیں اُدھر سادات کا خون بہانا امر واجب سمجھا جاتا ہے اُدھر آسمان کو دیکھ کر کہہ رہے ہیں۔ رَضاً بِقَضَائِهِ وَتَسْلِيماً لِّأَمْرِهِ۔ اُدھر عمر سعد نے تیر کمان میں جوڑا اور آواز دی کہ اے فوج والو گواہ رہنا پہلا تیر جو لشکرِ حسینؑ پر سر کرتا ہے وہ میرا ہے، یہ سننا تھا کہ فوج والوں نے بھی تیر جوڑے ایک تیر کے ساتھ ہزاروں کمانیں کڑکیں اُدھر اتنے سینے کہاں تھے جو ایک ایک تیر بانٹ لیتے ہاں انصارِ حسینؑ کے جسم ٹکڑے ہو کر گر پڑے اور ایک دوسرے کے خون میں لوٹنے لگا، گویا شہید ہونے والے دکھا دیتے تھے کہ دیکھو دنیا میں ہاتھ میں ہاتھ دیئے پھرتے تھے تو جنت میں روحیں متحد ہیں اور مرنے پر خون سے خون ملا ہوا ہے، مجھے حیرت ہے کہ بہتر میں سے ان شہید ہونے والوں اور کسن بچوں کو نکال لو تو بینا بائیل آدمی رہ جاتے ہیں، اتنی بڑی فوج سے جم کر لڑنے والے کیونکر لڑے کہ صبح سے عصر تک تلوار چلا کی مگر یہ بھی اک صورت اتحاد ہے یہ لڑ کر مر جانے والے ایک دل ہو کر لڑے اگرچہ فرداً فرداً لڑے مگر اتحاد نے شاید قوتوں کو بھی ایک جا کر دیا تھا کہ جو شخص میدان کارزار میں آیا وہ تین آدمیوں کی قوت سے لڑا۔ میں یقین سے کہتی ہوں کہ اگر لشکرِ حسینؑ تشنہ لب و گرسنہ نہ ہوتا اور ان کو مرنے سے پہلے پیاس نے نیم جان نہ کر دیا ہوتا تو عاشور کو ہرگز ہرگز ہمارے امام شہید نہ ہو سکتے۔ آپ کو یاد تو ہوگا کہ جب قمر بنی ہاشم حسینؑ اور اہل حرم سے رخصت ہو کر پیاسی سکیںہ کے لیے پانی لانے



کو چلے ہیں امام کو معلوم تھا عباسؑ پدر بزرگوار حیدر کرار سے جس قدر صورت اور سیرت میں مشابہ ہیں اسی قدر شجاعت کا بھی ورثہ ملا ہے اور غیظ و غضب بھی وہی ہے اس لئے صابر امام نے ایک بار بھائی کو سینے سے لگایا پھر فرمایا کہ بھیا خیال رکھنا کہ تم صرف پانی لینے کے لئے جاتے ہو نہ کہ جدال و قتال کے لیے۔ میں تو کہتی ہوں کہ اگرچہ عباسؑ تین روز کے پیاسے تھے لیکن میرا مولا اور آقا اگر ضبط و صبر کی تلقین نہ کر دیتا تو افواج یزیدی کا ایک نفس بھی عباسؑ کی تلوار سے نہ بچتا۔ دوسرا واقعہ بھی یاد دلاؤں کہ جب ہم شیبہ پیغمبر علی اکبرؑ میدان میں آئے ہیں لشکر سے لڑے ہیں ایک تہلکہ فوج میں پڑ گیا تھا یہاں تک کہ عمر سعد نے بکر ابن غانم کو جو بہت بڑا پہلوان تھا مقابلے کو بھیجا۔ یہ اتنا بڑا پہلوان تھا کہ اس کے آنے سے حسینؑ کے چہرہ اقدس کا رنگ متغیر ہو گیا تھا۔ دل میں فرمانے لگے کہ خداوند احسینؑ یہ نہیں چاہتا کہ علی اکبرؑ درجہ شہادت پر فائز نہ ہو بلکہ صرف اتنا کہ اس پہلوان پر جو کہ علی اکبرؑ سے کہیں زیادہ تجربہ کار اور گرانڈیل شجاع ہے اس کو فتح یاب کر دے لوگوں نے دیکھا علی اکبرؑ نے صرف پہلے ہی وار میں بکر ابن غانم کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ قاعدہ ہے کہ لڑنے میں اور زخمی ہونے کے بعد پیاس بڑھ جاتی ہے شہزادہ علی اکبرؑ سے بھی پیاس کی تاب نہ آئی، خدمتِ امام میں آئے اور عرض کی کہ اے بابا اب پیاس کا بہت غلبہ ہے اگر ایک جام آب مل جائے تو ایک بار پھر دل کھول کر لڑ سکوں، ہائے بیٹے کے سوال پر باپ کا جواب کیا ہوگا اس کا تصور اہل دل خود فرمائیں۔ اے حسینؑ میری جان اس محتاجی کے نثار اے آقا جوان بیٹا کار نمایاں کر کے آیا ہے اور آپ سے صلے کا طالب ہے صلہ بھی کیا ایک جام آب سی شے۔ مگر غیرت دار باپ سر جھکائے ہے اور یہ نہیں کہہ سکتا کہ بیٹا جان حاضر ہے مگر پانی نہیں ہاں اتنا شاید فرمایا ہو کہ اے جان پدر میری زبان اپنے دہن میں لے لو شاید کچھ تسلی ہو جائے مگر علی

اکبر نے فوراً زبان نکال کر فرمایا ہوگا اے بابا آپ کی زبان تو میری زبان سے بھی زیادہ خشک ہے۔ آخر امام نے فرمایا بیٹا جاؤ دشمنوں سے مقابلہ کرو امید ہے اب تم زندہ پلٹ کر نہیں آؤ گے اور اپنے دادا کے ہاتھوں آپ کوثر سے سیراب ہو گے۔

تیسری صورت اتحاد یہ ہے کہ جب امام اکیلے رہ گئے۔ اور زخموں سے چور چور ہو چکے آواز دی اَمَّا مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا۔ کوئی ہے ایسا جو میری مدد کرے مگر کسی طرف سے جواب نہ آیا بلکہ تیروں کے سناٹے اور ہتھیاروں کی بھیانک آواز نے جنگل کو اور دردناک کر دیا مگر ایک طرف سے آواز لبیک لبیک کی آئی، وہ کدھر سے، شہدا کی لاشوں سے، یعنی اے حسین ہم حاضر ہیں، یہ تو ظاہر ہے کہ جسموں میں جان نہ تھی مگر امام سے اتحاد تھا، مرنے پر بھی دل بے چین ہو گیا اور حسین کی آواز کی کشش نے روحوں کو گویا جسموں میں لا کر آواز دلوا دی۔ اتحاد کا ایک منظر اور بھی ملاحظہ فرمائیے، شب عاشور سیاہ زلفوں کو پھیلا چکی ہے حسین نے اپنے اصحاب کو جمع کیا اور ایک فصیح و بلیغ خطبے کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ میرے اصحاب سے بہتر کسی کے اصحاب نہیں۔ مگر اے محبت کرنے والو اس وقت سن لو کہ کل کا دن وہ دن ہے کہ جس میں میرا سرتن سے جدا کیا جائے گا اور یہ عدوئے جاں فوج مجھے بغیر ذبح کئے نہ چھوڑے گی، میں تمہاری گردنوں سے اپنی بیعت اٹھائے لیتا ہوں تمہارے بار کو ہلکا کئے دیتا ہوں، یہ اندھیری رات آدھی آگئی ہے اسی پردے میں جدھر جا سکو چلے جاؤ۔ تمہیں کوئی نہ دیکھ سکے گا۔ اور اگر دیکھے گا تو مزاحم نہ ہوگا اس لئے کہ اس لشکر کو صرف میرے سر سے مطلب ہے تم سے کیا غرض۔ یہ سننا تھا مسلم ابن عوجہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ اگر اس فدا ہونے والے کو یہ فوج ستر مرتبہ قتل کرے اور میرے جسم کو جلا کر خاک کر دے اور خاک کو برباد کر دے اور پھر میں حکم خالق سے زندہ کیا جاؤں جب بھی آپ کی نصرت سے منہ نہ موڑوں گا۔ یہ



سن کر امام نے ارشاد فرمایا کہ اچھا اگر تم چلے جانے پر راضی نہیں ہو تو جس کے ساتھ عیال ہوں وہ اپنے عیال کو اپنے قبیلے میں پہنچا آئے یہ سن کر حبیب ابن مظاہر کے بھائی علی ابن مظاہر اٹھ کھڑے ہوئے اور پوچھا مولا اس کا کیا سبب ہے فرمایا کہ کل میری شہادت کے بعد میری بہنوں کے ہاتھ پس گردن سے بندھ جائیں گے مجھے منظور نہیں کہ تمہاری عورتوں میں سے اہل حرم کے ساتھ سر برہنہ ہو۔ یہ سن کر علی ابن مظاہر خیمہ میں داخل ہوئے زوجہ نے عرض کی کیوں ابن مظاہر یہ آخر خطبہ میں امام نے کیا ارشاد فرمایا کہ تم سب رونے لگے۔ علی ابن مظاہر نے سب حال بیان کیا اور کہا کہ میرا قصد ہے کہ تمہیں تمہارے قبیلہ میں پہنچا آؤں یہ سننا تھا کہ زوجہ نے چوب خیمہ پر اپنا سر دے مارا اور کہا کہ اے علی ابن مظاہر تم نے خوب انصاف کیا ارے عقدہ کشا کی بیٹیوں کے ہاتھ میں رسن ہو اور میرے ہاتھ کھلے رہ جائیں ارے زینب بے پردا کی جائے اور میرے سر پر چادر رہے، یہ کہاں ممکن ہے جو حال اہل حرم کا ہوگا وہی حال میرا بھی ہوگا۔

لیلائے شب ابھی پیاسوں پر ماتم نہ کر چکی تھی کہ فوج عدو سے مبارزہ طلبی ہونے لگی، ایک بار امام عالی مقام نے اسد حیدر کرار کی طرف نگاہ کی، عباس دست بستہ اٹھ کھڑے ہوئے، امام نے فرمایا، بھیا، یزیدی فوج سے جا کر کہو کہ حسین تم سے ایک رات کی مہلت چاہتا ہے اور اس لئے کہ زندگی کی آخری رات اپنے خالق کی یاد میں صرف کروں۔ قبر بنی ہاشم لشکر کیس میں آئے اور فرمایا اے عمر سعد بنی کا نواسہ فاطمہ کی جان دلبند حیدر کرار تجھ سے ایک شب کی مہلت مانگتا ہے۔ اس شب کی مہلت حسین کو مل گئی، عباس نے آکر عرض کی آقا مہلت مل گئی، امام سجادے پر کھڑے ہو گئے۔ امام حسین تقدیس و تہلیل کے بعد ناموس محمد کی حفاظت کے لئے خیموں کے گرد ٹہلنے لگے جب امام نے حفاظت کے خیال سے یہ عمل کیا تو ایسا نہ

ہوا ہوگا کہ دو یا ایک ہی خیمے کا چکر لگا کر واپس آئے ہوں بلکہ میرا خیال ہے کہ معصوم نے بھی خیموں کا جائزہ لیا ہوگا مگر ان خیموں میں حسینؑ نے کیا دیکھا ہوگا سوا اس کے کہ اگر جناب زینبؑ کے خیمے کے قریب پہنچے ہونگے تو ملاحظہ کیا ہوگا کہ زینبؑ اپنے کسن بچوں کو سمجھا رہی ہوں گی کہ اے ماں کی نصیحت ماننے والو کل قربانی آل محمدؑ کا دن ہے دیکھو اگرچہ تم کسن ہو مگر با حوصلہ ہو ایسا نہ کرنا کہ زینبؑ کو سیدہ سے شرمندہ ہونا پڑے، یہاں سے بڑھ کر خیمہ ام فروہ بیوہ امام حسنؑ میں تشریف لائے ہونگے تو دیکھا ہوگا کہ عبداللہ وقاسمؑ بیٹھے ہیں اور ماں مرنے والے بیٹوں سے کہہ رہی ہے کہ بیٹا کل یہ نہ سمجھنا میں حسینؑ کا داماد یا جھتیجا ہوں بلکہ حسینؑ کو اپنا آقا مولا سمجھ کر اپنا سر نقش قدم حسینؑ پر نثار کر دینا، یہاں سے بڑھ کر خیمہ جناب اُم کلثومؑ پر تشریف لائے دیکھا کہ صحن خیمہ میں عباسؑ تلوار پر صیقل کر رہے ہیں اور گوشہ خیمہ میں اُم کلثومؑ منہ ڈھانپ ڈھانپ کر رو رہی ہیں یہاں تک کہ جناب عباسؑ کی نظر پڑی۔ عباسؑ خاندان رسالت کے شیدا ہیں، بے چین ہو گئے ہاتھ جوڑ کر عرض کی اے میری خوزادی اس وقت رونے کا کیا سبب ہے، اُم کلثومؑ نے ارشاد فرمایا کہ بھیا تمہاری یہ بہن بڑی بدنصیب ہے دیکھو بہن زینبؑ اپنے مانجائے پر سے دو دو فرزند نثار کریں گی اُم فروہ قاسمؑ و عبداللہ کو صدقے کریں گی مگر یہ بدنصیب بہن کوئی اولاد نہیں رکھتی جو کل حسینؑ کے کام آئے یہ سننا تھا عباسؑ نے سر قدموں پر رکھ دیا اور عرض کیا کہ شہزادی اگر کوئی نہیں تو یہ غلام تو حاضر ہے آپ مجھے غلام سمجھ کر حسینؑ پر فدا کیجئے گا۔ وہاں سے بڑھے امام خیمہ ام لیلیٰ میں تشریف لائے یہاں کیا دیکھا ہائے یہاں میرے صابر امام نے ملاحظہ فرمایا کہ علی اکبرؑ کا سراں کے زانو پر ہے اور ماں ایک ہاتھ میں شمع لئے سر ہانے کھڑی ہے جب شمع کی روشنی علی اکبرؑ کے تابندہ چہرے پر پڑ جاتی ہے تو چہرے کی چمک اور بڑھ



جاتی ہے، لیلیٰ کو پیار کے ساتھ رونا بھی آ جاتا ہے اور دل سے کہتی ہیں کہ ہائے یہی چاند سا چہرہ کل خاک و خون میں غلطاں ہوگا، اب اس کے بعد کوئی راوی نہیں لکھتا کہ حسینؑ کسی اور خیمہ میں گئے اور وہاں یہ حالت دیکھی۔ مگر ان خیموں میں کوئی نئی حالت نہ ہوگی جو قابل بیان ہوتی حسینؑ کے خیموں میں یا اُداسی ہوگی یا رونا ہوگا جس گھر سے صبح کو اٹھارہ جنازے نکلنے والے ہوں اُن میں رات کو کیا ہوگا سوا رونے کے۔ اور رونا حسینؑ کے گھر میں اب ایک ادنیٰ بات ہوگئی جب سے نبی زادے نے گھر چھوڑا انہیں معلوم وہ کون سی منحوس ساعت تھی کہ پھر اس گھر میں کسی کو ہنسی نہیں آئی غرض حسینؑ ہر خیمہ میں تشریف لے گئے ہوں گے مثل خیمہ جناب رباب مادر علی اصغرؑ کے یہاں اگر حسینؑ گئے ہوں گے تو یہی دیکھا ہوگا کہ علی اصغرؑ پیاس کی ایذا سے تڑپتے تڑپتے سو گئے ہیں اور ماں جھولا جھلا رہی ہے کسی نے یہ نہیں لکھا کہ حسینؑ نے دیکھا کہ رباب مادر علی اصغرؑ، اصغرؑ کو آغوش میں لئے ہوئے پیار کر رہی ہوں اور گلے کے بوسے لے رہی ہوں مگر سچ تو ہے ایسا ہوا ہی نہ ہوگا اس لئے کہ رباب کو یہ کب خیال ہو سکتا تھا کہ شہماہ بچہ بھی میدان شہادت میں جاسکتا ہے یا اس سن کا بچہ بھی قتل کیا جائے گا اور حرمہ تیرسہ شعبہ لگائے گا اگر ایسا خیال ہوتا تو ماں تمام رات اپنے بچہ کو کلیجے سے لگائے رہتی اور گلے سے لگاتی بوسے بھی لیتی۔

صبح عاشورہ گریہ کنناں نمودار ہوئی آفتاب اپنی تمازت سے پیاسوں کی پیاس میں اضافہ کرنے کے لئے اونچا ہو گیا صحرائے کربلا نے فاطمہؑ کے گھر کی بربادی پر خاک اُڑائی نہر فرات کی موجوں نے جان فاطمہؑ کی پیاس پر ماتم کیا، ارض کربلا کے ذروں سے و امحمد اوعلیا کے پُر درد کلمات بلند ہوئے حسینؑ کے امتحان کا بازار گرم ہو گیا، دنیا کے مصائب ایک جگہ جمع ہو گئے، مختصر لشکر کی نگاہیں علم پر جم گئیں

اس لئے کہ دیکھیں کہ آج یہ سعادت نشان کسے ملتا ہے، ایک بار نگاہِ امامت شیرِ امامت پر پڑی، حسینؑ نے عباسؑ کو دیکھا، قریب بلایا قبر بنی ہاشم سر جھکائے ہوئے دست بستہ خدمتِ امام میں تشریف لائے، امام نے فرمایا بھیاتمِ اسد اللہ کے فرزند ہو حسینؑ کے لشکر کی علمداری کا منصب تمہارا ہے یہ فرما کر دستِ عباسؑ میں رایتِ اسلام دے دیا، خونِ عباسؑ میں غلطاں ہونے کے لئے علمِ دوشِ عباسؑ پر پہنچ گیا۔ مبارک باد کا غل بلند ہو گیا۔ گل گلزارِ امامت کو علمداری کا عہدہ ملا۔

رفقائے حسینؑ کی نگاہوں میں حیدرِ کراڑ کی تصویر پھرنے لگی سبھوں نے لشکرِ اسلام کا پرچم آنکھوں سے لگایا فتح و ظفر کی دعائیں دیں مگر حسینؑ اشکبار تھے۔ فتح و ظفر نے پائے جری کے بوسے لئے ارضِ کربلا خوشی میں بلند ہو گئی فرات کی موجیں علمدار کے نقشِ قدم چھو لینے کے لئے اٹھیں اور آگے بڑھنے کی کوشش کی لشکرِ مخالف سے مبارزِ طلبی شروع ہوئی۔ بارگاہِ ایزدی میں جس چیز کی طلب ہوئی حسینؑ لے کر حاضر ہو گئے۔ جس میں پیدل جانے کی طاقت ہوتی ہے وہ پیدل جاتا ہے جو گھوڑے پر بیٹھ سکتا ہے وہ گھوڑے پر سوار ہو کر بڑھتا ہے جو خود سے گھوڑے پر نہیں سوار ہو سکتا اس بچے کو خود امام بازو تھام کے سوار کر دیتے ہیں اور جو پیدل جانے کے بھی قابل نہیں اور مرکب پر بھی نہیں بیٹھ سکتا اس کو حسینؑ اپنے ہاتھوں پر لے کر آرہے ہیں، کہہ رہے ہیں کہ خداوند یہ میرا آخری ہدیہ، حسینؑ کی چھ ماہ کی کمائی تھی، تیری بارگاہ میں حاضر ہے۔ ماشاء اللہ صاحبانِ اولاد کا مجمع ہے ماتی صف پر محبانِ اہل بیت جمع ہیں یہ واقعہ ہمارے رونے کے لئے کافی ہے، لوشیعہ حسینؑ رخصتِ آخری کو خیمہ میں تشریف لائے ادھر در دولت پر سناٹا ہے نہ جانِ ثاروں کی آوازیں ہیں نہ شیرانِ ہاشمی کے نعرے، جوان بیٹے کے غم میں آنکھوں کا نور جا چکا ہے، علمدارِ لشکر کی جدائی میں پشتِ خمیدہ ہو چکی ہے،



مقام ہو کا ہے جس جا نگاہ پڑتی ہے  
حضور کے درِ دولت پہ خاک اڑتی ہے (میر تقی)

اشقیا چاروں طرف سے سمٹ کر خیموں کے قریب آ جاتے ہیں دولت سرا میں  
سیدانیاں بال کھولے چہروں پر خاک ملے ہوئے امام کے گرد حلقہ کئے ہوئے ہیں  
مظلوم آقا بیچ میں تشریف فرما ہیں بہن نے مسند بچھادی ہے سامنے کھڑی ہوئی  
حسرت بھری نگاہ سے مظلوم بھائی کی صورت دیکھ رہی ہیں کہ ایک مرتبہ امام نے سر  
اٹھایا فرمایا بہن اسیری کے لائق کپڑے پہنو۔ پھر امام نے اپنے لئے پوشاک طلب  
کی جناب زینب گئیں اور پوشاک لے کر حاضر ہوئیں آپ نے ملاحظہ کیا فرمایا بہن  
یہ تو تنگ ہے ذرا ڈھیلی پوشاک لاؤ۔ زینب نے وہ کپڑے اٹھائے دوسرے کپڑے  
لے کر حاضر ہوئیں امام نے دیکھا پسند فرمایا اُسے بھی جگہ جگہ سے چاک کیا یہ کیوں  
اس واسطے کہ غیرت دار آقا کو گوارہ نہ تھا کہ لاش جلتی ریت پر عریاں رہے۔ غرضیکہ  
امام سب سے رخصت ہوئے بیمار کر بلا کو اپنا وصی و جانشین کیا اسرارِ امامت تعلیم  
فرمائے خدا حافظ کہہ کر بیمار فرزند کو بستر پر لٹا دیا چاہتے تھے کہ چلیں اتنے میں  
علی اصغر کے رونے کی آواز آئی فرمایا بہن زینب علی اصغر کو لاؤ کہ اس سے بھی  
رخصت ہوں جناب زینب گئیں علی اصغر کو لا کر امام کی گود میں دے دیا۔ بلایا تو تھا  
حضرت نے رخصت کرنے کو مگر علی اصغر کی حالت دیکھ کر دل کو تاب نہ رہی کلیجہ سے  
لگا لیا۔ اپنی عبا کا سایہ کئے ہوئے خیمے سے باہر نکلے اللہ رے محبت کا جوش کہ  
تکواروں کے سائے میں لے چلے ہیں مگر دھوپ کے خیال سے عبا کا سایہ کئے  
ہوئے۔ ایک بلندی پر تشریف لے گئے ادھر لشکر عمر سعد میں اختلاف ہوا کوئی کہتا  
ہے امام کوئی بزرگ شے لائے ہیں۔ کوئی کہتا ہے قرآن ہے۔ مگر یہاں امام نے قبا  
کا دامن ہٹایا پھول کی طرح مرجھائے ہوئے بچہ کو ہاتھوں پر بلند کیا گویا مراد

۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲

[illegible]

میتواند به تواتر بیاید، هر چه بیشتر، بهتر و بیشتر، ترسش

هتو یو؟ شخړه نه کړه، ځیر یو؟ نه پسته هم، ایا اوبه؟ ایا د ځمکې هتو سر له اوبو خخو

[illegible][illegible]

شایم ایستاد و اولی الامر است - ، انکه در حق تعالی بیعت ، هر یک از اینها

خجسته سز در قیام لیس از ترنم و نوا و آواز، سر، انگشت

[illegible]

۹۷۸

میت و سوز گشته که در آتش خوار و خسته به این رخسار آید، کس بمیت

وہ کہتا ہے کہ "جس نے کتے کو چھو یا ان کے ساتھ کھانا کھا، اسے جہنم میں بھیج دو"۔

[illegible]



اس گرمی میں حسین بیٹھے ہوئے قبر کی تیاریاں کر رہے ہیں کہ شیطان نے درگاہ خدا میں عرض کی کہ خداوند! بیشک حسین صابر ہیں اور اس بیکس سے بڑھ کر کوئی اور صابر نہیں مگر جب مزا تھا کہ اس پیاس میں آفتاب کا رخ حسین کی طرف کر دیا جاتا۔ اللہ رے صبرِ حسینی کہ امتحان لینے والا خود فخر کرتا ہے ندا آئی کہ اے بدترین خلقت اچھا تو بھی حسین کا صبر دیکھ لے آفتاب کا رخ پھیر دیا گیا۔ ادھر حسین نے بندِ قبا کھولے اور جھکا ہوا سینہ تان کر کھڑے ہو گئے یہ وہ حالت تھی کہ انبیاء کی روحوں میں رونے کا شور بلند ہوا۔ جنھوں نے نوحہ کیا ساکنانِ عرش بریں مصروفِ ماتم ہوئے۔ اب جبرئیل جو بچپن کے خدمتگاروں میں ہیں گودیوں میں کھلایا بھی ہے گہوارہ جنبنی بھی کی ہے لوریاں بھی دی ہیں جنت سے حُلّے بھی لا کر پہنائے ہیں۔ زہرا کی طرف سے چکی بھی پیسی ہے کہ حسین ماں کی گود میں آرام پائیں یہ حالت دیکھی تو بے اختیار عرش سے جانبِ فرش کر بلا چلے اور اپنے پروں کو کھول دیا امام کے سراقدس پر مظلوم امام نے ایک بار نظر اٹھائی کہا اے جبرئیل ہٹ جاؤ یہ امتحان کا وقت ہے دخل نہ دو چند لمحے زندگی اور موت میں کشمکش اور ہے وہ بھی خدا کی مرضی میں ختم ہو جانے دو۔

مجلس نہم ۹

## ذکر علی عبادت ہے شہادتِ امام حسین علیہ السلام

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ رَتِّنُوا مَجَالِسَكُمْ بِذِكْرِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ لِأَنَّ  
ذِكْرَهُ ذِكْرِي وَذِكْرِي ذِكْرُ اللَّهِ وَذِكْرُ اللَّهِ عِبَادَةٌ۔  
ارشاد فرماتے ہیں جناب رسالتؐ کہ زینت دواپنی مجلسوں کو ذکر علی ابن ابی  
طالبؑ سے اس لیے کہ علیؑ کا ذکر میرا ذکر میرا ذکر خدا کا ذکر ہے اور ذکر خدا عبادت  
ہے (صلوٰۃ)۔

لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ ذکر علی عبادت ہے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ بزم عالم میں جو چیز  
آئی اس کو خداوند عالم نے ایک نہ ایک چیز سے ضرور زینت دی۔ چنانچہ تفسیر لوامع  
التزئیل میں ہے کہ ثعلبی نے عرائس میں لکھا ہے کہ خدا نے زمین کو انبیاء سے زینت  
دی اور ان انبیاء کی چار نبیوں سے یعنی ابراہیم خلیل اللہ، موسیٰ کلیم اللہ، عیسیٰ روح



اللہ اور محمد حبیب اللہ (صلوٰۃ) اور پھر اس زمین کو آلِ محمدؐ سے زینت دی۔ سموات کی زینت آفتاب عالمیتاب سے مہتاب سے اور جگمگاتے ستاروں سے، زمین کی زینت اشجار وانہار و جبال و بحار سے، شہر کی زینت عمارات و مکانات سے، مکان کی زینت کین سے، مسجد کی زینت نماز پڑھنے والوں سے، اور مجلس کی زینت ذکر علیؑ ابن ابی طالب سے (صلوٰۃ)۔ بہر حال رسولؐ نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ تم زینت دو اپنی مجلس کو علیؑ کے ذکر سے اس لئے کہ وہ عبادت ہے اور کیوں نہ عبادت ہوتا علیؑ کا ذکر اس لئے کہ علیؑ کا ہر فعل خود عبادت ہے اور یہ بھی رسولؐ کا ارشاد ہے کہ علیؑ کی ایک ضربت عبادتِ ثقلین سے افضل ہے (صلوٰۃ)۔ پھر عبادت تو علیؑ کی ایسی تھی کہ خود نماز کو بھی علیؑ پر ناز تھا، جب تک علیؑ کی نماز شامل نہ ہوتی اس وقت تک وہ خدا کے سامنے جانا گوارا ہی نہ کرتی تھی اور اگر آپؐ کو یقین نہ ہو تو میں آپؐ کو پتلاؤں، مگر کہاں، اس جگہ چلے، جہاں رسولؐ نماز پڑھا رہے ہوں لیکن علیؑ رسولؐ کے کسی کام سے گئے ہوئے تھے، واپس آکر وضو کرنا چاہتے ہیں لیکن مسجد میں پانی ختم ہو چکا ہے، نماز میں شامل نہیں رسولؐ بحالت رکوع ہیں اور ملک گھٹنوں پر ہاتھ رکھے کہہ رہا ہے کہ اے رسولؐ نماز تمام نہ کیجئے گا اس لئے کہ علیؑ شریک جماعت نہیں ہیں۔ اور ادھر علیؑ پانی کی تلاش میں کہ ناگاہ غیب سے صدا آئی۔ علیؑ داہنی جانب دیکھو۔ اب جو علیؑ مڑے دیکھا ایک طلائی لوٹا اور اس پر سبز رومال ڈھکا ہے علیؑ نے اس سے وضو فرمایا اور نماز میں شرکت کی ادھر علیؑ شریک جماعت ہوئے ادھر ملک نے گھٹنوں سے ہاتھ اٹھایا رسولؐ نے نماز تمام کی اور پلٹ کر علیؑ کو دیکھا تو کیا دیکھا کہ قمرِ امامت آخری برج میں ضوگن ہے اور ادھر آفتاب رسالت کی چھوٹ مہتاب امامت پر پڑی علیؑ کو قریب بلایا اور فرمایا علیؑ تاخیر کا سبب کیا ہے تم بیان کرو گے یا میں کہوں عرض کی آپؐ ہی ارشاد فرمائیں۔ اس لئے کہ آپؐ کا کلام

میرے کلام سے زائد شیریں ہے۔ ارشاد فرمایا یا علیؑ ادھر میں نماز میں مشغول ہوا اور ادھر تم برائے وضو پانی کی تلاش میں تھے۔ تو تم مایوس ہو کر پلٹے تو صدائے غیب آئی علیؑ داہنی جانب دیکھو اب جو مڑے تم تو دیکھا ایک طلائی لوٹا ہے پانی کا اور اس پر ایک سبز رومال رکھا ہوا ہے اور تم نے اس سے وضو کیا اور آکر آخری صف میں مشغول نماز ہوئے۔ جب تک تم پانی کی تلاش میں تھے تو اس وقت تک ملک مجھے روکے ہوئے تھا کہ نماز کو تمام نہ کرنا علیؑ ابھی شریک نہیں ہیں ہاں اے علیؑ وہ لوٹا جنت کا تھا اور اس میں آب کوثر بھرا تھا (صلوٰۃ)۔ بہر حال میں نے آپ کو دکھایا کہ علیؑ کا انتظار ہے نماز کو اور آخر نماز میں ہے کیا علیؑ ہی کا ذکر تو ہے اگر علیؑ کی محبت ہے تو نماز بھی صحیح ہے۔ رسولؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو نماز کے بعد محمدؐ و آل محمدؐ پر درود نہ بھیجے گا اس کی نماز صحیح نہیں ہے۔ لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ رسولؐ تو یہ ارشاد فرمائیں کہ بغیر درود بھیجے ہوئے نماز صحیح نہیں اور پھر یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ لَا صَلَوةَ إِلَّا بِفَاتِحَتِهِ الْكِتَابِ۔ یعنی نماز بغیر سورہ حمد کے پڑھے ہوئے صحیح نہیں ہے آخر یہ کیا۔ میں کہوں گی کہ آخر سورہ حمد میں کس کا ذکر ہے علیؑ ہی کا ذکر اس میں بھی ہے، (صلوٰۃ)۔ آپ حضرات ایک مثال عبادت کی اپنے آقا و مولا کی سن چکے اب شجاعت بھی تھوڑی سینے جنگ خیر جو بڑے معرکہ کی لڑائی ہوئی ہے وہ ۶ ہجری میں ماہ ذی الحجہ میں واقع ہوئی تھی چودہ ہزار یہودی اپنے قلعوں میں تھے بیس روز سے زیادہ محاصرہ رہا سب سے مستحکم قلعہ قوص تھا جو کسی طرح فتح نہ ہوتا تھا بڑے بڑے اصحاب علم اسلام لے کر سپہ سالار بن کر باری باری تین روز گئے مگر جب مقابلہ ہوا تو بھاگے اور لشکر سمیت ناکام واپس آئے۔ اہل لشکر ان کو بڑبڑلاتے تھے اور یہ ان کو بڑبڑلاتے تھے بہر کیف جب وہ قلعہ کسی طرح فتح نہ ہوا تو رسولؐ خدا کو نہایت صدمہ ہوا اصحاب کہتے تھے یا رسولؐ اللہ ہمارے لوگوں کو یہودی قتل کئے



ڈالتے ہیں اس وقت فرمایا کل علم اسلام ایسے شخص کو دوں گا جو خدا و رسول کو دوست رکھتا ہو اور خدا اور رسول اس کو دوست رکھتے ہیں اور وہ کرار غیر فرار ہوگا۔ جب تک فتح نہ کرے گا واپس نہ ہوگا۔ لکھا ہے سب نے تمام شب اس تمنائیں بسر کی کہ کل علم پیغمبر خدا ہم کو دیں گے، دوسرے روز آپ نے فرمایا علی کہاں ہیں ان کو بلاؤ، لوگوں نے کہا ان کی آنکھیں آشوب کر آئی ہیں، فرمایا کوئی مضائقہ نہیں ان کو بلاؤ۔ جب آئے پیغمبر خدا نے اپنا لعاب دہن لگا دیا فوراً آنکھیں روشن ہو گئیں۔ فرمایا اے علی یہ علم لو اور جاؤ اس قلعہ کو فتح کرو جبریل تمہارے ساتھ ساتھ داہنی جانب ہیں اور میکائیل بائیں جانب ہیں اسرائیل پیچھے ہیں ملک الموت آگے آگے ہیں۔ خدا کی نصرت تمہارے اوپر سایہ کیے ہوئے ہے اور میری دعائیں حرزِ بلا ہیں (صلوٰۃ) اس کے بعد جناب امیر تنہا قلعہ کی طرف بڑھے جب درخیر کے پاس پہنچے علم کو پتھر کے اوپر گاڑ دیا اس لئے کہ بھاگنے والے نہ تھے یہ حالت دیکھ کر مرحب جو سب میں بڑا نامی پہلوان تھا اور پہلے لوگوں کو شکست دے چکا تھا قلعہ سے نکلا ہتھیاروں سے مسلح سر پر خود اور خود پر ایک بھاری پتھر سوراخ کیا ہوا خود سے جڑا ہوا۔ اور بدن میں زرہ ہاتھ میں تلوار اوپچی بنا ہوا مقابلہ کو آیا اس کی فوج کے لوگ اس کی پشت پر تھے۔ دو دو ہاتھ چلنے پایا تھا کہ آپ نے ایک ضربت تلوار کی ایسی لگائی کہ پتھر کو کاٹ کے خود اور خود کو کاٹ کے سر پر پہنچی۔ اور سر سے اتر کے جسم کو بڑی صفائی سے دوا دھا کرتی ہوئی زمین تک پہنچ گئی۔ اور جب مرحب دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر تو جبریل امین خوش خوش تعجب کرتے ہوئے رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے پوچھا اے جبریل تمہاری مسرت کا کیا سبب ہے کہا یا رسول اللہ خوشی اس لئے ہے کہ اس وقت ساکنان عرش بریں اور تمام آسمان کے فرشتے صوامع ملکوت میں پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ شاہ مرداں شیر یزدان قوت پروردگار لافتا لا علی لاسیف

الا ذوالفقار اب لگے ہاتھوں دل یہ چاہتا ہے کہ اپنے مولا کی ایک سخاوت کی مثال بھی بیان کر دوں اور بس۔ ملاحظہ فرمائیے جنگ نہروان سے حضرت مظفر و منصور واپس تشریف لا رہے ہیں اثنائے راہ میں کسی سائل نے ایک روٹی کا سوال کیا ہے آپ نے قنبر سے فرمایا سائل کو روٹی دے دو قنبر نے عرض کی آقا دسترخوان صندوق میں ہیں فرمایا صندوق بھی دے دو کہا یا حضرت صندوق شتر پر بار ہے فرمایا شتر بھی دے دو عرض کیا شتر تو قطار میں ہے ارشاد فرمایا قطار بھی دے دو (صلوٰۃ) اتنا سننا تھا قنبر نے فوراً اونٹوں کے قطار کی مہار سائل کے حوالے کی اور خود فوراً حضرت کے قریب آ کر خاموش کھڑے ہو گئے لوگوں نے پوچھا قنبر سے کہ تم اتنے خوفزدہ ہو کر کیوں بٹے، جواب دیا قنبر نے کہ میں نے دیکھا کہ میرے آقا و مولا کا دریائے کرم طغیانی پر ہے مجھے یہ خیال ہوا کہ اگر میں یہ عرض کر دوں کہ مولا مہار اونٹوں کی میرے ہاتھ میں ہے تو کہیں حضرت یہ نہ ارشاد کر دیں کہ میں نے تم کو بھی سائل کو بخش دیا اور پھر میں ایسا سخی آقا کہاں پاتا (صلوٰۃ)۔ بہر حال علیؑ کی جن صفات پر نظر ڈالئے گا اس کا کمال عروج تک پائیے گا بھلا میری مجال ہے مشکل کشائے عالم کی مدح کروں جس کی قرآن منقبت خوانی کرے اس کی تعریف بندہ کب کر سکتا ہے بہر حال صرف عبادت سمجھ کر میں نے یہ مشغلہ اختیار کیا ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنے امام کے کن اوصاف کا بیان کروں معرفت اللہ ایسی کہ بحالت رکوع فقیر کے سوال پر دست مبارک بڑھا دیا اس نے انگوٹھی اتار لی فقیر نے خدا کے گھر میں سوال کیا تھا وہاں علیؑ بھی موجود تھے عبادت کے ساتھ فقراء پروری بھی کر دی خضوع و خشوع ایسا کہ اگر کسی جنگ میں علیؑ کے پیر میں تیر لگ گیا اور لوگوں نے چاہا کہ نکالیں تو علیؑ سے ضبط نہ ہو سکا۔ رسولؐ نے ارشاد فرمایا کہ چھوڑ دو علیؑ کو ان کے حال پر جب نماز میں مشغول ہوں تب تیر نکال لینا چنانچہ ایسا ہی کیا



گیا جب علیؑ نماز میں مشغول ہوئے لوگوں نے تیر نکال لیا علیؑ کو مطلق خبر نہ ہوئی جب نماز تمام ہوئی مصلے پر خون دیکھا پوچھا یہ خون کیسا ہے لوگوں نے سبب بیان کیا اس وقت فرمایا کہ مجھ کو تو بالکل خبر ہی نہ ہوئی، کبھی علیؑ نے صفین کے میدان میں اس وقت نماز پڑھی کہ جب ہر طرف سے تیروں کی بوچھاڑ تھی جنگ مغلوبہ واقع تھی علیؑ نے حکم دیا کہ مصلے کو بچھا دیا جائے لوگوں نے عرض کی مولا یہ وقت نماز کا نہیں ہے اس لئے کہ جنگ مغلوبہ واقع ہے اپنا اور بیگانہ دکھائی نہیں دیتا ارشاد فرمایا یہ کیا کہتے ہو ہم نماز ہی کے لئے تو جنگ کرتے ہیں۔ واقعی میں علیؑ کی شجاعت، علیؑ کی سخاوت، علیؑ کی عبادت، غرض کہ سارے وصف یادگار زمانہ تھے اور علیؑ کی برابری کوئی بشر کر ہی نہیں سکتا لیکن بیٹا وہی ہے جو باپ کے نقش قدم پر چل کر زمانہ کو دکھا دے کہ ورثہ دار حیدر کرار ایسے ہوتے ہیں۔ اب یہ ملاحظہ فرمائیے کہ حسینؑ علیؑ سے کس قدر مشابہ تھے۔ مگر ہائے نام حسینؑ میں عجیب تاثیر پاتی ہوں زبان پر اسم مبارک کا آنا تھا کہ دل درد مند اور آنکھیں پر نم ہو گئیں اس امام کی سخاوت بھی ہم سے آنسو طلب کرتی ہے شجاعت بھی آنسو کی لڑیاں نچھاور کرانا چاہتی ہے اور عبادت تو خون کے آنسو رونے پر مجبور کرتی ہے۔ حسینؑ کی سخاوت تو آپ حضرات بھولے نہ ہونگے اور کیوں کر بھول سکتے ہیں کہ یہ سخاوت بھی یادگار زمانہ تھی، تصور فرمائیے کہ غریب الوطن امام راہ دشوار گزار طے کرتا ہوا منزل شراف میں ٹھہرتا ہے خیمے نصب ہوئے سوار گھوڑوں سے اتر پڑے ناقے بٹھائے گئے بہ اہتمام تمام رسول زادیاں خیموں میں اتریں ناگاہ جناب عباسؑ نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک لشکر گراں ہماری طرف آرہا ہے اس لشکر کا سردار حرا بن یزید ریاحی ہزار سواروں سے آکر امام کی مختصر سپاہ کے گرد حلقہ کر کے گھیر لیتا ہے۔ حضرت نے دیکھا کہ لشکر کا ہر تنفس حتیٰ کہ گھوڑوں کی زبانیں بھی باہر نکل آئیں ہیں اور سوائفنگی سب جاں بلب ہیں نخی ابن نخی سے اپنے

دشمنوں کی بھی پیاس دیکھی نہ گئی فوراً حکم دیا کہ کیا دیکھتے ہو یہ لوگ پیاس سے ہلاک ہوا چاہتے ہیں جلد ان کو سیراب کرو، حسینؑ کے کرم پر فدا ہو جانے والو عجب نہیں کہ یہ حکم مخصوص حضرت نے اپنے بھائی عباسؑ کو دیا ہو جس کے لئے نہر فرات پر سولہ ہزار فوجوں کا پہرہ مقرر کیا گیا تھا جو اپنا خون بہا کر بھی خیام حسینی میں ایک جرہ آب نہ لے جاسکا۔ بہر حال علامہ مجلسیؒ نے بحار میں کسی کا نام نہیں لکھا مگر حکم کے الفاظ تحریر فرمائے ہیں کہ حضرت نے یہاں تک حکم دیا کہ دیکھو پانی دفعتاً کسی کو نہ پلا دینا بلکہ تھم تھم کر ہر شخص کو سیراب کرو۔ اور جب سواروں کی پیاس بجھ جائے تو گھوڑوں کو بھی اس طرح پانی پلاؤ کہ تھوڑا تھوڑا پانی ان کے سامنے لے جاؤ لیکن ایسا نہ ہو کہ کسی انسان یا حیوان کو کثرتِ عطش میں ضرر پہنچ جائے۔ خدام و غلام اور رفقاء مشکیں لے کر دوڑے فرزندِ ساقی کو کثر کے فیض کی سبیل عام ہو گئی پھر تاب نہ آئی خود حضرت بنفس نفیس قریب آگئے اور پانی پلانے میں مصروف ہو گئے۔ حسینؑ کا یہ ایثار کرم اور احسان کو فیوں پر عام ہو گیا مگر کیا کو فیوں نے حسینؑ کا یہ احسان یاد رکھا نہیں نہیں اگر ایسا ہوتا تو میرا مظلوم آقا تشنہ لب ہرگز نہ فزع ہوتا، ہائے ایک وقت اطفالِ حسینؑ پر بھی ایسا آیا حسینؑ کی شہادت کے بعد بے والی و وارث قیدی بنے ہوئے جانبِ دمشق ظلم کے بانی کشاکش کشاکش لئے جاتے ہیں عرب کی تیز دھوپ ریتیلے جنگل بے آب و گیاہ صحرا ناگاہ لشکرِ یزید پیاس اور گرمی سے بے حال ہو کر منزلِ حص پر رک گیا ہے لشکر کے سپاہی وافر سب خیمہ میں آرام کرنے لگے۔ پیاس سے ہرزبان پر پانی پانی کی آواز تھی شمر قیسی پانی کی مشکیں ہمراہ لئے ہوئے تمام لشکر کو سیراب کرنے کے لئے بڑھا۔

ساقی کوثر کی آل خاندان رسولؐ کی یادگار لئے ہوئے حسینؑ کے ماتم دار ریگ گرم پر ایک طرف خاک پر سر جھکائے اپنے اپنے وارثوں کے ماتم پر اشک بار



بیٹھے ہیں۔

ناگاہ جناب سکیئنہ نے دیکھا کہ شمر اپنی فوج کو پانی پلانے کے لئے اٹھا ہے۔ معصومہ نے اپنی پھوپھی جناب زینبؓ کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور فرمایا اے پھوپھی اماں اگر آپ کی اجازت ہو تو میں بھی تھوڑا پانی مانگ لوں کہ اب پیاس سے دم ہونٹوں پر آیا ہے۔ ہائے زینبؓ بچی کے سوال پر اس لئے خاموش ہیں کہ آپ کو دشمن ایمان شمر سے رحم کی امید نہ تھی مگر معصوم سکیئنہ اس خاموشی کو اجازت سمجھ کر فوج عدد کی طرف بڑھیں اور ساقی کوثر کی پوتی نے ایک کوزہ شمر کی طرف بڑھا دیا کہا اے شمر العطش العطش عزا دارو شمر پانی پلانے میں ایسا مشغول ہے کہ سکیئنہ کے سوال کا جواب بھی نہیں ملتا ہائے شہزادی سکیئنہ کے پیاس پر میری جان نثار ہو، ارے معصومہ اس امید میں ٹھہری رہی کہ سب کو پلا کر یہ مجھے بھی پانی دے گا۔ لشکر یزید سیراب ہو چکا حتیٰ کہ مرکب بھی خوب سیراب ہو گئے اب شمر سکیئنہ کی طرف بڑھا اس شقی نے کہا اے سکیئنہ لو پانی لو، ہائے معصومہ نے خالی کوزہ بڑھا دیا۔ عزا داروں کیونکر بیان کروں کہ مشک کا سارا پانی زمین پر بہہ گیا مگر سکیئنہ کا کوزہ تر بھی نہ ہوا۔

اب اپنے مظلوم امام کی شجاعت کا بھی تھوڑا سا حال سنئے اور دیکھئے کہ علیؑ کا لال شجاعت میں بھی اپنے پدر بزرگوار حیدر کرار کی طرح یکتائے زمانہ تھا۔ ویسے تو بہتر یا اکاسی بھوکے پیاسوں کا مقابلہ ترپن ہزار یا اسی ہزار فوج سے کچھ کم حیرت خیز نہیں ہے لیکن امام تشنہ کام کا معرکہ نہایت ہی متحیر کر دینے والا واقعہ ضرور ہے باوجود اس کے کہ آپ نے قوتِ امامت سے کام نہیں لیا تین دن کی پیاس۔ عرب کی دھوپ۔ گرم موسم۔ دوستوں کا فراق۔ یتیم بچوں کا غم۔ قوت بازو و علمدار لشکر کا صدمہ، جوان بیٹے کا داغ، پھر ہر شہید کی نصرت کو پہنچنا اور زخم کھا کر لاش اٹھالانا نہ

جسم میں توانائی نہ دل میں قوت نہ فتح یابی کی امید ستاون برس کی عمر میں اتنے اسباب غم جس کے لئے جمع ہوں وہ فوج کثیر سے یوں مقابلہ کرے کہ فوج اعدا کا ہر سپاہی اپنی زندگی سے مایوس ہو کر میدان کارزار میں قدم نہ جماسکے حالانکہ قوت بشری سے حضرت نے مقابلہ کیا۔ اگر زورِ امامت و عصمت کو کام میں لاتے تو معاذ اللہ ساری دنیا ایک طرف ہوتی اور امام کا ایک اشارہ سب کو ہلاک کرنے کے لئے کافی تھا۔ اب میرا دل چاہتا ہے کہ میں سوئے نجف منہ اٹھا کر فریاد کروں کہ یا علیؑ آپ نے ضرورتیوں کی چھاؤں میں نماز پڑھی لیکن آئیے اور کر بلا کے میدان میں آکر دیکھئے آپ کا ناز پروردہ فاطمہؑ کے دل کا چین رسولؐ کا نور عین ایک نرالی شان سے نماز عصر ادا کر رہا ہے کیا اُس نماز کی شان عرض کروں۔ لکھا ہے کہ جب حضرت تین بار تلوار شرر بار کے حملے کر چکے تو بے دینوں نے رسولؐ کی دہائی دی حسینؑ رسولؐ کی اُمت کے شیدائی تھے تلوار میان میں رکھ لی تلوار کا میان میں رکھنا تھا کہ شامیوں نے آفتابِ امامت پر مثلِ ابرِ سیاہ گھر کر چھپا لیا زخم پر زخم کھا کر امام رہوار پر جھومنے لگے ہنگامِ عصر کا خیال امام کو بے چین کئے تھا ایک بار جھک کر مرکب سے کچھ کہا سب نے دیکھا کہ ذوالجناح نے چاروں پیر پھیلائے اور زمین پر بیٹھ گیا قرآنِ رحل سے یا امامِ پشتِ زین سے فرشِ زمین پر تشریف لائے۔ ریگ گرم سے تیمم کر کے مشغول طاعت رب کریم ہوئے، ابھی آپ کے امام سجدہٴ اول نہ کر چکے تھے کہ شمر شقیؑ ازلی آستین چڑھائے شمشیر بکف امام کے قریب آگیا۔ ملعون سمجھا کہ حسینؑ زخموں کی ایذا سے بے چین ہیں، حسینؑ نے سجدہ سے سر اٹھایا مگر بوجہ ضعف غش آگیا اور ریگ صحرا پر بے ہوش ہو کر گرے، ہائے ستم کینہ جو نے وہ بے ادبی کی کہ زمین کر بلا کو زلزلہ ہوا عرش بریں کانپ گیا ہر طرف سے وا محمدؐ و علیؑ کی صدائیں بلند ہوئیں۔ شمر نے دیکھا کہ حسینؑ مجھ سے تو کچھ نہیں کہتے ہیں لیکن لب



معجز نماں رہے ہیں ضرب کے ساتھ لب اطہر سے کان لگائے تو سنا کہ حسینؑ فرماتے ہیں اے شرا العش العش۔ دوسری ضرب میں امام نے فرمایا بارِ الہ میرے نانا کی امت کو بخش دے، تیسری بار فرمایا خداوند ان ضربہائے کاری کے واسطے میرے عزاداروں پر نارِ دوزخ حرام کر دے۔ فدا ہو جائیں جانیں ہماری اس امام پر کہ جسے محبت میں اپنی بھوک و پیاس و ضربہائے شدید کا خیال بھی نہ تھا۔

# مجلس دہم عبادتِ الہی شہادتِ امام حسین علیہ السلام

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِي كِتَابِ الْمُبِينِ وَهُوَ اصْدَقُ الصَّادِقِينَ - وَمَا  
خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (سورہ الذّٰرِیٰتِ آیت ۵۶)

عناصر نفاق کو اتفاق سے بدلنے والا۔ فطرت کی ماہیت کا واقف۔ قانون  
قدرت کا بیان کرنے والا۔ اپنے رسولؐ کو اطلاع دیتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ اس آیہ  
مبارکہ کا رسولؐ کے ذریعہ سے اعلان فرمائے۔

فرماتا ہے کہ کہہ دو اے رسولؐ۔ ہم نے جن و انس کو خلق نہیں کیا مگر اس لئے کہ  
وہ عبادت کریں۔ دنیا میں ہمارے آنے کی یہی وجہ ہے کہ ہم اس کی عبادت  
کریں۔ ہمارے آنے کی علت غائی عبادت ہے۔ دنیا میں جو باتیں ہم نے اپنے  
اوپر فرض کر لی ہیں وہ سب بیکار و عبث ہیں اصل غرض ہمارے پیدائش کی عبادت



[illegible]

وقت گزر گیا۔ اور ظہرین کا وقت آئے گا بھی یا نہیں۔ واقعاً ہماری حالت قابلِ عبرت ہے ہمیں اپنی حالت پر اب رونا آتا ہے ہمیں اپنے قول آپ غلط معلوم ہوتے ہیں جب دو دوستوں میں محبت کا عہد و پیمان ہوتا ہے تو اپنی شرافت جتنا کر مطمئن کرتے ہیں، ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ اگر تم ہم سے محبت کرتے ہو تو ہم بھی جاں نثاری کو تیار ہیں، ہمارے پہلو میں احسان کو محسوس کرنے والا دل ہے۔ مگر پوچھئے کہ جس نے تم کو پیدا کیا تم کو پرورش کیا تم کو اس قابل کیا کہ آج تم اظہارِ مطلب کر رہے ہو۔ تم نے اس محسنِ عالم انسان کی کیا قدر کی تمہارے بازوؤں میں تھوڑی سی توانائی آئی اور تم نے ناز کرنا شروع کر دیا۔ تمہارے دماغ میں خداداد علم کی روشنی چمکی اور تم نے دنیا والوں سے آنکھیں پھیر لیں، تمہارے آگے دولت کا انبار ہوا اور تم سمجھے کہ اب دنیا میں ہم ہی ہم ہیں گویا یہ سب چیزیں جو تمہارے پاس ہیں یہ کسی کی دی ہوئی نہیں ہیں۔ تم اسے کیوں یاد کرو گے جس نے تمہیں عزت بخشی تمہارے آگے علم کا آئینہ لگا ہوا ہے اور اپنی صورت دیکھنے میں محو ہو۔ قاعدہ ہے کہ جب بچہ ہنسنے کے قابل ہوتا ہے تو پہلے جو ہاتھ پھیلاتا ہے تو وہ اپنے پالنے والے کی طرف مگر ہم نے آنکھیں کھول کر بھی اس کی طرف نہ دیکھا جو دنیا کو آغوشِ رحمت میں پرورش کرتا ہے۔ جب پیدا ہوئے تھے تو ایک مرتبہ اذان سنیں تھی۔ مگر اب ہماری کاہلی اذان کے نام سے کانوں پر ہاتھ رکھواتی ہے۔ مزایہ ہے کہ کسی کے یاد دلانے سے بھی یاد نہیں آتا۔ صبح کے طاروں کی خوش الحانیاں بستر پر اٹھا کر بٹھا دیتی ہیں مگر ہم یہ نہیں سمجھتے کہ یہ زمزمے حمد خدا کے ترانے ہیں لاؤ ہم بھی حیٰ علی خیر العمل کہہ لیں۔ ہمیں جہنم کے شعلوں کا ڈر نہیں کہ دنیا سے جا کر وہاں کیا ہوگا۔ اس کا خیال نہیں۔ اللہ ری ہماری غفلت۔ اف ری ہماری کاہلی اگر کبھی کسی کا گھر جلتے دیکھتے ہیں تو عبرت ہوتی ہے۔ مگر اپنے آتش زدہ دامن کو بجھایا نہیں جاتا



واقعی ہم نے اپنی نجات کی کوئی صورت نہیں رکھی تھی مگر اس احسان کرنے والے کا ایک یہ بھی احسانِ عظیم ہے کہ اس نے اپنے حبیبؑ اور اس کے ولی کی خاطر سے ایک ایسا سبب پیدا کر دیا ہے وہ کیا؟ وہ یہ کہ ہمارے پہلوؤں کو چیر کے محبت بھردی کس کی محبت؟ وہ اس شخص کی محبت ہے جس کا نام سنتے ہی ہمارا سینہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ جس کا نام لینے سے دل بڑھ جاتا ہے جس کے نام آنے سے زرد چہرے بھی گلنار ہو جاتے ہیں۔ جس نام کے سہارے سے ضعیف راستہ چلتے ہیں۔ جس نام کی قوت سے جوانوں کی قوت و ہمت بڑھ جاتی ہے وہ کون؟ مالک ذوالفقار، آقائے قنبر، قاتلِ مرحب و عترة، صاحبِ محراب و منبر، وصیٰ پیمر مرکزِ ولایت، مظہرِ العجایب والغرائب، زورِ بول، دامادِ رسول، مولا علی ابن ابی طالبؑ۔ انھیں کی محبت کے سبب ہم پر آتشِ دوزخ حرام ہو گئی ہے۔ بھلا وہ چہرے کیا جل سکیں گے جو اس چوکھٹ پر جبہ سائی کا ارادہ رکھتے ہوں یا زائر ہو چکے ہوں۔ وہ دل کیا خاک ہو سکیں جس میں معرفتِ بسی نظر آئے..... مگر دیکھتے کہ جس کی محبت کا یہ اثر ہے اس نے کیسی عبادت کی۔ یہ روایت مشہور ہے کہ اگر کسی لڑائی میں کوئی تیر حضرت کے لگ گیا اور چارہ گروں کو نکالنے میں مشکلات کا سامنا ہوا تو وہ تیر حالتِ عبادت میں بغیر خدشہ کھینچ لیا گیا اگر کبھی لڑائی میں کسی پہلوان سے مقابلہ ہوا اور وقت نماز آ گیا تو اس پہلوان کو زانوں میں دبا لیا اور تلوار رکھ کر نماز شروع کر دی۔ لڑائی میں نماز پڑھنے کی منتیں مانی جاتی تھیں مشہور ہے کہ جب قلعہ خیبر کے نیچے حیدر کرار جست کر کے پہنچ گئے لپٹے ہوئے دامنوں کو کھولا چڑھی ہوئی آستنیوں کو اتارا اور نماز پڑھنا شروع کی۔ قلعہ کے یہودیوں نے جب یہ حالت دیکھی ایک بہت وزنی پتھر قلعہ پر سے پھینکا جب وہ پتھر دُر شاہوار امامت کے قریب پہنچا ایک وار ذوالفقار سے وہ کیا کہ نصف پتھر کٹ کے دور گرا اور نصف پتھر

سر پر سایہ لگن رہا۔ یہاں تک کہ نماز شکر ختم ہوئی۔ ارشاد فرمایا کہ میں نے مدینے سے چلتے ہوئے نذر کی تھی کہ جب قلعہ کی دیوار تک پہنچوں گا تو نماز شکر ادا کروں گا۔ انتہائے عبادت یہ اور ابتدائے عبادت کا گواہ خود خدا کا گھر ہے کہ پیدا ہوتے ہی کلمہ توحید ارشاد کیا اور خدا کے سجدے میں جان دی۔

اس سجدے کے ذکر سے مجھے ایک اور سجدہ یاد آ گیا اگر آپ حضرات سنیں تو ایک نمازی کی کیفیت اور عرض کروں اس لئے کہ وقت کے لحاظ سے ایک مظلوم نمازی یاد آ رہا ہے کیا یاد دلاؤں۔ یہ وہ نمازی ہے جس کی جان لینے کے لئے لوگوں نے روزے مانے تھے جس کا سر جدا کرنے کے لئے نمازیں نذر کی تھیں وہ کون نمازی حسینؑ غریب جن کے پدر بزرگوار کی عبادت سن کر آپ نے نعرہ درود بلند کیا تھا مگر بیٹے کی نماز پر آپ سینہ و سر پٹینے پر مجبور ہیں۔

کیوں نہ ہو یہ نماز کچھ اس شان سے پڑھی گئی کہ آپ ہی نہیں بلکہ خالق انس و جان کی پیدا کی ہوئی ہر شے اس نماز پر روئی کیا عرض کروں کہ میرے امام نے نماز ظہر میں کس طرح ادا کی سنئے۔ نماز ظہر کا وقت ہے امام کے صحابی نماز کے دلدادہ ابو ثمامہ نے آسمان کی طرف دیکھا عرض کی مولا اے میرے مقتدا نماز ظہر کی ابتدا کا وقت ہے اب دنیا میں آپ کے ساتھ اور کوئی نماز کہاں نصیب ہوگی دل چاہتا ہے کہ یہ آخری نماز اپنے امام کے پیچھے پڑھ لیں۔ حسینؑ نے دعائے خیر دے کر لشکر سے خطاب کیا کہ اے خدا و رسولؐ کے احکام بھلانے والو شریعت کو بالکل تو نہ چھوڑو نماز ظہر کا وقت ہے ادھر تم نماز پڑھ لو اور ادھر ہم اپنے خالق کی عبادت آخری بجا لائیں۔

کیوں حضرات آپ اس حسرت بھرے فقرے کا جواب سن سکیں گے۔ حسین ابن نمیر ملعون صف سے بڑھا اور کہا اے فرزند رسولؐ تمہاری نماز قبول نہیں۔ اس



وقت امام کے کچھ جاں نثار موجود تھے بھلا امام کی شان میں یہ بے ادبانہ الفاظ سننے کی تاب ان کو کہاں حبیب بگڑ گئے بڑھ کر جواب دیا کہ اولعون حسینؑ کی نماز تو قبول نہ ہو اور تجھ سے شراب خوار کی نماز قبول ہوگی۔ پھر حسینؑ کی طرف مخاطب ہوئے اور عرض کی اے آقا ہم تو نماز اب پڑھ چکے ہم سے یہ گستاخانہ کلمات سُنے نہیں جاتے، اگر اجازت ہو تو اب میں جنت میں جا کر آپ کے نانا کے ساتھ نماز پڑھوں گا، ہائے یہ نمازِ ظہر تھی حبیب سے چاہنے والے موجود تھے، مسلم ابن عوسجہ نے اپنی سپر کا سایہ کیا، امام نے نماز تمام کی کئی جاں نثار حالت قیام قعود میں تلواروں کے وار سے تیروں سے شہید ہوئے مگر نمازِ عصر کے وقت امام تنہا تھے۔

نہ لشکرے نہ سپاہے نہ کثرتِ التا سے

نہ قاسے نہ علی اکبرے نہ عباسے

ہائے وہ نمازی اس وقت کہاں تھے جو حسینؑ پر اپنی جان فدا کرنا عبادت سمجھتے تھے، اب مومنین اپنے مولا و آقا کی نمازِ عصر کا حال بھی سن لیں اور پھر اس مظلوم امام کی شانِ عبادت پر دل کھول کر گریہ و زاری کریں، خدا آپ سبھوں کو بجز اس غم کے کسی غم میں محروم نہ کرے۔ سینے کہ آپ کے امام نے یہ آخری عبادت کس شان سے ادا کی ہائے کیونکر عرض کروں کہ امام شوقِ عبادت میں پشتِ ذوالجناح سے فرشِ زمین پر کیونکر تشریف لائے کیونکر سنا جائے گا۔

بیکسی میں شاہ کا شوقِ عبادت دیکھئے      چھاؤں میں تلواروں کی ذوقِ اطاعت دیکھئے  
جز خدا کچھ بھی نہیں دل میں ریاضت دیکھئے      آئیے زخمی نمازی کی بھی نیت دیکھئے

گو کہ صدے ہیں ہزاروں پر نہیں دل میں ملال

وقتِ طاعت صرف ہے اللہ کا شہ کو خیال

گو کہ لاکھوں داغ ہیں حضرت کے قلب زار پر      گو کہ تلواروں سے زخمی ہو گئے ہیں سر بسر

پھر بھی قبلہ کی طرف منہ کر کے شاہِ بحر و بر آہ پڑھتے ہیں نمازِ عصر بے خوف و خطر  
 آؤ شانِ طاعتِ شاہِ حجازی دیکھ لو  
 ایسے بھی ہوتے ہیں دنیا میں نمازی دیکھ لو  
 شکر کا سجدہ کیا جس دم شہِ دلگیر نے حلق پر تلوار رکھ دی ظالم بے پیر نے  
 سر جھکایا کہہ کے بسم اللہ یاں شبیر نے واحسینا کی صدا دی اس طرف ہمیشہ نے  
 حمید بن مسلم کہتا ہے ”میں نے دیکھا اس وقت جنابِ زینب بنت علیؓ درخیمہ پر  
 موجود تھیں اور عمر بن سعد سے کہہ رہی تھیں کہ اے پسرِ سعد تو دیکھ رہا ہے اور میرا  
 بھائی، میرا مانجا یا قتل کیا جا رہا ہے۔

اور اُدھر ذوالجناح اپنے زخمی سوار کی نصرت میں امامِ مظلوم کا طواف کر رہا تھا۔  
 رہوار نے دیکھا جو یہ حالِ شہِ ابرار یعنی کہ تڑپتا ہے لہو میں میرا اسوار  
 خاک اپنے سوسوں سے وہ اڑانے لگا ایک بار زخموں کو کبھی سونگھتا تھا با دلِ ناچار  
 رکھ دیتا تھا منھ گہہ قدمِ سرور دیں پر  
 چلا کے کبھی سر کو پکلتا تھا زمیں پر  
 غش سے جو ذرا ہوش میں آئے شہِ ابرار دیکھا کہ عجب درد سے روتا ہے وہ راہوار  
 گردن کو پھرا کر کہا اے اسپِ وفادار لے تجھ سے بس اب ہوتا ہے رخصت ترا اسوار  
 اب تیغ لئے سینے پہ بے پیر چڑھے گا  
 اب کٹ کے سناں پر سرِ شبیر چڑھے گا  
 جاڈیوڑھی پہ زینب کہیں نکلے نہ کھلے سر جا اہلِ حرم کو میرے ماتم کی خبر کر  
 زینب سے یہ کہہ دینا کہ اے دخترِ حیدر قربان ہوا راہِ الہی میں برادر  
 ہشیار رہو لشکر کیس آتا ہے زینب  
 گھر لوٹنے کو شمر لعین آتا ہے زینب



سجاد سے کہہ دیجیو سب گھر سے خبردار وارث ہو تمہیں آلِ پیسیر سے خبردار  
کلوٹم سے اور زینبؓ مضطر سے خبردار آتش سے جلے خیمہ تو سب گھر سے خبردار

ماتم میں دلاسا اُسے تم دیجیو بیٹا  
اور سینے سے صغرا کو لگا دیجیو بیٹا

فرماتے تھے گھوڑے سے ابھی سید ابرار رونے کی صدا کانوں میں یہ آگئی اک بار  
چلاتی ہیں زینبؓ کہیں اے شمر خبردار بھائی پہ مرے پھیر نہ خنجر کا ابھی وار

بالیس پہ بہن بھائی کے آلے تو ذبح کر  
پیاسے کو تھوڑا پانی پلا لے تو ذبح کر

اے شمر واسطہ تجھے روح رسولؐ کا اپنے رسولؐ زادی کی یہ سن لے التجا  
ہاتھوں کو تجھ سے جوڑ کے کہتی ہوں رحم کھا لگ جاؤں میں گلے سے جو ہٹ جائے تو ذرا

چادر بدن کے نیچے بچھالوں تو ذبح کر  
سید کو قبلہ رو میں لٹالوں تو ذبح کر

اُن کی سیکٹہ کو میں بلالوں تو ذبح کر بیٹی کو باپ سے میں ملالوں تو ذبح کر  
عابد کے غش کا حال سنالوں تو ذبح کر اک بار میں گلے سے لگالوں تو ذبح کر

خنجر اٹھا لے حلقِ شہِ مشرقین سے  
اے شمر میں وداع تو ہولوں حسینؑ سے

کچھ درد اپنے دل کا سنالوں تو ذبح کر روٹھے ہوئے انہی کو منالوں تو ذبح کر  
زخموں سے تن کے ریت چھڑالوں تو ذبح کر پانی ذرا سالاکے پلا لوں تو ذبح کر

پانی تو یاں ملے گا نہ زہرا کی جانی کو  
آنسو چھڑک کے ہوش میں لاؤں گی بھائی کو

ہاں اے حسینیو یہ مصیبت کا وقت ہے سر پیٹنے کا وقت ہے رقت کا وقت ہے

رونے میں فاطمہؑ کی رفاقت کا وقت ہے گرتا ہے عرش حق یہ قیامت کا وقت ہے

حیدر بہت قریب ہیں تھامے ہوئے جگر

زہراؑ کی ہے صدا کہ نہ سید کو ذبح کر

ڈر قہر حق سے دست درازی کو چھوڑ دے صدقہ نبی کا میرے نمازی کو چھوڑ دے

ہٹنے لگا جو ڈر کے وہ مرتد جفا شعار چلایا بڑھ کے یوں پسر سعد نابکار

ڈرتا ہے کیوں یہ سحر ہے اے مرد نامدار جلدی پھر اے شے کے گلے پر چھری کی دھار

اب حشر ہوگا اس جسدِ پاش پاش پر

سرنگے زینبؑ آتی ہے بھائی کی لاش پر

یہ سن کے اس شقی سے بڑھا پھر وہ کینہ جو خنجر رکھا گلے پہ محمدؐ کے روبرو

بولے یہ آنکھیں کھول کے شبیرؑ یک خو اماں تڑپ رہی ہیں زمیں پر کشادہ مو

ثابت ہوا مجھے کہ جل اب قریب ہے

کہہ دے ابھی ہے دور کہ زینبؑ قریب ہے

خنجر ہٹا کے حلق سے ظالم نے یہ کہا سیدانی ایک خیمہ سے نکلی ہے نگے پا

شہ بولے یاں سے سامنا ہے خیمہ گاہ کا لے چل مجھے شیب میں اے بانی جفا

بھائی کے مرتے وقت بہن کا گزر نہ ہو

یوں ذبح کر مجھے کہ کسی کو خبر نہ ہو

یہ کہہ کے خود شیب کی جانب بڑھے امام مڑ مڑ کے دیکھتے تھے مگر جانبِ خیام

سجدے میں واں پہنچ کے جھکے پھر شہِ انام فریاد الغیث قیامت کا ہے مقام

خنجر سے ذبح جان و دل فاطمہؑ ہوا

جس جا تھی قتل گاہ وہیں خاتمہ ہوا (مرزا بیہ)



# مجلس یازدہم احسان اور قرآن دفنِ شہدائے کربلا

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي الْقُرْآنِ الْحَمِيدِ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي  
السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاطِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ  
الْمُحْسِنِينَ. (سورہ آل عمران آیت ۱۳۴)

کلامِ الہی ہے یعنی جو کشائش و تنگ دستی میں سلوک کرتے ہیں اور غصے کو روکتے  
ہیں اور درگزر کرتے رہتے ہیں۔ اللہ ایسے ہی احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا  
ہے۔ آیت میں بتدریج چند صفات کا ذکر ہے اور ان صفات کا ماخذ احسان کو قرار دیا  
ہے۔ عقل بھی یہ ہی نتیجہ نکالتی ہے حالتِ تمول میں کسی کے ساتھ سلوک کرنا بھی  
احسان ہے اور تنگ دستی میں ملوک ہونا اور اپنے نفس پر دوسرے کی حاجت کو مقدم  
کر کے انفاق کرنا اس سے بڑھا ہوا احسان ہے اور اپنے جذباتِ نفس کو روک کر اور

غیظ و غضب کو تحمل کر کے کسی کے قصور کو معاف کر دینا یہ سب سے بڑھا ہوا احسان ہے اور ان سب احسانات کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا اُس کا دوست ہو جاتا ہے اور جب خدا دوست ہو گیا تو ہر شے اس کی اس کے لئے حاضر ہے، خدا کی مرضی پر بھی اس کو اختیار ہے اور جنت پر بھی اختیار ہے، پھر کوثر و سلیل اسی کے اختیار میں ہے جس گنہگار کو چاہے بخشوا دے جس کو چاہے جنت دلوا دے۔ اس کا دوست خدا کا دوست اس کا دشمن خدا کا دشمن۔ دنیا میں کون انکار کر سکتا ہے کہ ہمارے آئمہ میں یہ صفات نہ تھے پھر کیوں نہ ان کو شفاعت اور تقسیم جنت و نار کا اختیار کامل حاصل ہو، یہ خدا کے دوست ہو گئے خدا کی ہر شے اُن کی ہو گئی (صلوٰۃ)۔ لفظوں میں منازل بیان طے کرنا ہے طوالت ملحوظ خاطر ہے، دل تو چاہتا ہے ایک ایک معصوم کی ہر صفت بیان کر ڈالوں لیکن نہ میرے دماغ میں اتنی قوت نہ زبان میں اتنا اثر نہ سینے میں اتنا علم اور پھر اُس پر یہ خیال کہ مؤمنین بامتکین اپنے مہمان نواز مہمان، غریب الوطن مسافر، شہنشاہ کربلا کی خدمت گزاری میں ماہِ محرم سے اب تک کافی انہماک لے رہے ہیں جس سے کسی قدر تھکاوٹ اور غنودگی بھی شامل حال ہوتی جا رہی ہے۔ تاہم میرا خیال ہے کہ آپ حضرات اور ہم اپنے آئمہ معصومین کی مدح اگر عالم نزاع میں بھی سنیں گے تو ایک بار ملک الموت کو ہٹا کر آنکھ کھولیں گے اور نعرۂ صلوٰۃ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ ایک ایک صفت کو لیجئے اس کے بعد عقل کا چراغ لے کر ہر گوشۂ عالم میں ڈھونڈیئے یہ صفتیں کس میں ہیں یہ خلعتِ زیبا قدرت نے کس کے لئے قطع فرمایا ہے۔ دنیا میں سخی گزرے۔ سلوک کرنے والے پیدا ہوئے اور ہر قوم میں گزرے ہر زمانے میں تھے۔ حاتم کا نام آج تک زبانوں پر ہے۔ مگر قرآن نے جس اتفاق کا ذکر کیا ہے حاتم کی کس سخاوت پر صادق آتا ہے؟۔

حاتم کے بعد زمانہ گزر گیا کوئی سخی جو اپنے ایک ہی دروازے پر سائل کو اتنا



دے دیتا تھا کہ حاتم کے چالیس دروازوں پر اُس کو میسر نہ ہوا۔ پھر عالمِ عسرت کی سخاوت۔ (معاذ اللہ)، دنیا میں کون اُس سخی کا ہم پلہ ہو سکتا ہے جو گرسنگی میں اپنی جو کی روٹی سائل کو دے دے اور یہ روٹیاں ایسی مقبول ہو جائیں کہ قرآن اس کا قصیدہ پڑھنے لگے۔ وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا۔ (سورہ دہر آیت ۸)

اُن جو کی روٹیوں میں کون سی ایسی صفت تھی کہ خدا کو پسند آگئیں اور قرآن میں اُس کا ذکر کیا؟۔

بظاہر بہت امیرانہ سخاوت نہ تھی۔ مگر عالمِ عسرت کی سخاوت اور اپنے نفس پر مقدم کرنے کی فضیلت بس اسی نے نانِ شعیر کو دنیا کی ساری نعمتوں پر فوقیت دے دی ورنہ اُسی سخی کی سخاوت کی اگر قرآن میں تفصیل شروع کر دی جاتی تو اتنا ہی بڑا ایک اور قرآن اُس کو نازل کرنا پڑتا۔ (بڑا تفضل ہے اُس کا جو اس نے اختصار سے کام لیا ورنہ حفاظ کی مردم شماری میں کمی واقع ہوتی)۔ ان صفات میں ہر صاحبِ شعور علیٰ ہی کو منتخب کرے گا اور پھر اس کے بعد اگر کوئی ملے گا بھی تو اسی گھرانے میں ملے گا۔ کیونکہ اس گھر کا ہر فرد بشر علیٰ اور اس خاندان کا ہر بچہ محمدؐ ہے فرمانِ ارشادِ رسولِ معاذ اللہ غلط نہیں ہو سکتا کہ اَوَّلْنَا مُحَمَّدٍ وَاوَسَطْنَا مُحَمَّدٍ وَاٰخِرْنَا مُحَمَّدٍ وَاٰخِرْنَا مُحَمَّدٍ وَاٰخِرْنَا مُحَمَّدٍ قسم بخدا یہ سب کے سب محمدؐ ہیں۔ آیت میں تَحُلْ، غیظ، ضبط اور غضب کا درجہ نمایاں طور پر ذکر ہوا ہے۔ لیکن جمع کا صیغہ بتلاتا ہے کہ اس صفت سے چند ذاتیں مراد ہیں۔ وَالْكَاطِمِينَ الْغَيْظَ۔ لہذا مثال کے لئے چند ذاتیں پیش کرتی ہوں۔ سب سے پہلے اُس ذات کو لیجئے جس پر قرآن نازل ہوا۔ کون مسلمان رسولِ خدا کے اقتدارِ باطنی اور تصرفاتِ روحانی سے انکار کر سکتا ہے۔ لیکن باوجود ان اختیارات کے تَحُلْ کا یہ عالم تھا کہ سر مبارک پر کوڑا پھینکا جاتا

تھا۔ پتھر برسائے جاتے تھے مگر کبھی لب تک نہ ہلائے ورنہ عالم زیر و زبر ہو جاتا۔ عقبہ ابن ابی معیط نے چادر پیچ دے کر گلوئے مبارک میں ڈال دی اور اس قدر فشار دیا کہ قریب تھاروح مبارک مفارقت کر جائے۔ مگر حضرت نے ضبط و تحمل سے کام لیا ورنہ عقبہ کی کیا حقیقت ہے ایک بد دعا میں صفحہ ہستی سے قریش نابود ہو جاتے یہ کاظمین الغیظ کی پہلی مثال تھی۔ دوسری مثال سناؤں وصی رسولؐ نے بھی اسی کی پیروی کی اور باوجود قوت خیر شکنی گلے میں رسی بندھوائی جذبات غضب کو روکے ہوئے سر جھکائے چلے گئے ورنہ مرحب و عستر اور عمر ابن عبدود سے زیادہ قوی ہیکل کوئی مقابلہ میں نہ تھا وہی لوگ آپ کے ضبط و صبر کا امتحان لے رہے تھے جو عمر ابن عبدود کے مقابل میں سر نہ اٹھا سکے لیکن والکاظمین الغیظ کے جوہر علیؑ کو دکھانا تھے۔ ذوالفقار کو حرکت نہ دی۔ اگر اس وقت اپنے نفس کو مغلوب نہ کرتے تو آج غالب گل غالب کے خطاب سے نہ یاد کئے جاتے یہاں یہ خطاب لینا تھا۔ وہاں اس کے اہل تھے کہ قدسی پکاراٹھے۔

شاہ مرداں شیر یزداں قوت پروردگار لافنی الاعلیٰ لاسیف الا ذوالفقار  
تیسری مثال بھی سن لیجئے۔ والکاظمین الغیظ کی اور اسی پر مجلس ختم۔ عہد مختار میں قاتلان حسینؑ کو اپنے جان کے خوف سے امان ملنی دشوار تھی اور حصین ابن نمیر بڑا دشمن دین اُس وقت سزائے دنیا سے محفوظ رہا۔ خدا کو اپنے بندہ خاص امام زین العابدینؑ کا ایثار نفس اور شان کرم دکھانا منظور تھا۔ یہ حقائق ایمان اور رموز اعجاز قدرت کہ ایک طرف ظالم کی بظاہر حفاظت کرا دی دوسری طرف امام کو خبر کر دی کہ اے سید سجاد تمہارے باپ کا دشمن بھوکا پیاسا معہ لشکر آ رہا ہے تم جا کر اپنا خاندانی جوہر دکھا دو امام آب و دانہ لے کر پہنچ گئے اور دشمن کے عناد کو دل سے نکال کر کرم کا زیر بار کر دیا اور پھر اتنے بڑے معاوضے پر آمادہ ہو گیا کہ شام کا تخت سلطنت پیش



کر دیا۔ ادھر امام نے قناعت کی شان دکھلا دی کہ ہم فقیری میں بادشاہ سے زیادہ تو نگر ہیں (صلوٰۃ)۔ خدا کو اپنے کلام کی تصدیق منظور تھی کہ دنیا ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہے۔ گویا قرآن میں لفظیں ہیں اور یہ مجسم تفسیر کہیں آیت میں صبر کا جلوہ کہیں عبادت کا نمونہ کہیں سخاوت سے کرم یہ تمام محاسن آپ کو ایک ذات میں نظر آئیں گے یا خدا کے بنائے ہوئے ہر محمدؐ کی ذات میں پائیے گا (صلوٰۃ)۔ ایک آیت میں ہے کہ فرشتہ دارِ آخرت میں سلام کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ دارِ آخرت کیا ہے دنیا میں دارِ اہل بیتؑ فرشتوں کی جہہ سائی کے لئے خلق ہوا آپ کو صرف یاد دلانے کی ضرورت ہے یہ اس کے فرزند ہیں شبِ ہجرت فرشتے تہنیت دینے آئے جس کے باپ کی ولادت کے روز ملائک فوج در فوج نازل ہوئے سوائے علیؑ کے کون اُن کا شمار جان سکتا ہے۔ رسولؐ نے اس روز کچھ سمجھ کر علیؑ کو اپنا دربان بنایا کہ فرشتے آئیں تو اسی دروازے سے آئیں جو میں نے قائم کیا ہے جس کے لئے کہہ دیا ہے کہ شہرِ علم کا دروازہ علیؑ ہیں۔

نزولِ ملائک کا مخصوص وقت تھا لہذا جو غیر معصوم آیا اس کو جنابِ امیرؑ نے روک دیا۔ جب حضرت کا دربار عام ہوا اس کو آنے کی اجازت ملی۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہؐ آج علیؑ سے عجیب بات مشاہدے میں آئی جب ہم نے آنا چاہا تو ہم کو روک دیا اور کہا اس وقت ایک لاکھ چوبیس ہزار فرشتے تہنیت دینے کے لئے آئے ہیں تم کو اجازت نہیں ہے۔ حضرت نے تبسم فرمایا اور علیؑ کو بلا کر پوچھا کہ تم نے فرشتوں کی تعداد کیونکر معلوم کی فرمایا اُن کے اختلاف لغات یعنی طرزِ گفتگو کا شمار کیا تو معلوم ہو گیا کہ اس قدر ہیں۔ حضرت نے فرمایا زادک اللہ علمک۔ خدا تیرے علم کو اور زیادہ کرے۔ غرض ایک دو مرتبہ نہیں اس دروازے پر فرشتوں کا ہجوم ہمیشہ رہا۔ لوریاں دینے آئے، خوانِ نعمت لے کر آئے، لباسِ جنان لے کر آئے، چکی

پینے آئے، گہوارہ۔ بنی کرنے آئے اور پھر بہ سلسلہ اب وجد ہمارے امام چہارم سید سجاد کے لئے کعبہ میں میوہ بہشت کا طبق لے کر آئے۔ عاشور کو کربلا میں حالت غشی میں خبر ”قد قتل الحسین بکربلا قد ذبح الحسین بکربلا“ سنانے آئے۔ مدینے کی تاراجی کا وہ عبرت انگیز سانحہ یاد کیجئے کہ مسلم بن عقبہ فوج لے کر آیا اور قتل عام شروع کر دیا گلی کوچوں میں خون کی ندیاں جاری تھیں اس واقعہ میں چھ ہزار مردم و مہاجر و انصار کی اولاد قتل ہوئی مسجد رسولؐ میں گھوڑے باندھے گئے اور وہ بد افعالیاں ظہور میں آئیں کہ خدا کی پناہ ستر بنی ہاشم شہید ہوئے جس میں سادات بنی حسن و علوی تھے۔ جناب عبد اللہ ابن جعفر طیار اسی لڑائی میں قتل ہوئے، جب مسلم بن عقبہ روضہ رسولؐ کی حرمت زائل کر چکا مدینے کو خوب لوٹ چکا امام عالی مقام بیمار کربلا کو طلب کیا۔ عبد اللہ ابن مطیع کو معہ ایک ایک دستہ سواروں کے حضرت کی طلب میں بھیجا اس شقی نے در امامت پر آواز دی اے علیؑ ابن الحسین آؤ کہ تم کو حاکم وقت نے پھر طلب کیا ہے۔ امام کے شیدائو آپ کے کان اس آواز سے آشنا ہوں گے۔ ایک واقعہ کا منظر آپ کے پیش نظر ہوگا مگر معلوم نہیں ابن مطیع کے ساتھ بھی آگ ہے یا نہیں البتہ اس وقت فاطمہ زہراؑ اس گھر میں نہیں۔ مگر بقیع میں بھی چین نہ پڑا ہوگا کیوں کہ یہاں وہ مخدرات عصمت تھیں جو کربلا میں شرر بار آتش زدگی دیکھ چکی تھیں اور پھر یہ بھی نگاہوں میں تھا کہ ہر جانے والا مقتل سے زندہ پلٹ کر نہیں آیا اس وقت امام کی طلب پر سب کا کیا عالم ہوا ہوگا سید الصابرين نے سب کو صبر کی ہدایت فرما کر تبدیل لباس کیا عبائے رسولؐ دوش پر ڈالی دادا کی تلوار حمائل کی اور آج بیمار کربلا ساربان اہل بیت یزید کا قیدی دادا کی شان سے باہر نکلا۔ لوگ ہیبت سے کانپنے لگے۔ میں عرض کروں گی کہ اُس وقت میرا مولا صبر پر مامور نہ تھا مجال نہ تھی کہ کوئی ہتھکڑیاں پہنا دے۔ غرض تحمل و وقار



کے ساتھ حضرت دربار ابن عقبہ میں پہنچے زیر لب کچھ ذکر تھا۔ چہرے پر آثار غضب نمایاں تھے۔ مسلم بن عقبہ یہ شان دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور حضرت کو بہ ادب تمام لے جا کر صدر میں بٹھایا اور عرض کرنے لگا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا میں سوائے اس کے کچھ نہیں چاہتا کہ اب مدینے میں ظلم نہ ہو اور لاشیں دفن کرنے کی اجازت دے دے، مسلم بن عقبہ نے کہا یا حضرت ایسا ہی ہوگا۔ پھر حضرت اٹھے اور دولت سرا کی طرف چلے مسلم بن عقبہ کے مصاحبین نے کہا اے امیر تو نے علی ابن الحسین کو قتل کے لئے بلایا تھا اور ہمیشہ کلمات ناسزا ان کی شان میں کہا کرتا تھا اور آج تو نے اتنی تعظیم و تکریم کی۔ اس نے کہا تم نے نہیں دیکھا جو کچھ میری آنکھوں نے دیکھا جس وقت امام داخل ہوئے ہیں قسم بخدا دیکھا میں نے کہ ان کے ساتھ جناب رسول خدا اور علی مرتضیٰ اور حسن مہربا و سید الشہداء تشریف لائے ہیں بس اس بات نے مجھے مرعوب کر دیا۔ غرض سعید ابن مسیب بیان کرتا ہے کہ حضرت نے دیکھا ایک سوار سبز پوش نقاب چہرے پر ڈالے ہاتھ میں نیزہ لئے حضرت کے دولت سرا کی نگہبانی کر رہا ہے اور جس کی طرف وہ نوک نیزہ سے اشارہ کرتا ہے وہ زمین پر گر کر ہلاک ہو جاتا ہے حضرت اس کو دیکھ کر اہل بیت میں تشریف لائے اور گھر میں از قسم زیور جو کچھ تھا وہ دامن عبا میں لے آئے اور اس سوار کے سامنے پیش کیا اس سوار نے نقاب الٹ کر عرض کیا کہ اے مولا میں تو آپ کا دیرینہ خادم جبرئیل ہوں مجھ کو اس کی حاجت نہیں یہ کہا اور غائب ہو گئے۔

میں عرض کروں گی کہ میرا مولا صبر کی اور الکاظمین الغیظ کی مثال کر بلا سے شام تک پیش کر چکا تھا اس لئے یہاں اب وجد کی شان شجاعت بھی دکھلا دی قسم بخدا میرا چوتھا رہنما وہاں بھی مجبور نہ تھا جبکہ یزید نے قید خانے میں رہائی کا حکم بھیجا اور تنہا بلا بھیجا لکھا ہے کہ

سجاد کو بلوایا دوبارہ جو شقی نے یہ سنتے ہی بیووں کے دھڑکنے لگے سینے  
فرمایا جھٹجے سے یہ تب بنت علی نے میں کیا کہوں جو رخ اٹھائے مرے جی نے  
کیا جائیے اب کیا ستم ایجاد کرے گا  
بلو کے ہمیں کون سی بیداد کرے گا

واری گئی مکار کی باتوں پہ نہ جانا دیکھو میں کہے دیتی ہوں کچھ دے تو نہ کھانا  
گر تیغ رکھے حلق پہ سر کو نہ اٹھانا بابا کی طرح صبر سے گردن کو کٹانا  
گر لوٹ کا اسباب کہیں پائیو بیٹا  
پہلے سر شاہ شہدا لائیو بیٹا (میر جلیس)

چلے ہیں سید سجاد اسی شان سے دربارِ یزید میں جس طرح کر بلا سے آئے تھے  
راویانِ جگر سوز لکھتے ہیں کہ کسی نے امام کو پہچانا نہیں کہ یہ علی ابن الحسین ہیں رنگ  
مبارک مثل زعفران کے ہو گیا تھا، قدم قدم پر لڑکھڑاتے تھے، دونوں ہاتھوں سے  
زنجر سنبھالے ہوئے قریب تخت یزید پلید بیٹھ گئے یزید نے چاہا کہ امام مسند پر  
میرے پاس تشریف رکھیں لیکن سوگ نشین امام نے فرمایا اے یزید تو نہیں دیکھتا جو  
میں دیکھتا ہوں میرے ہمراہ بچپن پاک میرے طوق و زنجیر کو سنبھالے ہوئے آئے  
ہیں۔ زہرا تو بیٹے کے غم میں چاک گریبان ہے میں مسند پر کیوں کر بیٹھوں، یزید  
نے کہا اے فرزندِ حسین تمہارے ساتھ خواہرِ حسین کیوں نہ آئی حالانکہ میں نے سب  
کو رہائی دلوائی، ہائے میرے صابر امام نے عجیب کلمہ یاس فرمایا کہ اے یزید ایک  
مرتبہ تو اہل حرم کو سب کھلے سر دیکھ چکے اب کوئی ذلت باقی ہے جو مختارِ عصمت  
کو دربار میں بلاتا ہے البتہ میرے باپ کا سر مجھے دے دے کہ میں جا کر سر کو تن  
اطہر سے ملحق کر کے دفن کروں بے حیا نے کہا میں زینب کو سر دربار بلا کر دیت خون  
حسین دوں گا۔ اس وقت بھی بیمار کر بلا کو غیظ نہیں آیا سر کو جھکا لیا فرمایا جو مرضی خدا



ہو بندہ کو چارہ بجز صبر نہیں، آئے اہل حرم، یزید نے کہا انے بنت علی حسین کا خون  
 بہا مجھ سے جس قدر چاہو زور لے لو عزادارو میری خُزادی (صاحب زادی) عالم کی  
 شہزادی نے کیا جواب دیا فرمایا اے یزید اس خون کی دیت لینے والی میں کون ہوں  
 اس کے حق دار رسول خدا ہیں یا شیر خدا یا حسنؑ سبز قبا یا میری مادر گرامی سیدہ عالم اور  
 یا وہ خالق انس و جان ہے جسے حسینؑ کی اذیت بھی ناگوار تھی الغرض چلے اہل بیت  
 کر بلا کی جانب دیکھنے والوں نے دیکھا کہ سید سجاد اہل حرم کو لئے ہوئے وارد  
 میدان کر بلا ہوئے اور تن تہا بہتر کے لاشوں کو اٹھانے کا سامان کیا لیکن یہاں بھی  
 دیرینہ خادم حضرت کے غم و الم میں شریک ہوا۔

شام سے آج عابد بیمار لئے ساتھ آئے عترت اطہار  
 آگے آگے ہیں جبریل امیں اُن کے پیچھے ملائکہ غمگین  
 سر شہ آج تن سے ملتا ہے  
 عرش خالق دوبارہ ہلتا ہے

ہمیشہ گلشن عالم کا ایک حال نہیں یہ وہ چمن ہے کہ جس میں کوئی نہال نہیں  
 ہے کون سبزہ روش جو کہ پائمال نہیں وہ کون ہے جسے دنیا میں کچھ ملال نہیں  
 ہمیشہ رنگ زمانہ یونہی بدلتا ہے  
 کہیں برات ، جنازہ کہیں نکلتا ہے

خوشی خوشی کوئی جملہ میں بن رہی ہے دلہن کوئی ہے لاش پہ شوہر کے اپنے نعرہ زن  
 کسی کے جامہ نو ہو رہا ہے زیب بدن کہیں کسی کے لئے قطع ہو رہا ہے کفن  
 کسی کو بیاہ سے اپنے فراغ ہوتا ہے  
 کسی غریب کا گھر بے چراغ ہوتا ہے  
 کسی کو عیش کے سامان ہیں بہم یکسر پڑا کراہتا ہے کوئی اپنے بستر پر

پرائے دیس میں ویراں کسی کا ہوتا ہے گھر کوئی ہے شاد کوئی پیتا ہے اپنا سر  
 کہیں ہے بیاہ رچا جمع سب خدائی ہے  
 کسی کے گھر میں سنائی کہیں سے آئی ہے  
 لکھا ہے چھوٹ کے یثرب میں جب حرم آئے سروں کو پیٹتے باصد و غم و الم آئے  
 پیا تھا غل حرم سید ام آئے بیان کرتے تھے سجاد رو کے ہم آئے  
 تمام کنبہ کو قتل میں کھو کے آئے ہیں  
 بجائے تحفہ بہتر کے داغ لائے ہیں  
 چلے مکان کو روتے امام جن و بشر تمام قافلہ تھا ساتھ ساتھ نوحہ گر  
 و فور غم ہوا دیکھا جو خانہ سرور اداسی چھائی ہے خاک اڑ رہی ہے ڈیوڑھی پر  
 یہ غیر حال ہوا غم سے جان کھونے لگے  
 امام دیکھ کے سنسان گھر کو رونے لگے  
 غرضکہ ناتوں سے اپنے اتر چکے جو حرم بچھائی بی بیوں نے گھر میں تب صف ماتم  
 کہا یہ فاطمہ صغرا نے کیوں نہ ہو مجھے غم ملی نہ آ کے سیکینہ بھی مجھ سے ہائے ستم  
 پکاری بانو وہ جی سے گزر گئی صغرا  
 سیکینہ شام کے زنداں میں مر گئی صغرا  
 سوائے گریہ نہ تھا غزدوں کو کوئی کام اسی طرح بسر ہوتی تھی صبح سے تا شام  
 کبھی تو یاد میں اکبر کے تھا پیا کہرام کبھی یہ نوحہ کہ ہے ہوئے شہید امام  
 کبھی غم علی اصغر میں جان کھوتے تھے  
 کبھی مصیبت ابن حسن پہ روتے تھے  
 خصوص حضرت زینب کی تھی عجب حالت کبھی نہ پینے رونے سے ہوتی تھی فرصت  
 کسی سے ملتی نہ تھیں آپ غم کی تھی شدت غذا جو ترک ہوئی طاق ہو گئی طاقت



یہی تھا وردِ زباں تم کدھر گئے بھائی  
 میں زندہ رہ گئی اور ہائے مر گئے بھائی  
 غرض ہوئے اسی صورت سے چند روز بسر گئیں نہ آپ کبھی بھول کر بھی اپنے گھر  
 یہاں تک کہ علیل آپ کے ہوئے شوہر اُسی طرح رہیں مشغولِ گریہ شام و سحر  
 غمِ حسینؑ میں منہ آنسوؤں سے دھوتی تھیں  
 اور ایک حجرہ خالی میں بیٹھی روتی تھیں  
 لکھا ہے شوہرِ زینبؑ کمال گھبرائے حضور حضرت سجادؑ نامور آئے  
 زبان پر یہ شکایت کے کلمے وہ لائے نثار آپ پہ میں اے حسینؑ کے جائے  
 پھوپھی نے آپ کی چھوڑا مری رفاقت کو  
 ہوا علیل نہ آئیں مری عیادت کو  
 گیا جو گھر میں وہ دلہند سید اکرم یہ دیکھا بھائی کو روتی ہیں زینبؑ پر غم  
 کہا پھوپھی سے یہ سجادؑ نے بچشمِ نم تمام عمر اگر رویئے بھی تو ہے کم  
 یہ ڈر ہے آپ نہ جی سے کہیں گزر جائیں  
 خدا خواستہ فرطِ قلق سے مرجائیں  
 اٹھا کے سر کو لگی کہنے دخترِ حیدرؑ میں چھوٹ جاؤں اس آفت سے موت آئے اگر  
 تمہیں بتاؤ کہ دل کو قرار ہو کیونکر گئے جہان سے اٹھارہ سال کے اکبرؑ  
 ہو صاف اماں کا سب گھر کا گھر نہ روؤں میں  
 کئے حسینؑ کا خنجر سے سر نہ روؤں میں  
 کہا یہ عابدِ مضطر نے سب درست و بجا مگر اطاعت شوہر بھی فرض ہے بخدا  
 ثواب ہے جو اطاعت میں وہ نہیں ہے چھپا پھوپھا علیل ہیں آپ ان کو دیکھ آئیں ذرا  
 کچھ آپ عذر و ملال و تعب نہ فرمائیں

رہ ثواب میں تاخیر اب نہ فرمائیں  
 چلیں مکان کو القصہ بنت شیر الہ ہونیں جو داخل دولت سرا بہ نالہ وآہ  
 مکان خالی تھا موجود تھے نہ عبداللہ وہ گھر جو دیکھا ہوا دل پہ صدمہ جاں کاہ  
 وفور رنج ہوا غم سے جان کھونے لگیں  
 لپٹ کے ہر در و دیوار سے وہ رونے لگیں  
 جب اپنے لاڈلوں کی خواب گاہ آئی نظر گریں زمین پہ غش کھا کے خواہر سرور  
 جب ہوش آیا تو چلائیں پیٹ پیٹ کے سر کہاں ہو عون و محمد دکھاؤ شکل آکر  
 پھر اجڑے گھر میں یہ تقدیر مجھ کو لائی ہے  
 گلے سے لپٹو تم آکر کہ مادر آئی ہے  
 وہ ننھی ننھی سی تلواریں باندھ کر آؤ لو چھوٹے ماموں سے چورنگ سیکھنے جاؤ  
 میں رورہی ہوں گلے سے لگا کے سمجھاؤ تمہارے باپ سے میں کیا کہوں یہ بتلاؤ  
 وہ تم کو پوچھیں گے گڑ جاؤں گی میں غیرت سے  
 خدا کے واسطے آکر بچاؤ ذلت سے  
 یہ بین کرتی تھی اور روتی تھی وہ سینہ فگار زمیں لرزنے سے ظاہر تھے حشر کے آثار  
 کہ آئے شوہر نہ نب وہاں بحالت زار مزاج پوچھانہ کی بات ان سے کچھ زہار  
 سہمے تھے صدمے پہ صدمے جو بنت حیدر نے  
 یہ حال تھا کہ نہ پہچانا ان کے شوہر نے  
 زبان حال سے گویا ہوئے یہ عبداللہ ضیفہ کون ہے تو کر ذرا مجھے آگاہ  
 سبب ہے کیا کہ جو کرتی ہے نالہ جائگاہ نہ کر تو بد شگنی میرے گھر سے جائلہ  
 جو بتلائے مصیبت ہے کچھ نہ پروا کر  
 امام عصر ہیں سجاد اُن سے کہہ جا کر



یہ بات سن کے لگی رونے دختر زہراً ہزار چاہا کسی طرح ضبط ہو نہ سکا  
 پکاری سینہ دسر پیٹ کے یہ وہ دکھیا زمانہ پھر گیا صاحب نہیں ہے تم سے گلا  
 یہ بچ ہے رہنے کے قابل میں یاں بھلا کب ہوں  
 تمام کنبہ کو جو روئی وہ میں زینب ہوں

وہ پھر تصور شبیر میں یہ چلائی کہ تنگ جینے سے ہے اب بتول کی جانی  
 رہی میں رونے کو حتیٰ نہ مجھ کو موت آئی تمہارے غم نے یہ صورت بنائی ہے بھائی  
 کہ لوگ بنت علی جانتے نہیں مجھ کو  
 جو روشناس ہیں پہچانتے نہیں مجھ کو

صدایہ سنتے ہی گھبرا گئے وہ نیک خصال پکارے بنت علی کیا ہوا تمہارا حال  
 ہوئی شناخت بھی مشکل بہ فرط رنج و ملال دیا جواب کہ شرمندگی ہے مجھ کو کمال  
 تمہارے سینے کو داغوں سے بھر دیا میں نے  
 نثار بھائی پہ بیٹوں کو کر دیا میں نے

اب آنکھیں چار کر کے کس طرح سے یہ دلیگر جو چاہیں آپ سزا دیں ہوں قابلِ تعزیر  
 حسینؑ مر گئے اب میری کیا رہی توقیر کہ شہر شہر میں بنت علی ہوئی تشہیر  
 یہ منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا میرا  
 بس اتنا ہے کہ بلوے میں سر کھلا میرا

میں کیا کہوں کہ جو گزرے ستم میرے آگے ہوا رسول کا ٹھنڈا علم میرے آگے  
 نکل گیا علی اکبرؑ کا دم میرے آگے ہوا حسینؑ کا بھی سر قلم میرے آگے  
 لٹا کے آئی ہوں میں کر بلا میں سب گھر کو

غرض کہ روئی ہوں اک دن میں میں بہتر کو (کوثر جانشی)

## مجلس دوازدهم ۱۲

### صابرین پر سلام

#### مصائب دربارِ شام

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي الْقُرْآنِ الْحَمِيدِ وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ  
وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَذَرُوا  
وَنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةِ أُولَئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنَّتٌ عَدْنٌ يَدْخُلُونَهَا  
وَمَن صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ  
مِّن كُلِّ بَابٍ ۝ سَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝

(سورہ الرعد آیت ۲۲، ۲۳، ۲۴)

اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی رضا مندی حاصل کرنے کے لئے صبر کیا  
اور نماز پڑھی اور جو کچھ ہم نے دیا تھا اس میں سے چھپا کر اور ظاہر بظاہر راہ خدا  
میں خرچ کیا اور بدی کا بدلہ نیکی سے کرتے رہے۔ عاقبت میں ایسے لوگوں کے لئے



گھر ہیں اور باغات جس میں وہ خود ہمیشہ رہیں گے اور ان کے صالح و نیک آباؤ اجداد ازواج اور ان کی نیک اولادیں ان کے ساتھ ہوں گی اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس آکر سلام بجالائیں گے اور عرض کریں گے کہ یہ اس کا عوض ہے جو تم نے دنیا میں صبر کیا دیکھو تمہارا کیا اچھا انجام ہوا۔

مصدر قدرت نے ان آیات کو چند مخصوص صفات کا مرقع قرار دیا ہے جس میں صبر کے جوہر بھی ہیں۔ عبادت کا خُسن بھی۔ بدی کے عوض میں نیکیوں کا وصف بھی ظاہر و پنہاں سخاوت کی خوبیاں بھی ہیں۔

ظاہر میں دارِ آخرت کی طرف اشارہ ہے مگر دنیا میں بھی کوئی گھر نظر آئے گا جس میں ایسے کامل افراد ملیں گے جن کے خدوخال اس سے ملتے جلتے نظر آتے ہیں جامع صفات ہونا بہت مشکل ہے مگر قرآن نے جن نورانی شکلوں کا عکس اس آئینہ میں دکھلایا ہے ایسی کامل ذاتیں ہیں کہ تمام صفات ہر ایک ذات میں جمع ہو کر آیت کا مجسمہ نظر آگیا۔

صبر میں کیوں ایوبؑ کو تلاش کیجئے۔ عبادت میں کیوں ذکرِ یا کی جستجو کیجئے، سخاوت دیکھنے کے لیے کیوں حاتم طائیؑ کے دروازے پر جائیے، دنیا میں خدا نے ایک گھر ایسا بنا دیا ہے کہ اس گھر کا ہر فرد بشر صبر میں فخرِ ایوبؑ۔ عبادت میں فخرِ ذکرِ یا۔ سخاوت میں حاتم طائیؑ سے کہیں زیادہ۔ بلکہ یوں سمجھیے کہ ان کی ایک صفت اور عالم کی تمام صفتیں اگر میزانِ عدل میں تولی جائیں تو اہل بیتؑ کے ہر فرد کا پلہ بھاری نکلے گا (صلوٰۃ) ہے کوئی علیؑ جیسا صابر جس نے باوجود قوتِ خیر شکنی مصالِح دین کو مقدم کر کے وقارِ دنیا کو ٹھوکر ماردی اور خاموش ہو کر گھر میں بیٹھ رہے۔

اگر ظاہر و باطن سخاوت آزمانا ہو تو قرآن تصدیق کرے گا۔ یعنی وہ لوگ جو راہِ خدا میں اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں رات میں اور دن میں۔ پوشیدہ اور ظاہر

بظاہر۔ مفسر قرآن عبداللہ ابن عباس سے پوچھے قرآن کس کی منقبت خوانی کر رہا ہے۔ اگر بدی کے عوض میں احسان دیکھنا ہے تو ابن کجیم سے پوچھئے کہ ضربت لگانے کے بعد تیرے ساتھ تیرے مقتول نے کیا برتاؤ کیا۔ مصور قدرت نے انھیں اخلاقی تصویروں سے دائر دنیا کو آراستہ کیا۔ اور آخرت کا مرقع دنیا میں دکھلا دیا۔ انھیں کے قدم کی برکت تھی کہ بہتے ہوئے پانی پر خاک کی کشش قائم ہوگئی۔ انھیں کے خدوخال کے پرتو سے چمن ہستی آراستہ ہوا۔ انھیں کے گھر کا فیض ہے کہ دنیا آباد ہوئی۔ یہ دنیا بسانے کے لیے آئے مگر خود دنیا میں گھر نہیں بنایا۔ تاریخیں بتلاتی ہیں کہ علیؑ نے کبھی اپنے لئے اینٹ یہ اینٹ نہیں رکھی۔

جناب رسول خداؐ کے اس قول پر عمل تھا کہ دنیا میں گھر وہ بنائے جس کے پاس آخرت میں گھر نہ ہو۔ پھر خدا ان کے واسطے کیوں نہ جنت میں یا قوت و زبرد کے تصور بنا کر آراستہ کر دے اور قرآن ان مکانوں کا نقشہ دنیا کے سامنے پیش کرے۔ اُولَئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ جَنَّتٌ عَدْنٌ يَدْخُلُونَهَا۔ (سورہ رد آیت ۲۲)

ایسے صفات رکھنے والوں کے لئے جنت میں گھر کیا۔ جنت انھیں کی، کوثر انھیں کا۔ جس کو چاہیں قصر جنت عطا کریں۔ خدا نے پہلے ہی وعدہ کیا تھا وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا۔ (سورہ دہر آیت ۱۲)

دنیا کا باغ چھین لینے والوں کے ظلم پر صبر کیا آخرت میں جنت پا گئے، لباس دنیا کو ترک کیا، بوسیدہ عبا میں زندگی بسر کر دی، آخرت میں لباس حریر کے مستحق ہوئے (صلوٰۃ) یا یہ عرض کروں خدا نے چند بے مقنع ورد اسیران مصیبت کی تسکین کے لئے قرآن میں پہلے سے ذکر فرما دیا کہ دنیا والے تمہارے سر سے چادر اتار لے جائیں ہم جنت میں تم کو لباس حریر دیں گے، مومنین یہ تو عام عطا ہے کہ ہر صبر کرنے والے کو جنت میں گھر دیا جائے گا اور فرشتے اس کے ہر دروازے سے



۱۔ (ملاحظہ) یہ ہے جو میں نے چلی میں دیکھا ہے اس کے آگے آتے اب وہ  
 وہاں وہاں، چمڑا کر کے رکھ دیا وہاں وہاں میں تھیں وہاں وہاں  
 یہ ہے جو کہ آگے آتے اب وہاں وہاں، چمڑا کر کے رکھ دیا وہاں وہاں  
 ۲۔ (ملاحظہ) یہ ہے جو کہ آگے آتے اب وہاں وہاں، چمڑا کر کے رکھ دیا وہاں وہاں

وہ سو اعلیٰ درجہ کی شخصیات تھیں جنہیں ان کے اپنے اپنے فن میں بہت سی کامیابیوں کا شوق تھا۔ ان کے اپنے اپنے فن میں بہت سی کامیابیوں کا شوق تھا۔ ان کے اپنے اپنے فن میں بہت سی کامیابیوں کا شوق تھا۔

۱- اہم اوصاف و کمالات جو کہ ہر ایک انسان میں ہونی چاہئے اور جو اس کی ترقی و ترقی کے لئے ضروری ہیں۔

۱۔ جہاد کا مفہوم: جہاد کا مفہوم ہے کہ اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی کرنا۔

بار کرنے کے نشانات پائے گئے۔

دشمن کے ساتھ حسن سلوک میں اپنے دادا کی زندہ مثال تھے۔ عہد امامت میں اسی انداز سے خانہ نشین ہیں جس طرح دادا کو پچیس سال گزر گئے۔ ہر طرف سے ظلم کی گھٹائیں ہیں، فسق فجور کا سیلاب مگر مہر امامت سکوت کی حالت میں اپنا فیض پہنچا رہا ہے۔ معاذ اللہ یزید کا زمانہ سلطنت کربلا کی خونریزی سے آسودہ نہ ہوا پھر مدینہ کو اپنے ستم و جور کا بازی گاہ بنایا۔ یہاں بھی امن و امان مفقود ہو گیا روز فوج کشی اور قتل عام۔ دوسری طرف مکہ میں عبداللہ ابن زبیر کی جابرانہ حکومت بازار ظلم و ستم گرم ہے ۶۴ھ چونسٹھ ہجری میں آخر یزید نے ایک فوج آراستہ کر کے مسلم بن عقبہ کی سرداری میں مدینہ بھیجی۔ یہ خود علیل ہو گیا اس نے اپنی طرف سے حصین کو امارت لشکر دے کر مکہ کی طرف روانہ کیا اور ہدایت کردی کہ خانہ کعبہ کی حرمت کا کچھ خیال نہ کرنا حکم خلیفہ وقت کے مقابل میں ایک گھر کی کیا وقعت جو اینٹ اور چونے سے بنا ہے۔ جاتے ہی مکہ کا محاصرہ کر لینا اور عبداللہ بن زبیر کو گرفتار کر کے امیر شام یزید کے پاس بھیج دینا اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو قتل کر ڈالنا۔ حصین ابن نمیر فوج لے کر روانہ ہوا۔ اور ہر طرف سے مکہ کو گھیر کر خانہ کعبہ پر چاروں جانب سے پتھر برسانا شروع کئے۔ آتش باز روغن کے گولے بنا کر پھینکتے جس سے آثار حرم میں آگ لگ گئی اور ستون حرم جل گئے۔ سقف منہدم ہو گئی غرض فوج یزید کے مظالم سے حرمت خانہ کعبہ خوب برباد ہوئی۔ اور عبداللہ ابن زبیر کی بدولت فوج یزید نے دل کھول کر خانہ محترم کی بے حرمتی کر لی۔ اس واقعہ سے فرزند رسول امام حسینؑ کی روحانی فراست کا اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کو یزیدیوں کی جسارت کا علم تھا کہ اگر میرا صابر امام خانہ کعبہ کو قلعہ اماں بنا کر پناہ لیتا اور صحرائے بے آب و گیاہ میں جا کر موت سے مقابلہ نہ کرتا تو خانہ کعبہ خدا کی بے حرمتی کا الزام (معاذ اللہ)



امام پر عائد ہوتا اور نفسِ امام اس کا ذمہ دار قرار پاتا حضرت کو لوگ ازراہِ محبت بھی روکتے رہے اور سفر سے باز رکھنے کی کوششیں کرتے رہے مگر وہ ان مصالح کو نہیں سمجھتے تھے جن کو فرزندِ رسول علمِ امامت سے سمجھتا تھا۔ بیشک فرزندِ رسولؐ کے لئے مکہ میں یہ سب باتیں پیش آتیں جو عبد اللہ ابنِ زبیر کے واسطے عمل میں آئیں۔ ابنِ زبیر نے خانہ کعبہ کو قلعہ جنگی بنا کر جائے پناہ قرار دیا تھا۔ فرزندِ رسولؐ نے کعبہ کی حرمت کو پھر مقدم سمجھ کر اپنی جان خطرہ میں ڈال دی اور صحرا نوردی اختیار کی یہی شانِ حق و باطل میں تمیز کراتی ہے۔

بہر حال نصف ماہ تک کعبہ کا محاصرہ رہا کہ اسی اثنا میں یزید واصلِ جہنم ہوا۔ اور عبد اللہ ابنِ زبیر کو یہ خبر پہنچ گئی اس کو اطمینان حاصل ہو گیا فوراً مکہ میں یہ خبر مشہور کرادی۔

حصین ابنِ نمیر کو جب یہ خبر پہنچی اور اس کی تصدیق ہو گئی۔ شبِ شب کوچ کا حکم دے دیا کہ ایسا نہ ہو صبح کو اہل مکہ دھاوا کر دیں اس ارادے سے کہ مدینہ ابھی بنی امیہ کے قبضہ میں ہے اور وہاں کچھ فوج موجود ہے، حصین مدینہ روانہ ہوا راہ میں نایابی آب اور قلتِ رسد سے لشکر میں گرسنگی اور تشنگی کی عام شکایت اس حد تک پہنچی کہ مدینہ پہنچنا دشوار ہو گیا۔ تھوڑے فاصلے پر لشکر نے حالتِ اضطرار میں قیام کر دیا۔ آگے بڑھنے کا یار نہ رہا حصین ابنِ نمیر معہ چند سواروں کے شبِ ماہ میں گھوڑوں پر روانہ ہوا کہ کہیں سے پانی تلاش کرے تھوڑی دور گیا تھا کہ ایک شتر سوار کو دیکھا کہ اونٹ پر پانی کی مشکیں اور کچھ سامانِ خورش بار کئے ہوئے اس طرف آرہا ہے حصین نے بڑھ کر سلام کیا اور کہا اے براور عرب تو یہ پانی کی مشکیں اور اگر سامانِ غذا یا کھانا ہو تو ہمارے ہاتھ فروخت کر ڈال کہ ہم بھوک پیاس سے جاں بلب ہیں۔ ناقہ سوار نے جواب دیا یہ فروخت کے لئے نہیں ہے اگر تم کو حاجت ہے تو بلا قیمت

حاضر ہے اب جو اس نے لب و لہجہ سنا چہرے کو شب ماہ میں غور سے دیکھا تو پہچان کر کہا کہ تم علی ابن الحسین ہو؟ فرمایا ہاں میں حسینؑ کی یادگار علیؑ ہوں، حصین نے پوچھا آپ مجھ کو بھی جانتے ہیں کہ میں کون ہوں، فرمایا حصین ابن نمیر اور کربلا میں لشکر ابن زیاد کا تو سردار تھا اور اے حصین میرے برادر ہمشکل پیغمبر کے تو نے ہی نیزہ لگایا تھا۔ یہ فرما کر حضرت ناثہ سے اتر پڑے اور مہار ناثہ حصین کے ہاتھ میں دے دی، حصین گھوڑے سے کود پڑا اور عرض کی فرزند رسولؐ ہاتھ بڑھائیے کہ میں آپ کی بیعت کروں اور پانچ ہزار جوان شمشیر زن میرے ہمراہ ہیں سب آپ کی بیعت کریں گے۔ یزید ہلاک ہوا تخت سلطنت خالی ہے آپ میرے ہمراہ چلیں میں آپ کو تخت شاہی پر بٹھا دوں اور حجاز و عراق و شام یمن و روم و فارس آپ کے زیر نگین ہو جائے گا۔ تم بخدا آپ ایسا مرد کریم اور صاحب خیر و سزاوار خلافت میں دوسرا نہیں پاتا۔ حضرت نے فرمایا مجھ کو اس کی حاجت نہیں میں تو خدا سے عہد کر چکا نہ کسی سے بیعت لوں گا نہ کروں گا یہ فرما کر حضرت نے مہار ناثہ پکڑی اور حصین کے خیمہ کے قریب مشکیں اور بار غذا ڈال کر خود ناثہ پر سوار ہوئے اور مدینہ کی طرف تشریف لے گئے۔ حضرات یہ نفوس ہیں بدی کے بدلہ میں نیکی کرنے والے اس سے بڑھ کر اب کیا مثال ہوگی۔ حصین ابن نمیر وہ دشمن خدا و رسولؐ جس نے ذریت رسولؐ پر کربلا میں سخت ظلم کئے یہ ہی ظلم شعار تھا جس نے یزید کے حکم پر امام کی مختصر فوج پر تیروں کا بینہ برسایا یہی دشمن تھا جس کے نیزہ سے علی اکبرؑ مجروح ہوئے یہی دشمن تھا جس نے ظہر کے وقت ابو ثمامہ کے جواب میں وہ گستاخانہ الفاظ فرزند رسولؐ کی شان میں کہے کہ حبیب ابن مظاہر کو تاب نہ آئی اور گھوڑا بڑھا کر جواب دیا کہ معاذ اللہ فرزند رسولؐ کی نماز قبول نہ ہوگی اور تجھ ایسے خطا کار کی نماز قبول ہوگی۔ باوجودیکہ میرے صابر امام کو ان تمام شقاوت کا علم تھا لیکن بھوک اور



پیارا اس ظالم کی ایک سخی ابن سخی سے دیکھی نہ گئی۔ حالانکہ ان اشقیاء نے وہ ایذا میں امام ابن امام کو دیں کہ اگر یہ مصیبتیں دن پر پڑتیں تو وہ شب تاریک ہو جاتا۔ نفوس پاکیزہ رکھنے والوں کی قدر اہل دل کو ضرور ہونی چاہیے کیوں حضرات ایسا رحیم و کریم امام باپ کے غسل و کفن سے کربلا میں مجبور ہو جائے ہائے بلوائے عام میں ماں بہنوں پھوپھیوں کے سروں سے چادریں چھن جائیں دست مبارک پس گردن سے بندھ جائیں ہائے یتیم بہن کے دُڑ چھنے طمانچے کھائے میرے صابر و شاکر امام نے دیکھا اور صبر کیا ہائے جس امر کے دیکھنے پر حسینؑ سے صابر کو تا مل ہو واہ علی ابن الحسینؑ نے کربلا سے تا شام دیکھا کوفہ کے بازاروں میں سر جھکائے اسی ذلت و خواری سے چلے یہاں تک کہ مسلم کے خون کی بو پا کر سر امام جو نیزہ پر تھارک گیا عزا دارو آپ کو معلوم ہے فوج شریر نے اس وقت کیا کہا شمر ملعون آیا تازیانہ بکف بیمار امام کے قریب اور کہا اے حسینؑ کے فرزند کیا بات ہے سر تمہارے باپ کا یہاں سے آگے نہیں بڑھتا کیا تم لوگوں سے بعد مرنے کی بھی سحر کی طاقت نہیں جاتی ہائے یہ کہہ کر وہ اذیت دی کہ روح رسولؐ بے چین ہو گئی صدائے فاطمہؑ زہراؑ ایک جانب سے آئی کہ اے مظلوم حسینؑ مسلم کا حال دل پوچھ چکو بیٹا تمہارا اذیت سے بے چین ہے۔ بہر حال مصائب کا خاتمہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ کہیں پر ہوا ہی نہیں صاحبانِ عزت سمجھ سکتے ہیں کہ امام کو دربارِ شام میں کن کن مصیبتوں کا سامنا تھا بھرے دربار میں جہاں سات سو کرسی نشین تھے آلِ رسولؐ کا سربرہنہ امام کے ساتھ قید میں آنا نامحرموں میں ایک ایک کا نام لے کر پہنچوانا کیا کم تھا، اس پر اس مصیبت کا اضافہ ہوا کہ مسجد جامع میں بالائے منبر خطیب یزید کو خوش کرنے کے لئے آلِ سفیان کی مدح کے بعد امیر المومنین کی شان میں کلمات نازیبا استعمال کر رہا ہے اور علیؑ کا پوتا قیدی بنا ہوا اپنے کانوں سے سن رہا ہے، جب خطیب حسب دل

خواہ شانِ اہل بیت میں بے ادبی کر چکا اور زیرِ منبر آیا آخر امام سے نہ رہا گیا اور خطیب سے ارشاد ہوا۔

افسوس کا مقام ہے تو نے خالق کی خوشنودی پر مخلوق کی خوشی کو ترجیح دی اور جنہم مول لے لیا۔ پھر یزید سے مخاطب ہو کر فرمایا اے یزید مجھے بھی کچھ کہنے کی اجازت ہے کہ منبر پر کچھ حمد و ثنا اپنے خالق کی بجالاؤں جس سے خدا خوش ہو اور اہل مجلس ماجور ہوں یزید نے کوئی جواب نہ دیا۔ مگر اہل شام کو بنی ہاشم اور آلِ رسول کی فصاحت سننے کا اشتیاق تھا سب نے کہا اے امیر کیا ہرج ہے اس لڑکے کو اجازت دے کہ منبر پر کچھ بیان کرے یزید نے کہا ارے یہ اہل بیت ہیں ان کو اس طرح سے علم بھرایا گیا ہے جس طرح مرغ کو دانہ بھرایا جاتا ہے۔ جب ہر طرف سے اصرار شدید ہوا یزید اجازت دینے پر مجبور ہوا خطیب اقصیٰ کا فرزند منبر پر گیا ہائے میرے امام کو اس بیت سے کون پہچان سکتا تھا کہ یہ امام ہیں سوائے اس کے کہ کوئی غلام ترک سمجھ ہوئے تھا کوئی عبدنا فرمان۔ منبر پر نئی شان خطیب نظر آئی گلے میں طوق پیروں میں بیڑیاں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں سر پر عمامہ ہو یا نہ ہو جب اہل حرم کے سروں سے چادریں چھن گئیں تو امام کے سر پر عمامہ کیوں باقی ہوگا۔ مگر آپ نے اپنا فرضِ امامت کو پورا کرنے کے لئے حمد و نعت کے بعد مجمع کو مخاطب کیا اور فرمایا جو مجھ کو پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا اسے بتلائے دیتا ہوں کہ میں سردارِ مکہ کا فرزند ہوں، یادگارِ منیٰ ہوں، میں وارثِ زمر و صفا ہوں، اور اس کا فرزند ہوں جس نے حجرِ الاسود کو چادر میں اٹھا کر نصب کر دیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کے مرکبِ براق نے آسمان کی بلند یوں کو روند ڈالا، اس کی یادگار ہوں جو قابِ قوسین تک پہنچا، میں اس کا بیٹا ہوں جس کے پایۂ عروج تک جبریل کو رسائی میسر نہ ہوئی، میں رسول کا پارۂ دل خدیجہ کا چشم و چراغ ہوں۔ میں اس کا فرزند



ہوں جو پس گردن سے ذبح کیا گیا، میں اس کا فرزند ہوں جس کو تشنہ لب ترائی سے دور قتل کیا۔ میں اس کا وارث ہوں جس کا لاشہ زمین پر بے غسل و کفن پڑا رہا، میں اس کا بیٹا ہوں جس کا لباس بعد از مرگ لوٹا گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کے غم میں ملائک غمگین ہوئے جنوں نے نوحہ کیا اور طیور نے ہوا پر ماتم کیا، میں اس کا فرزند ہوں جس کا سر نیزہ پر بلند کیا گیا اور اس کے اہل بیت کو اسیر کر کے عراق و کوفہ و شام کی گلیوں میں سر بر ہنہ پھرایا گیا، حضرت کے اس خطبہ سے مسجد میں شور مچا کر یہ بلند تھا اہل بیت کی ذلت کا تماشا دیکھ کر ہنسنے والے چچیں مار کر رو رہے تھے مسجد میں حسینؑ کی مجلس پر پاتھی پہلی مجلس مصائب امام کی امیر شام کے دربار میں ہوئی اور خود امام ابن امام ذکر کرتے۔

یزید نے دیکھا مجلس کا رنگ دگرگوں ہے کہیں ایسا نہ ہو مظلومیت کا اثر غالب ہو کر مجمع کو مجھ سے مخالف کر دے فوراً موزن کو اشارہ کیا اور اس نے گلدستہ پر جا کر اذان شروع کر دی امام صدائے تکبیر سن کر خاموش ہو گئے اور کمال خلوص سے تصدیق کی جب اس نے کہا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ آپ نے فرمایا میرا ہر جزو بدن اس کی گواہی دیتا ہے۔ موزن نے کہا اشہد انّ محمداً رسول اللہ امام کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل آئے یزید سے فرمایا سچ کہنا یہ میرے دادا تھے یا تیرے اگر تو نے اپنے دادا کہا تو بالکل غلط اور اگر رسول خدا کا میرا جد ہونا تجھے تسلیم ہے تو پھر تو نے کیوں ان کی ذریت کو قتل کیا اور عترت کو قید کیا یزید کچھ جواب نہ دے سکا۔ مگر اس کی صحبت میں ایک عالم یہود حاضر تھا وہ متاثر ہو کر پوچھنے لگا یہ کس کا فرزند ہے کس خاندان سے ہے، یزید نے کہا یہ فرزند حسینؑ ابن علیؑ ہے اور ان کی دادی دختر رسول فاطمہ زہراؑ ہیں، عالم یہودی نے کہا سبحان اللہ ایک روز یہ تھا کہ تم نے ان کی رسالت کی گواہی دی اور ایک دن یہ ہے کہ ان کے فرزند کو قتل کیا اور ان کی ذریت

کو قید کیا۔

قسم ہے خدا کی اگر صلب موسیٰ سے کوئی فرزند ہمارے گروہ میں ہوتا تو ہم کو یقین ہے کہ ہماری قوم خدا کے بعد اس کا سجدہ کرتی۔ یزید کو یہ کلمہ حق ناگوار ہوا اس کے قتل کا حکم دے دیا یہودی نے کہا مجھے مرنے سے ڈر نہیں میں نے توریت میں پڑھا ہے کہ جو قوم فرزند نبی کو قتل کرے ملعون ہے اور کبھی نہ بخشی جائے گی۔

---

jabir.abbas@yahoo.com



مجلس سیزدہم

اجر رسالت اور موڈت

شہادت حضرت سیدنا صلوٰۃ اللہ علیہا

قال اللہ تبارک و تعالیٰ فی کتاب المبین وهو اصدق الصادقین  
 قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ. (سورہ شوریٰ آیت ۲۳)  
 رسول کہہ دو ان لوگوں سے میں تم سے اجر رسالت نہیں مانگتا بجز اس کے کہ اپنے  
 اہل قرابت کی موڈت۔ اب سوال یہ ہے کہ اہل قرابت رسول کے تھے کون۔ کس  
 کی موڈت کا سوال تھا۔ اس پر رسول نے ہر طرح روشنی ڈالی ہے۔ مشہور حدیث۔  
 حدیث کساء ہے۔ رسول فاطمہ کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے فرمایا اپنی بیٹی  
 سے کہ اے سیدہ آج میں اپنے بدن میں کچھ ضعف سا پاتا ہوں سیدہ نے فرمایا خدا  
 آپ کو ضعف سے محفوظ رکھے بابا۔ فرمایا اے نور دیدہ وہ کسائے یمنی لا کر مجھے اڑھا  
 دو حسب الحکم سیدہ چادر یمنی لائیں اور رسول کو اڑھا دی دیکھا اُن معظمہ نے کہ

شب ماہ چہارمہ کے مانند چہرہ اقدس رسولؐ کا ضو دے رہا ہے رسولؐ آرام کرنے لگے ابھی کچھ دیر گزری تھی امام حسنؑ تشریف لائے فرمایا اے مادر گرامی آج تو گھر میں ایسی خوشبو آ رہی ہے جیسے کہ ہمارے نانا موجود ہوں سیدہؑ نے فرمایا ہاں میرے نورِ نظر میرے میوہٴ دل تمہارے نانا اس کساء کے نیچے آرام فرماتے ہیں۔ امام حسنؑ نانا کے قریب آئے کہا اَللّٰمَّ عَلَیْکَ یَا جَدَّاهُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَتَاَذُنْ لِّیْ اَنْ اَدْخُلَ مَعَکَ تَحْتَ هٰذَا الْکِسَآءِ اور سلام کیا فرمایا اے نانا اگر اجازت ہو تو میں بھی آپ کے پاس اس کبل میں آ جاؤں۔ حضرت نے فرمایا ہاں تم کو اجازت ہے پس امام حسنؑ داخل کساء ہوئے۔ ارشادِ فاطمہؑ ہے کہ ابھی تھوڑا وقفہ ہوا تھا کہ میرا شہید ہونے والا فرزند حسینؑ آیا اس نے بھی سلام کیا اور وہی سوال کیا میں نے بھی دعا دی اور کہا ہاں میری آنکھوں کے نور تمہارے نانا اور بھائی اس کساء کے نیچے آرام کر رہے ہیں یہ سن کر نورِ عین حسینؑ قریب کساء گئے اور اپنے بھائی کی طرح سلام کیا نانا سے اجازت طلب کی حضرت نے اُن کو بھی کساء میں لے لیا کہ اسی اثنا میں ابوالحسنؑ امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب تشریف لائے اور دخترِ رسولؐ کہہ کر مجھے سلام کیا میں نے جواب سلام دیا فرمایا اے سیدہؑ اس وقت تمہارے یہاں نفیس خوشبو محسوس کرتا ہوں ایسی کہ جیسے میرے ابنِ عم یہاں موجود ہیں میں نے کہا ہاں اے علیؑ۔ میرے بابا معہ تمہارے دونوں فرزندوں کے اس کساء کے نیچے آرام فرماتے ہیں۔ یہ سن کر جناب امیرؑ قریب کساء پہنچے اور بعدِ سلام رسولؐ خدا سے اجازت مانگی کہ آیا میں بھی اس چادر میں داخل ہو سکتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا ہاں اے علیؑ تم بھی آ جاؤ پس علیؑ بھی داخل کساء ہوئے۔ پھر تو جناب سیدہؑ بھی کساء کی طرف متوجہ ہوئیں عرض کیا اے پدر بزرگوار یا رسولؐ اللہ آپ پر میرا سلام ہو کیا مجھے بھی اجازت ہے کہ میں آپ کے پاس کبل میں داخل ہو جاؤں۔ فرمایا ہاں اے سیدہؑ



تم بھی آ جاؤ کہ باقی ضعف بھی جاتا رہے اس طرح بختن کمل کے نیچے جمع ہو گئے تو خداوندِ عالم نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے فرشتو اور اے میرے آسمانوں کے رہنے والو مجھ کو اپنے عزت و جلال کی قسم ہے کہ نہیں بنائے میں نے یہ بلند آسمان نہیں بچھائی میں نے یہ پُر فضا زمین نہیں روشن کئے میں نے یہ آفتاب و ماہتاب اور گھومتے ہوئے فلک، موجیں مارتے ہوئے سمندر کو قائم کرنا چلتے پھرتے جہازوں کو بنانا یہ سب کچھ انہیں پانچوں کی محبت میں ہے جو اس کمل کے نیچے آرام کر رہے ہیں عرض کیا بارگاہِ خدا میں جبریل نے پروردگار یہ کون لوگ ہیں جو وجہ خلقتِ آسمان و زمین ہیں ارشاد ہوا کہ وہ خاندانِ نبوت و معدنِ رسالت ہیں، اور وہ فاطمہ زہرا اور اُن کے پدر بزرگوار اور فاطمہ زہرا کے شوہر علی اور اُن کے دونوں فرزند سردارِ جوانانِ بہشت حسن و حسین ہیں (صلوٰۃ) تمنا کی جبریل نے درگاہِ ایزدی میں کہ اے پیدا کرنے والے کیا میں بھی زمین پر جا کر ان پانچوں کا چھٹا ہو سکتا ہوں۔ حکم ہوا کہ ہاں میں نے تم کو زمین پر جانے کی اجازت دے دی مگر اے جبریل داخل کساء تم نہیں ہو سکتے اس وقت تک جب تک کہ میرا رسول اجازت نہ دے۔ آئے جبریل زمین پر اور اجازت چاہی عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر سلام ہو، اے برگزیدہ خدا، خدائے عز و جل بھی تحفہ درود و سلام ارشاد فرماتا ہے اور یا رسول اللہ خدا نے تو مجھے اجازت دے دی البتہ کیا آپ بھی اجازت دیتے ہیں کہ میں داخل کساء ہو کر شرفِ بزرگی حاصل کروں آنحضرتؐ نے جبریل کو داخل کساء کیا۔ بس اس وقت جبریل نے پیغامِ خدا بختن سے پہنچایا کہ آپ سب حضرات کی شان میں وہ ارشاد فرماتا ہے کہ اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً (سورہ احزاب آیت ۳۳) (صلوات)۔ اے اہل بیتِ خدا یہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی برائی دور رکھے اور ایسا پاک و پاکیزہ قرار دے جیسا کہ حق ہے۔ اس وقت جناب امیرؑ

نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ تو فرمائیے کہ خداوند عالم کے نزدیک اس کبیل کے نیچے ہم سب کے بیٹھنے کی کس قدر فضیلت ہے۔ ارشاد فرمایا رسول خدا نے کہ ہماری یہ حدیث اہل زمین کی جس مجلس میں بیان کی جائے گی۔ حالانکہ وہاں ہمارے کچھ شیعہ اور دوست بھی ہوں تو سب پر خدا کی رحمت نازل ہوگی اور ان کو ہر طرف سے فرشتے گھیر لیں گے اور انکے لیے اس وقت تک مغفرت کی دعا کرتے رہیں گے جب تک کہ وہ مجمع متفرق ہو یہ سن کر امیر المومنینؑ نے فرمایا خدا کی قسم اب تو ہم کامیاب اور ہمارے شیعہ بھی کامیاب۔ پھر جناب رسول خدا نے فرمایا کہ اے علیؑ اس خدا کی قسم جس نے مجھ کو نبی برحق بنا کر بھیجا اور پیغامبری کے لیے مجھ کو ہمراز منتخب کیا ہماری یہ حدیث اہل زمین کے لیے ہمارے شیعوں اور دوستوں کے لیے اکسیر ہوگی جو ان میں پریشان حال ہونگے خداوند عالم ان کی پریشانی کو دفع فرمائے گا جو غمگین ہوگا اُس کو غم سے نجات دے گا جو حاجت مند ہوگا اس کی حاجت پوری فرمائے گا در آنحالیکہ ان کے دلوں میں ہماری محبت جاں گزریں ہوگی۔ یہ سن کر جناب امیرؑ نے فرمایا خدا کی قسم ہم بھی خوش نصیب ہمارے شیعہ بھی خوش نصیب اور دنیا و آخرت میں خوش و کامیاب ہیں بہر حال نجات کی وہ عظمت و بزرگی جو نزدیک رب العالمین تھی سب نہ سہی پھر بھی بہت کچھ بذریعہ وحی خداوند عالم نے دنیا والوں پر ظاہر کر دی اول سے آخر تک اپنے کلام پاک کو ان کی صفات سے مزین کر دیا فرشتگان رحمت کو بھی حکم تھا کہ دیکھو بیت الشرف سیدہ میں بے اجازت نہ داخل ہونا یہ کیوں۔ یہ صرف اس لیے کہ دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ وہ گھر ہے جہاں ملک بھی بغیر اجازت داخل نہیں ہوتا ایک بار نہیں متعدد بار ملک اس آستانے پر حاضر ہوئے کبھی طعام جنت لے کر آئے کبھی سیدہ کے لیے سامان شاہانہ لے کر آئے کبھی سیدہ کی فرمائش اور علیؑ کی ناداری پر میوہ ہائے بہشت لے کر آئے اور کبھی



ایسا ہوا کہ قریب عید حسنینؑ نے دیکھا کہ محلہ بنی ہاشم میں عید کی تیاریاں بڑے دھوم سے ہو رہی ہیں لیکن ہماری نادار ماں حسبِ معمول چکی پیسنے اور سوت کا تنے میں ماہ صیام کی عبادت بھی پوری کرتی جاتی ہیں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ تین تین دن بجز پانی کے سیدہ کچھ بھی نہیں کھاتیں شبِ عید بھی یہ منظر دیکھ کر بچوں کو چین نہ پڑا بچے ہی تو تھے چل گئے کہا اے اماں تمام اہلِ مدینہ کل کے دن خوشیاں منائیں گے اور نئے لباس پہن کر عید ملیں گے کیا ہم اسی پھٹے ہوئے کرتے میں عید کریں گے بچوں کی درد بھری باتیں سن کر رسولؐ کی بیٹی کے آنکھوں میں آنسو بھر آئے کچھ سوچ کر فرمایا کہ اے بچوں تمہارے لباس خیاطی کر لائے گا جاؤ اس وقت آرام کرو حسنینؑ نے عرض کی اماں جب تک ہم اپنے کپڑے دیکھ نہ لیں گے نیند نہ آئے گی صدیقہؓ طاہرہؓ نے فرمایا بچوں تمہیں ملبوس سے غرض ہے وہ صبح مل جائیں گے، میں تو کہتی ہوں سیدہ کے بچے یہ جانتے تھے کہ ہماری ماں جو کہتی ہیں وہی ہوتا ہے خلاف کبھی نہیں ہوتا یہ یقین کر کے سو رہے۔ ادھر فاطمہؓ نے مضلا بچایا نماز پڑھی دعا کے لئے دستِ مبارک بلند کئے عرض کی اے عالم و دانا تو جانتا ہے کہ سیدہ کبھی ناداری کا شکوہ تجھ سے نہیں کرتی لیکن اس وقت بچوں کی ضد ہے صرف اس لئے کہ ان پیارے بچوں کی آنکھ سے آنسو کا کوئی قطرہ نہ نکلے، ان کا دل نہ ٹڑھے، میں نے ان سے کپڑوں کا وعدہ کر لیا ہے، اے پیدا کرنے والے تو نے ہی میرا نام صدیقہ رکھا ہے، اب اس نام کی خاطر میرے وعدہ کو سچ کر تو صادق الوعد ہے، ابھی دعا سیدہ کی تمام نہ ہوئی تھی کہ کسی نے دق الباب کیا سیدہ در پر گئیں، پوچھا کون، معلوم ہوا کہ خازنِ بہشت حسنینؑ کے لباس لے کر آیا ہے سیدہ نے لباس لے لیا شکرِ خدا کیا، کیوں حضرات کیا ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ ملک خانہ سیدہؓ میں آکر لباس دیتا اور چلا جاتا، ہو سکتا تھا لیکن یہاں بھی سیدہ کے گھر کی وہ عظمت جو ایک دن کلمہ گو بھلانے والے

تھے دکھانا تھی، ہائے جن بچوں کی خاطر سے سیدہ نے وعدہ کیا ان کی کلمہ گو یوں نے خوب عزت و توقیر کی، جس گھر کی عظمت و بزرگی کا خیال ملائک نے کیا اس گھر کی عظمت کر بلا میں یہ ہوگئی کہ شامیان بستند باز و زینب و کلثومؑ را۔ ہائے جہاں فرشتے لباس لے کر آئے تو دق الباب کیا وہ لوگ چادریں چھیننے کے لیے درآئے گھے۔ افسوس مسلمانوں کو ثانی زہرا کے سر سے چادر چھیننے میں ذرا بھی تاسف نہ ہوا، وارثِ تطہیر کے سروں سے چادر چھین گئی فرزندِ فاطمہ کے تن پر سے لباس کہنے اتار لیا گیا۔ ہائے جس حسینؑ کی خاطر شکنی خدا کو منظور نہ تھی جس کے رونے پر رسولؐ خدا بے تاب ہو جاتے تھے جس کی آزرروں پر سیدہ بے چین ہو جاتی تھیں۔ جن کی خواہشوں پر علیؑ قربان ہونے کو بھی تیار ہو جاتے اُس حسینؑ کو کوفیوں نے اتار لایا جتنا کہ رلا سکتے تھے نانا کا روضہ ماں کی قبر بھائی کا پہلو چھڑایا۔ نبی کا آرام جان خانہ زادِ کبریا کا دلبد خدا کے گھر میں آیا کہ چین پائے وہاں بھی بیٹھنا نہ ملاج کو عمرہ سے بدل کر میرا مظلوم امام عراق کو روانہ ہوا ہائے جانِ زہرا کے خیمے جلتی ریت پر پیا ہوئے کوفیان پر دغا نے لبِ فرات سے خیمے اٹھوا دیئے۔ ہائے ماہِ محرم میں جب حضرات۔

تاریخ دوسری تھی کہ داخل ہوئے امام اور تیسری کی صبح کو آئی سپاہِ شام چوتھی کو شمر کے ہوئی آنے کی دھوم دھام اور پانچویں کو دشتِ ستم بھر گیا تمام نزعہ ہوا چھٹی سے شہِ مشرقین پر ہفتم سے بند ہو گیا پانی حسینؑ پر

ہائے کر بلا کے پتے جنگل میں ایک صبح سے تا ظہر رونے کی انتہا نہ رہ گئی کبھی ساتھ کے کھیلے حبیبِ ابنِ مظاہر کو روئے کبھی با وفا اصحاب کی لاشوں پر ماتم کیا کبھی حر سے مہمان کے لیے گریہ و زاری کی ہائے دوستوں کے بعد عزیزوں کی باری آئی



مسلم کے دل و جان کو روئے بھائی کی نشانی مٹنے پر دست تاسف ملا کبھی نہر پر جا کر برابر کے بھائی کو روئے کہیں ٹھو کریں کھاتے ہوئے جوان بیٹے کی میت اٹھا کر روئے اور بعد دو پہر اک طفلِ صغیر کو میدان میں بہ سوال آب لا کر روئے بوقتِ ذبحِ زینب کی بے چادری کے خیال پر روئے عزاداروں حسینؑ کا رونا زندگی ہی تک ختم نہیں ہوا بلکہ بعد شہادت بھی یہ سلسلہ قائم رہا۔

اشقیائے بے دین جب سادات کو اسیر کر چکے تو مقتل کی طرف سب کو لے کر راہی شام ہوئے لکھا ہے کہ جس وقت سیدِ سجادِ ناقوں کی مہار پکڑے پابندِ سلاسلِ مقتلِ شہدا میں آئے پھر مظلوم کو سلام کیا فرمایا بابا رنجور و بیکس آپ سے شرمندہ ہے کہ لاشِ مطہر جلتی ریت سے نہ اٹھا سکا لیکن خدا را آپ دیکھیں کہ میں زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوں اور اے بابا اگر موت نے مہلت دی تو شام سے آکر گورِ غریبان بناؤں گا، ہائے یقین ہے کہ بیمار بیٹے کی اس تقریر کا جواب غریب باپ کی لاشِ مطہر نے بصدِ گریہ و زاری یہی دیا ہوگا کہ اے بیٹا سیدِ سجادِ ہمارے دفن و کفن کا تم غم نہ کرو صابر کے فرزند ہو بس صبر ہی کرنا دیکھو ابھی تا شام لا کھوں تعب اٹھانے ہیں کہیں راہِ رضا سے قدم نہ ڈگمگائے اور اُمتِ جد کے لئے بدعا نہ منے سے نکلے کہ میری محنت رائیگاں جائے۔ اور اے رسن و طوق کے پابندِ قیدیوں میں ایک ننھی سی چار سالہ یتیم بہن بھی ہے اس کا بہت خیال رکھنا اے جانِ پدر یہ معصوم میرے فراق کا صدمہ نہ سہہ سکے گی بلکہ زندان ہی میں تم سب کو داغِ مفارقت دے گی۔

حسینؑ کی صفِ ماتم بچھانے والیو آج بھی روحِ مظلوم کر بلا بیٹی کا پرسہ لینے کے لیے اس مجلس میں تشریف فرما ہے الغرض ارشادِ امام پورا ہوا ہائے زندانِ شام میں سکیئہ کی بے قراری سب اسیروں سے زیادہ تھی ہائے شہید آقا کو بعد از شہادت بھی چین نہ ملا جب سکیئہ یادِ پدر میں بے تاب ہو کر روتی تو شمر ملعون گھڑکیاں دیتا اور

تازیانے سے اذیت دیتا۔ ہائے وہ نازک بچی اس ظلم کی تاب نہ لاسکی آخر کہ اُسی خانہ تاریک میں جان دی اہل حرم میں سیکنہ کی موت نے قیامت برپا کی۔ زندانِ شام محلِ امیر شام سے ملحق تھا یزید پلید کی آنکھ کھل گئی حکم دیا کہ دیکھو قیدیوں پہ کیا مصیبت گزر گئی جو آج نصف شب میں بھی سب گریہ و زاری کرتے ہیں۔ ایک ملازم آیا اور حال دریافت کیا، معلوم ہوا کہ معصوم بچی نے باپ کو خواب میں دیکھا ہے، بسبب تاریکی، سخت اندوہ گیں ہے اور باپ کو تلاش کرتی ہے۔ خبردار نے جا کر خبر دی، اس ملعون نے حکم دیا کہ سرفرزد بوتراب خزانہ سے نکال کر زندان میں لے جاؤ اور اُس یتیم کو دکھلاؤ شاید خاموش ہو جائے بموجب حکم یزید ایک خوان میں سرِ مظلوم کر بلا رکھا گیا اور خوان پوش ڈال کر اُس خانہ تاریک میں لایا گیا اہل حرم نے جو دیکھا سمجھے سیکنہ کی تسلی کے لیے یزید نے کچھ طعام بھیجا ہے، جناب زینبؓ نے سید سجادؓ سے ارشاد فرمایا بیٹا امیر شام نے شاید اسیروں کے لیے خوانِ طعام بھیجا ہے، وارثِ اسرارِ لدنیؑ نے فرمایا اے پھوپھی اماں یہ سر ہے وارثِ خوانِ خلیل کا۔ اے حسینو کیونکر بیان کروں فرقِ مبارک کا زندان میں آنا تھا کہ تاریکی دور ہوگئی بھائی کے خون کی بوزینبؓ مضطر نے پائی تعظیم کو اٹھ کھڑی ہوئیں۔

دیکھا جو اہل بیت نے فرقِ جناب کو

تاروں نے آ کے گھیر لیا ماہتاب کو

ہائے کوئی فریاد کرتی تھی، کوئی اپنے منہ پر طمانچہ مارتی تھی، نادان سیکنہ عرصے کے بعد باپ کے سر سے ملیں منہ پر منہ رکھ دیا سیلیوں کے نشان دکھلاتی تھیں گاہ کانوں کا خون کبھی گردن کے زخم کا گلہ۔

فرزندِ علیل فرقِ پدر دیکھ کر زنجیر سنجال کر سلامی کے لیے جھکا۔ عزاداروں طاقتِ بیان نہیں ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی زینبؓ مغموں نے جنابِ ربابؓ کو غش



میں پڑا دیکھا شانہ ہلا کر کہا اٹھیے نادان سیکنہ کی خبر لیجئے کہ آواز نہیں آتی، رباب  
بی بی ہوش میں آئیں، سیکنہ کے قریب آئیں شانہ ہلا کر معصومہ کو اٹھایا تو بے دم پایا  
ہائے سرپیٹ کر چلائیں لوگوں غضب ہوا

زنداں میں جبکہ دختر شبیر مر گئی دنیا سے دفعتاً سفر خلد کر گئی  
کنہ کے دل پہ داغ جدائی کا دھر گئی غل پڑ گیا حسین کی عاشق گذر گئی  
جنت بسائی چھوڑ کے دنیا کے باغ کو  
تازہ کیا ہے پھر علی اصغر کے داغ کو

بازو ہلا کے مادرِ ناشاد نے کہا بی بی پدر کے سر سے اٹھاؤ تو سر ذرا  
باتیں ابھی تو کرتی تھیں آنسو بہا بہا ساکت ہے نبض ہائے غضب سرد دست و پا  
منہ دیکھتے ہی زینت کا نقشہ بدل گیا  
کس وقت سانس رک گئی کب دم نکل گیا

قربان جاؤں مرنے کی ماں کو خبر نہ کی واری مری غریبی پہ تم نے نظر نہ کی  
یہ رات ماں کے ساتھ تپ کر بسر نہ کی جی بھر کے بھی زیارت روئے پدر نہ کی  
چوتھے برس میں ہائے سدھاریں جہان سے  
دکھ قید کے نہ اٹھ سکے ننھی سی جان سے

ماں صدقے جائے آج تڑپتی تھیں شام سے روٹھی ہوئی تھیں مادرِ ناشاد کام سے  
مر کر ملیں حسین علیہ السلام سے بی بی کہو گلے ہوئے کیا کیا امام سے  
یوں منہ کو موڑنا تو محبت سے دور ہے  
قربان جاؤں ماں کا بھلا کیا قصور ہے

لو ہاتھ جوڑتی ہے یہ ماں اے سیکنہ جان مجھ کو بلا لوتم ہو جہاں اے سیکنہ جان  
ڈھونڈوں نکل کے تم کو کہاں اے سیکنہ جان مادر کو قبر ہے یہ مکاں اے سیکنہ جان

میں جانتی ہوں موت سے بدتر حیات کو

اب کون سوئے گا مرے پہلو میں رات کو

بچی یہ ماں تجھے کدھر اب ڈھونڈھنے کو جائے اے غم رسیدہ تو نے قیامت کے دکھ اٹھائے

چھٹ کر پدر سے گھر کیاں کھائیں طمانچہ کھائے بی بی رن بندھی تری گردن میں ہائے ہائے

جو سختیاں فلک نے دکھائیں وہ سہ گئیں

بندے جو چھن گئے مرا منہ تک کے رہ گئیں

منہ ڈھانپتی تھی صبح کو جس دم میں نوحہ گر اٹھ بیٹھتی تھیں ساتھ مرے تم بچشم تر

اماں نہ روؤ کہتی تھیں منہ دیکھ دیکھ کر اب پیٹتی ہوں اور تمہیں مطلق نہیں خبر

مجھ سا بھی کوئی یکس و بے پر نہ ہوئے گا

پہلو میں ماں کے بیٹھ کے اب کون روئے گا

اس رائڈ ماں کو چھوڑ کے بی بی کدھر گئیں دنیا میں رہ کے چار برس کوچ کر گئیں

ناشاد و نامراد جہاں سے گذر گئیں زنداں سے چھوٹے بھی نہ پائیں کہ مر گئیں

پیدا ہوئیں مدینہ خیر الانام میں

اس کی خبر نہ تھی کہ لحد ہوگی شام میں

قربان جاؤں قیدی دام بلا ہے ماں آفت میں بعد سبط نبی مبتلا ہے ماں

مجبور ہے غریب ہے بے دست و پا ہے ماں بی بی کو دے کہاں سے کفن بے ردا ہے ماں

پہلے سے خاک میں ہے بدن سب اٹا ہوا

لے جاؤ قبر میں یہی کرتا پھٹا ہوا

ایذا سے غم سے رنج اٹھانے سے چھٹ گئیں کنبہ سے کیا کہ سارے زمانہ سے چھٹ گئیں

ہر صبح و شام اٹک بہانے سے چھٹ گئیں اچھا ہوا کہ گھر کیاں کھانے سے چھٹ گئیں

نیند اڑ گئی تھی لوگوں کی بچی کے بین سے

اب تو یزید رات کو سوئے گا چین سے



میت کے پاس زنب بیکس تھیں نعرہ زن کہتی تھیں ہائے شیفۃ سرور زمن  
چلاتے تھے یہ حضرت سجاد خستہ تن بیمار ہم کو چھوڑ کے تم چل بسیں بہن

ہم رہ گئے تڑپنے کو دنیائے زشت میں

کیا خوش نصیب تم تھیں کہ پہنچیں بہشت میں

میت کے گرد حشر تھا بلبل تھے نوحہ گر لایا تھا جو وہ لے گیا پچھلے کوشہ کا سر  
ناگاہ آسماں پہ ہویدا ہوئی سحر حاکم کو دی یہ جا کے خبردار نے خبر

بے وارثوں پہ اور قیامت گذر گئی

لڑکی جو روز روتی تھی وہ آج مر گئی

بھیجاشقی نے عابد بیکس کو یہ پیام جو ہو ضرور یاں سے منگا لیجے یا امام  
لوگوں کو بھیجے دیتا ہوں میں بہر انتظام تجویز قبر کیجئے بہتر جو ہو مقام

گھبرائیے نہ رنج و الم کے ہجوم سے

اٹھو ایسے بہن کے جنازے کو دھوم سے

ڈیوڑھی پہ آئے روتے ہوئے عابد حزیں فرمایا احتیاج کسی چیز کی نہیں

میت کو خود اٹھاؤں گا میں اے عدوئے دیں مٹی جہاں کی ہوگی بنے گی لحد وہیں

کچھ اہتمام چاہئے نے دھوم چاہئے

زاری برائے بیکس و مظلوم چاہئے

لوٹی ہوئی جو حضرت زہرا کی ہے ردا گر اُس کو بھیج دے تو کفن ہو یتیم کا

اُس بے کفن پدر کی یہ بیٹی ہے مہ لقا حلقے بہشت کے جسے بھیجا کیا خدا

بیکس نہ جان دلبر شاہ انام کو

آئے ہیں آسماں سے ملک اہتمام کو

پہنچا جواب لے کے ملازم جو اُس کے پاس  
مصروف غسل میں ہوئے سجادِ حق شناس  
بھیجاشقی نے رائیڈوں کا لوٹا ہوا لباس  
آخر کفن پہنا کے پکارے بدر و یاس

لو بیسیو وداع ہو اس نورِ عین سے

ملنے چلی ہیں آج سیکنہٴ حسین سے

ہمشیر کو اٹھانے لگے جب پچشم تر  
سب پیہیاں لپٹ گئیں میت سے دوڑ کر  
زیب پکارتی تھیں کہ بی بی چلیں کدھر  
لے کر بلائیں کہتی تھی ماں سوختہ جگر  
اماں کو چھوڑے جاتی ہو رونے کے واسطے

بی بی چلیں مزار میں سونے کے واسطے

زنداں کا در تو بند ہے بی بی کدھر چلیں  
کپڑے سفید پہنے ہوئے کس کے گھر چلیں  
واری مرے ریاض کو برباد کر چلیں  
خوشبو سگھا کے مثل نسیم سحر چلیں

اب اس چمن میں بادِ بہاری کب آئے گی

ماں صدقے جائے پھر کے سواری کب آئے گی

گھٹ گھٹ کے یاں اندھیرے میں کہتی تھیں بار بار  
اماں چراغ ہو تو ٹھہر جائے جان زار  
اب شام میں ملے گی تمہیں قبر تنگ و تار  
بی بی کو نیند آئے گی کیونکر یہ ماں نثار

تڑپو گی تم تو ماں کو خبر ہوگی کس طرح

پہلی یہ شب لحد میں بسر ہوگی کس طرح (میرفتیں)

-----



## مجلس چہار دہم

# در حال چہلم سید الشہداء علیہ السلام

عجیب ہے تجھ سے اے آسمان کہ حسینؑ فرزند رسول ہمارے آقا پیارے سے ذبح ہوئے اور تو پھٹ نہ پڑا، اے آفتاب، حسینؑ سا صابر و مظلوم رلا کر قتل کیا گیا اور تو ان کے غم میں بے نور نہ ہوا۔ افسوس ہزار افسوس کہ قتل امام حسینؑ پر بھی ظالموں نے اکتفا نہ کیا رسول خدا کی ذریت کو پیمبر کی نواسیوں علیؑ کی بیٹیوں زہرا کی بہوؤں کو مثل کنیزان کفار قید کر لیا آہ آہ اہل بیت رسولؐ ایسے لوٹے گئے کہ چادر موقع تک ظالموں نے ان کے سروں سے چھین لئے تا آنکہ ایک ایک رومال بیبیوں کے پاس منہ چھپانے کو بھی نہ رہ گئے۔ اور اہل بیت رسولؐ کو برہنہ رن بستہ شتران بے محمل پر مثل کنیزان ترک و روم کے شہر بہ شہر صحرا بہ صحرا پھراتے ہوئے تا شام بلوائے عام میں لے گئے اور ایک بوسیدہ خرابے میں مقید کیا۔ صاحب خلاصۃ المصابی روایت کرتے ہیں کہ ہند زوجہ یزید کہتی ہے میں ایک دن انہیں ایام میں جب اہل بیت حسینؑ شام میں مقید تھے سوتی تھی خواب میں دیکھا کہ درہائے آسمان کھل گئے ہیں

اور فوج در فوج ملائکہ امام حسینؑ کے سراقس کے قریب آتے ہیں اور رو رو کر کہتے ہیں السلام علیک یا ابا عبد اللہ السلام علیک یا ابن رسول اللہ۔ اے فرزند رسول سلام ہو تم پر دیکھا کہ آسمان سے ایک ابر سفید نازل ہوا اور اس سے کئی شخص باہر آئے اور ان میں ایک بزرگوار ہیں کہ چہرہ منور ماہ شب چہارہ کے روشن ہے امام کا سر بریدہ دیکھتے ہی انہوں نے اپنے تئیں گرا دیا اور یزید نے جن پر چھری رکھی تھی ان لب و دندان کے بوسے لینے لگے اور رو رو کر کہا اے فرزند اے نور چشم افسوس کسی نے تیرا مرتبہ نہ پہچانا، مرتے دم تک تجھے ایک قطرہ پانی کا نہ دیا، تین دن کے پیاسے گلے پر خنجر پھرا دیا۔ اے حسینؑ میں تمہارا نانا رسول خدا ہوں، یہ تمہارے باپ علیؑ مرتضیٰ وہ تمہاری ماں فاطمہ زہرا ہیں، اسی طرح ایک ایک عزیز کا نام لیتے تھے ناگاہ خوف سے آنکھ میری کھل گئی اور تو کسی کو نہ پایا مگر مظلوم کربلا کے سر کو دیکھا کہ ماہ کامل کی طرح ایک نور اس سے ساطع ہے، بہر کیف میں یزید سے اس خواب کے بیان کرنے کو چلی دیکھا کہ وہ شقی خانہ تاریک میں دیوار کی طرف منھ کئے بیٹھا روتا ہے اور کہتا ہے کہ کیوں میں نے حسینؑ ابن علیؑ کو ناحق قتل کیا، میں نے اپنا خواب اس سے بیان کیا وہ سر جھکائے تادیر روتا رہا صبح کو دربار میں حکم دیا کہ اہل بیت رسول رہا کئے جاویں۔

حاکم نے سنی ہند کی جب درد کی تقریر بے رحم کو رحم آگیا یوں بولا وہ بے پیر  
بس خوب اسیروں کے لئے ہو چکی تعزیز اب حکم رہائی ہے پے عمرت شبیر

دربار میں لاؤ حرم شیر خدا کو

اور لوٹ کا اسباب بھی دو آلِ عبا کو

زینبؑ کو خبر شمر نے آکر یہ سنائی اے خواہر شبیرؑ مبارک ہو رہائی  
ہے لوٹ بھی ایک ایک سے حاکم نے منگائی دربار میں چل اے اسد اللہ کی جائی



(۱۳۳)

اک سمت ہے زرا یک طرف شاہ کا سر ہے  
تو چل کے اٹھالے جو تجھے مد نظر ہے

زینبؑ نے کہا خیر سمجھ لوں گی میں ناچار سر بھائی کا درکار ہے دولت نہیں درکار  
کیوں مجھ کو بلاتا ہے دوبارہ سر دربار دربار تو کیا پھر چکی میں سر بازار  
ہاں جس نے کہ دیکھا نہ ہو بازار میں ہم کو  
سر ننگے بیس دیکھ لے وہ اہل حرم کو  
الغرض جب اس شقی نے دوبارہ طلب کیا تو جناب سید سجاد ناچار وحزیں چلنے کو  
تیار ہوئے۔

پھر گود میں زینبؑ نے رقیہ کو اٹھایا سجادؑ نے باقر کو کلیجے سے لگایا  
سب قافلہ لوٹا ہوا دربار میں آیا حاکم نے پس پردہ اسیروں کو بٹھایا  
پر سا دیا شبیرؑ کا سجادؑ حزیں کو  
بٹھلا لیا مسند پہ شہ عرش نشین کو  
حاکم سے کہا سید سجادؑ نے رو کر مسند پہ نہ بیٹھیں گے ہم اب وائے ستمگر  
زہراؑ ابھی بیٹے کے ماتم میں کھلے سر ہیں زیرِ لحد سید لولاک نوحہ گر  
مسند پہ میں بیٹھوں مجھے زیبا نہیں لوگو  
بابا ابھی بے گور و کفن رن میں ہیں لوگو

آخر الامر یزید بے حیا جب اس تقریر سے شرمسار ہوا تو اہل بیتؑ کی طرف  
مخاطب ہو کر کہنے لگا خیر جو کچھ ہونا تھا ہو چکا اب میں نے تمہیں اختیار دیا چاہو اس  
شہر میں رہو چاہو عزت و حرمت سے اپنے وطن کو جاؤ۔

زینبؑ سے مخاطب ہوا پھر حاکم خونخوار کھلوا دوں خزانہ جو زر و مال ہو درکار  
تشریف رکھو یاں تو محل ہو ابھی تیار زینبؑ نے کہا اب کوئی حاجت نہیں زہار

دولت کی نہ زر کی ہے نہ جاگیر کی خواہش  
نہیب کو فقط ہے سرِ شبیر کی خواہش

اور جناب اُم کلثومؓ نے کہا اے یزید جب سے بھائی مارے گئے تیری فوج نے ہمیں رونے نہ دیا ابھی ہم سوائے اس کے کچھ نہیں چاہتے کہ ایک مکان خالی کر دے اور اتنی اجازت دے کہ ہم اپنے اس غریب و یکس تین دن کے بھوکے پیاسے بھائی کو جی بھر کر روئیں جس کی لاش عریاں دہم محرم سے اب تک کر بلا کی ریگ گرم پر پڑی ہے۔ اور جس کا تجھیز و تکفین کا سامان کرنے والا کوئی نہیں۔ الغرض یزید نے کہا اختیار ہے اور ایک مکان خالی کر دیا۔ راوی کہتا ہے ان سب کے بعد جناب سید سجادؓ نے یزید بے حیا سے کہا کہ اے یزید اب میری بھی خواہش سن لے کہ میری بھی بجز اس خواہش کے کوئی خواہش نہیں حاکم غدار بولا کہو کیا کہتے ہو۔

حاکم سے یہ فرمانے لگے عابد مضطر نہ مال کی خواہش ہے مجھے نہ ہوس زر گھر فاطمہؓ کا لوٹ کے لائے ہیں ستم گر اسباب ہمارا ہمیں گردے تو ہے بہتر جو چیزیں تبرک ہیں حوالے مجھے کر دے

میں جا کے کروں دفن مجھے باپ کا سردے

حاکم نے غرض لوٹا ہوا سب اسباب منگوا یا اور ہر چیز گن گن کر دکھاتا تھا آہ آہ جس وقت اسیروں کو عمامہ سید الشہداءؓ نظر پڑا تمام اہل حرم میں گریہ و ماتم کا شور بلند ہوا آہ آہ لکھا ہے کہ حاکم بے دین نے سب سامان اور دیگر شہداء کے سر تو دیئے مگر سر امام حسینؓ نہ دیا اور کہا عابد بیمار سر امام کے لئے مجھ سے تکرار نہ کرنا کہ بڑی دولت کھو کر میں نے یہ سر پایا ہے۔ اور صرف اسی سر کے لئے اتنی مہم سر کی ہے حضرات لکھا ہے کہ اس ظالم کی اس تقریر سے تمام اہل حرم میں کہرام مچ گیا۔ صاحب بحر المصاب لکھتے ہیں کہ



جس طشت طلا میں تھا سر سید والا سرپوش سے ظالم کے تہہ تخت ڈھپا تھا  
 حسرت سے ادھر عابد بیمار نے دیکھا آداب بجالا کے یہ کی عرض کہ بابا  
 حاکم کو میری آج رہائی ہوئی منظور  
 پر آپ سے اور مجھ سے جدائی ہوئی منظور

رو رو کے جو کی عابد بیمار نے تقریر سرپوش جدا ہو گیا نکلا سر شیر  
 گویا ہوا اس طرح سے کہ اے عابد لگیں بابا سے جدا کب تجھے کر سکتا ہے بے پیر  
 تو کس لئے مشغول بکا ہوتا ہے سجاؤ  
 کیا گوشت سے بھی پوست جدا ہوتا ہے سجاؤ

لکھا ہے کہ جب سامان اور سر شہد امل گئے تو سب نے اپنے اپنے وارثوں کے  
 سروں کو دیکھ کر منہ پر طمانچے مارے گریبان چاک گئے روتے پٹیتے صف ماتم بچھائی  
 ام لیلیٰ نے علی اکبر کا ام فروہ نے قاسم کا سراپنی گود میں اٹھا لیا جناب زینبؓ نے  
 اپنے مظلوم بھائی حسینؓ اور ام کلثومؓ نے عباسؓ کا سر آغوش میں لے لیا اور اس  
 حسرت و یاس سے ان کی صورتوں کو دیکھ دیکھ کر روتی تھیں کہ ان کے رونے سے  
 تمام جن و انس روتے تھے، عزاداروں! سب ماؤں نے تو اپنے فرزندوں کے سراٹھا  
 لئے مگر امام حسینؓ اور جناب عباسؓ کے سروں کو ان کی دونوں بہنوں نے کیوں اٹھا  
 لیا، ظاہر ہے کہ سید الشہداء کے سر کو گود میں لینے والی جناب فاطمہؓ تو جنت البقیع میں  
 آرام فرماتی تھیں اور عباسؓ کے سر کو سینے سے لگانے والی ام البنینؓ مدینے میں  
 تشریف رکھتی تھیں۔ سب جانتے ہیں ان دونوں بہنوں کو جو اپنے بھائیوں سے  
 محبت تھی کسی ماں کو بھی اپنے بیٹے سے یہ الفت نہیں ہوتی اب میں پوچھتی ہوں کہ  
 ان کے سوا امام حسینؓ اور عباسؓ کے سر کو کون اپنی گود میں لیتا، بہر کیف راوی کہتا ہے  
 ہر چند اس وقت بین سے سب مخدرات کے ایک قیامت برپا تھی لیکن واللہ نہیں

بھولتا مجھے جناب زینبؓ کا ترپنا اپنے بھائی حسینؑ کے سراقِ قدس کو دیکھ کر فرماتی تھیں  
 بھائی اے بھائی یہ بہن ستم رسیدہ اپنی کس کس مصیبت کا شکوہ کرے آیا یہ بیان  
 کروں کہ تم سا وارث اس غربت میں مجھے اکیلا چھوڑ کر شہید ہو گیا یا یہ بیان کروں  
 کہ بعد آپ کے چٹک و عزت اور توہین میری ہوئی اور میں بعد آپ کے ذلیل و  
 خوار سر برہنہ جا بجا بلوے میں پھرائی گئی۔

الغرض سات شبانہ روز اس مکان میں یوں ہی ماتم امام برپا رہا بعد سات روز  
 کے یزید نے بشیر بن جزم کے ہمراہ اہل حرم کو کوفہ روانہ کیا لکھا ہے کہ جناب  
 سید سجادؑ بروایت مشہور بیسویں ماہ صفر کو معہ اہل حرم کے داخل صحرائے کربلا ہوئے  
 حضراتِ ذاکر کی زبان کو یاد نہیں کہ اہل حرم کی وہ گریہ و زاری بیان کرے جو  
 لاشہائے شہداء دیکھ کر ان مظلوموں نے کی مختصر عرض کرتی ہوں کہ  
 جس وقت کربلا کا وہ صحرا نظر آیا ان بیبیوں نے آپ کو اذُنوں سے گرایا  
 زینبؓ کو غش آیا کبھی بانو کو غش آیا سر پیٹ کے ان غمزدوں نے حشر چمایا

صدمہ ہوا اُس وقت عجب جانِ حزیں پر

سجادؑ گرے پیٹ کے قبرِ شہ دیں پر

زینبؓ کو جو ہوش آیا کئے بین کہ بھائی مجرا لو بہن چھوٹ کے ہے قید سے آئی

بھیا مرے مٹی بھی تجھے دینے نہ پائی جیتے مرے لاشے نے ترے قبر نہ پائی

یوں غسل و کفن سے کوئی محروم نہ ہوگا

تجھ سا کوئی اب خلق میں مظلوم نہ ہوگا

جب قصدِ دفنِ شاہ کا سجادؑ نے کیا رخصوں سے پہلے نیزہ و پیکاں جدا کیا

کھدنے لگی جو قبرِ شہنشاہ کربلا اک لوحِ نکلی اس پہ یہ مضمون تھا لکھا

زہرا کے گیسوؤں پہ پڑی یا کئی خاک ہے

ابنِ ابوترابؑ کی یہ قبر پاک ہے



پر آہ جب کہ کھدتی تھی قبرِ امام پاک      زینبؓ بٹاتی جاتی تھی ہاتھوں سے اپنے خاک  
سجّادؑ نے اٹھایا جو بابا کا جسم پاک      طاقت نہ تھی مریض کو، کی آہ دردناک

بعد از فنا یہ شہ کی کرامت عیاں ہوئی

لاش اپنے پاؤں سے سوئے تربت رواں ہوئی

نزدیک قبر پہنچی جو لاشِ شہ زماں      پائین قبرِ زینبؓ یکس نے کی فغاں  
دو ہاتھ ناگہاں ہوئے اس قبر سے عیاں      سجّادؑ روئے اور یہ حرم سے کیا بیاں

بابا سے پیار دیکھنا خیر الانام کے

یہ ہاتھ ہیں رسول علیہ السلام کے

پھر آئی اس مزار سے عابد کو یہ ندا      اے نائبِ حسینؑ فدا تجھ پہ مصطفیٰؐ  
رکھ دے ہمارے ہاتھوں پہ لاشہ حسینؑ کا      لاشہ نبیؐ کے ہاتھوں پہ سرور کا رکھ دیا  
پر عرض یہ نبیؐ سے بجانِ ملول کی  
لو نانا جان لو یہ امانتِ بتول کی

مومنین مقامِ گریہ اور یہ روزِ خاک اڑانے کا ہے کہ آج ہمارا اور آپ سب کا  
امامِ زیرِ خاک چالیس دن کے بعد دفنایا جاتا ہے ہائے رویئے دل کھول کے آج  
امامِ غریب کا چالیسواں بھی تمام ہوتا ہے۔

چہلم ہوا تمام شہِ مشرقین کا

دو فاطمہؑ کو آخری پُرسا حسینؑ کا

# مجلس پانزدہم جنگِ احد اہل بیت کی مدینے واپسی

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْقُرْآنِ فِي سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

(سورہ آل عمران آیت ۱۲۱)

خداوند حمید قرآن مجید میں سورہ آل عمران میں ارشاد فرماتا ہے۔ ”اے رسول یاد کرو اس روز کو جب تم صبح کے وقت اپنے اہلی کے گھر سے مدینہ سے باہر نکلے تھے تاکہ مومنین کو آمادہ کرو اور ان کے لئے محل کارزار کو درست کرو اور اللہ تمہاری باتوں کا سننے والا ہے اور تمہاری نیت کا جاننے والا ہے۔“

یہ آیت جنگِ احد کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو ۳ ہجری میں واقع ہوئی تھی۔ اور سب اس جنگ کا یہ ہوا کہ جب مسلمانوں نے جنگ بدر میں فتح پائی ستر



کفار قریش مارنے گئے اور ستر اسیر ہوئے اور باقی بھاگ گئے تو البوسفیان نے مکہ پہنچ کر سب کفار قریش کو جمع کیا اور سب کو دوبارہ جنگ پر آمادہ کیا تین ہزار سوار اور پیادے جمع ہوئے اپنی عورتوں کو بھی ساتھ لے لیا یہاں تک کہ مکہ سے نکلے۔ وہ سب مدینہ پہنچے اور میدانِ احد میں قیام کیا۔ جب یہ خبر رسول اللہ کو پہنچی تو آپ نے بھی اصحاب کو جمع کیا اور ایک ہزار اصحاب کے ساتھ جانبِ اُحد روانہ ہوئے۔ ان میں سے بھی تین سو منافق واپس چلے گئے۔ سات سو اصحاب سے مقابل ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت نے اپنے لشکر کی اس طرح ترتیب دی کہ میمنہ پر زبیر کو اور میسرہ پر مقداد کو قلب لشکر میں جناب حمزہ کو مقرر فرمایا اور علم لشکر جناب امیر کے ہاتھ میں دیا یہاں تک کہ لڑائی شروع ہوئی اور نو آدمی علمدار کفار جو بڑے بڑے صنادید قریش سے تھے یکے بعد دیگرے آتے گئے جناب امیر سب کو قتل کرتے گئے۔ اگرچہ جناب امیر بھی زخمی ہوئے اور اُن کے ہاتھ سے علم بھی چھوٹ کر گر گیا تھا مگر پھر بائیں ہاتھ میں علم لے لیا طبری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ جنگِ احد میں علی ابن ابی طالبؑ کی کلائی پر ایسا صدمہ پہنچا کہ علم رسولؐ آپ کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ لوگ دوڑے کہ وہ علم ہم لے لیں۔ پیغمبر خدا نے فرمایا کہ علم علیؑ کے بائیں ہاتھ میں دے دو کیونکہ خاص وہی میرا علمدار ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ بہر کیف آخر میں لشکر کفار فرار ہوا۔ مسلمان لوٹ میں مصروف ہوئے۔ ایک مرتبہ بھاگے ہوئے کفار پھر میدانِ قتال میں پہنچ کر سب مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ ستر آدمی مارے گئے بڑے بڑے اصحاب جو اس جگہ موجود تھے سب بھاگ کھڑے ہوئے سوائے جناب امیرؑ کے کوئی ثابت قدم نہ رہا وہ جناب رسولؐ خدا کی حفاظت بھی کرتے تھے اور دشمنوں سے لڑتے بھی جاتے تھے اس میں حضرت زخمی بھی ہوئے۔ ساٹھ زخم سر سے پاؤں تک لگے تھے چار زخم ایسے تھے جس کے سبب سے

وہ جناب بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ جبریل آئے اور ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور کہا یا علی طاعت خدا و رسول میں آمادہ ہو جائیے اور جہاد کیجئے۔ آپ سے خدا بھی راضی اور رسول بھی خوش ہیں۔

الحاصل احد کی جنگ وہ ماتم خیز جنگ تھی کہ بڑے بڑے نامی شجاع مارے گئے حتیٰ کہ جناب حمزہ عم رسول خدا مارے گئے خود آنحضرت بہت زخمی ہوئے ایک شقی نے پیشانی مبارک پر ایک پتھر مارا خون جاری ہوا حضرت نے اپنی ردا سے پاک کیا۔ اور فرمایا کہ اگر ایک قطرہ بھی اس خون کا زمین پر گرے گا تو ان پر عذاب نازل ہوگا۔ اب میں پوچھتی ہوں کہ کربلا کے رزم گاہ میں جب حسینؑ کے جسم اطہر سے خون کے فوارے بہہ نکلے جس کو رسولؐ نے فرمایا تھا کہ حسین منیٰ آنا من الحسین تو وہ کس کا خون تھا کیا خون حسینؑ رسولؐ کا خون نہ تھا، افسوس دنیا میں قیامت کیوں نہ آگئی، آسمان کیوں نہ پھٹ پڑا جس وقت حسینؑ کے خون سے صحرائے کربلا کی زمین رنگین ہوگئی۔ بہر حال جنگ احد میں رسولؐ زخمی ہوئے اور بہت زیادہ، یہاں تک کہ ایک مرتبہ آپؐ غش کھا کر ایک گڑھے میں گر پڑے خداوند عالم نے آپؐ کو دوست اور دشمن سب کی نگاہوں سے پوشیدہ کر دیا۔ شیطان ملعون نے آواز دی اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ سب کو معلوم ہوا کہ بیشک محمدؐ قتل کر دیئے گئے جب یہ آواز مدینے میں پہنچی تمام اہل مدینہ مضطرب قرار ہو گئے۔ مردوں اور عورتوں میں تہلکہ مچ گیا حتیٰ کہ رسولؐ کی بیٹی نے بھی باپ کے شہادت کی خبر سن لی لکھا ہے کہ سیدہ عالم یہ واقعہ سن کر گھر سے باہر نکل پڑیں منہ پر طمانچے مارتی تھیں فریاد کرتی تھیں کہ اے بابا اب سیدہ کے ناز کون اٹھائے گا اور اے پدر بزرگوار فاطمہؑ کس طرف نور محمدی کو ڈھونڈے۔ اے بابا آپ مجھے اس غربت میں مکہ سے لاکر تنہا چھوڑ گئے، مجھے یتیم کر گئے، لکھا ہے کہ سیدہ عالم روتی ہوئی جا رہی تھیں کہ



ادھر سے کچھ لوگ آئے ان میں کسی ایک سے بڑھ کر پوچھا میرے بابا کی کیا خبر ہے اس نے کہا کیا بیان کروں کہا نہیں جاتا۔ سیدہ اور زیادہ گھبرا گئیں رونے لگیں اتنے میں سنا کہ کوئی کہتا ہے اے مسلمانو! خداتم کو پیغمبر کے غم میں صبر عطا کرے یہ سنتے ہی بے ہوش ہو گئیں عورتوں نے پانی چھڑکا جب افاقہ ہوا تو آپ پھر احد کی طرف روتی ہوئی چلیں۔ بیرونِ مدینہ ایک عورت ملی کہا اے بنتِ رسول! آپ کہاں جاتی ہیں، فرمایا سنا ہے کہ میرے باپ کو شہید کر دیا گیا ہے، میں بابا کو دیکھنے جاتی ہوں مگر چلا نہیں جاتا، اس نے کہا آپ یہیں ٹھہریں میں جا کر آپ کے باپ کی خبر لاتی ہوں، سیدہ ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئیں اور فرمایا اے ضعیفہ جب بابا سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہنا اور جو حال دیکھا ہے کہہ دینا میں عرض کروں گی کہ اے سیدہ عالم سچ ہے آپ نے باپ کے شہادت کی خبر سنی ہے کیوں نہ بے تاب ہوتیں لیکن اک ذرا میدانِ کربلا میں تشریف لائیے دیکھئے ارضِ کربلا میں جب عرشِ بریں سے آواز قد قتل الحسین بکربلا۔ بلند ہوئی تو وہاں ایک چار سالہ یتیم بچی جو حسین سے بے انتہا مانوس تھی اس نے بھی سنی ہے مگر راہ سے واقف نہیں صبح سے اب تک معصومہ نے یہی دیکھا کہ جو سپاہی آلاتِ حرب و ضرب لگا کر میدان میں گیا زندہ واپس نہیں آیا، سب کی لاش بابا حسین لائے ہیں اب یہ خبر ملی کہ حسین بھی ذبح کر ڈالے گئے۔ اے میری شہزادی! پوتی کی رہبری کیجئے کہ صحرائے کربلا دشمنوں سے گھرا ہے اور سیکنہ باپ کی لاش پر جا رہی ہیں اے سیدہ عالم آپ گھر سے نکلیں تو معاذ اللہ وہاں کوئی شمر ساشقی نہ تھا سیکنہ کی خبر لیجئے ایسا نہ ہو کہ معصومہ کے کان گوشواروں کے لئے زخمی ہو جائیں۔ خلاصہ وہ عورت جناب سیدہ سے رخصت ہو کر احد کی طرف روانہ ہوئی سیدہ اسی جگہ بیٹھ کر رونے لگیں۔ جب وہ عورت قریب احد پہنچی اپنے بھائی کو دیکھا کہ قتل کیا ہوا پڑا ہے کچھ

خیال نہ کیا۔ تھوڑی دور گئی باپ کی لاش کو دیکھا۔ اُسے بھی چھوڑ دیا۔ آگے بڑھی بیٹے کی لاش دیکھی کچھ جان باقی تھی ناں کو پکارا اے اماں میرا آخری دیدار کو لو اس نے کہا فاطمہ انتظار میں ہیں جب تک رسولؐ کی خبر معلوم نہ کر لوں گی نہیں آسکتی۔ وہاں سے پیغمبرؐ کے پاس آئی دیکھا حضرت کھڑے ہیں اصحاب گرد جمع ہیں قدم پر گر پڑی کل ماجرا بیان کیا۔ رسولؐ اپنی بیٹی کی بے چینی پر بے تاب ہو گئے فرمایا جلد جا فاطمہ کو میری سلامتی کی خبر دے اور جلد میرے پاس میری پارہ جگر کو لاؤ وہ آئی اور خوشخبری سنائی ساتھ لے کر خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئی۔ رسولؐ نے بیٹی کو سینے سے لگا لیا سیدہ نے جب اپنے باپ کو زخمی دیکھا تو بہت روئیں پیغمبرؐ خدا نے دلاسا دیا تسکین دے کر چپ کر لیا۔ کیوں حضرات سیکنے بھی اپنے باپ کو ڈھونڈتی ہوئی مقتل میں پہنچ گئی ہیں، باپ شہید تو ہو چکا تھا زندہ نہ تھا لیکن ایک جانب پہچانی ہوئی آواز پا کر سیکنے چلیں ہیں اور ایک لاش بے سر سے لپٹ گئیں ہیں فرماتی ہیں، بابا، اے بابا، آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہارے لئے پانی لانے جاتا ہوں، ہائے آپ کو اتنے زخم کس نے لگائے، اے بابا، آپ کا سر انور کس ظالم نے جدا کیا اور اے بابا آپ کی لاش ریگ گرم پر تپاں ہے لیکن لاش کو خیمہ میں لے جانے والا کوئی نہیں، ہائے بھیا سید سجادؑ آپ سے بے ہوش ہیں، عزادارو! حسینؑ بھی سیکنے کے شیدا تھے لاش بے سر سے آواز آئی اے سیکنے پیاری صبر کر صبر، تیرا باپ امت رسولؐ پر قربان ہو گیا ہے اور اے باپ کی جان شہیدوں کی میتیں اٹھائی نہیں جاتیں تم خیمہ میں پھوپھی کے پاس جاؤ کہ یہ لشکر دشمن آل رسولؐ ہے، ہائے اس صدا کے ساتھ دونوں دست مبارک بلند ہوئے اور سیکنے کو سینے سے لگا لیا، پھر کہا، بی بی خدا حافظ، شب میں میرے سینے پر سونے کی آرزو نہ کرنا۔ عزادارو، سیکنے ابھی باپ کی میت سے الگ نہ ہوئی تھیں شرِ ظلم آگیا اب میری زبان سے وہ ظلم نہیں بیان ہو سکتے جو



اس شفی نے یتیم سیکنہ پر کیے، سامعین کے تصور پر اس کو چھوڑتی ہوں۔

مجھے اس وقت ایک اور خبر یاد آگئی جس طرح سیدہ کو مدینہ میں شہادت رسول کی خبر ملی اور سیدہ بے چین ہو گئیں کیوں نہ بے تاب ہوتیں باپ بیٹی پر پروانہ وار فردا تھے اور بیٹی نے تو باپ کی امت کی خاطر بڑے بڑے مصائب اٹھائے باپ بھی ایسا شفیق رحیم و کریم کہ خلق مجسم شیریں کلامی ایسی کہ دشمن کا سر بھی جھک جائے پھر بیٹی کو ایسے باپ کے لئے بے تابی کیوں نہ ہوتی آپ کو یاد تو ہوگا کہ وفات سرور کائنات کے بعد سیدہ صرف پچھتر دن اس دار فنا میں زندہ رہیں لیکن بڑی خوش ہوئی ہوگی فاطمہ کو جب دیکھا ہوگا میرے باپ لشکر کفار کے مقابلے کے بعد فتح یاب اور زندہ و سلامت کھڑے ہیں اگرچہ زخمی ہیں لیکن کوئی ضرب شدید نہیں، سب زخم ہلکے ہیں۔ اور پھر علمدار لشکر علی ابن طالب و دیگر صحابی رسول ارد گرد حلقہ کئے ہوئے ہیں۔ بالکل اسی طرح ایک مرتبہ مدینے میں بھی ایک خبر آئی تھی، وہ کب، جب مدینہ ویران ہو چکا تھا بادشاہ مدینہ تاج دار یثرب و بطحا، فخر انبیاء آفتاب امامت، رسول کا یادگار، فاطمہ کا لخت جگر، حیدر کرار کا ورثہ دار، حسن کا قوت بازو، امت رسول کا شفاعت کنندہ، مدینے سے چھٹ کر ایک صحرائے بنے آب و گیاہ میں جا کر کربلا کے ذرات کو خاک شفا بنانے کے لئے اپنا خون بہا چکا تھا۔ ایک بار مدینے میں یہ خبر آئی کہ حسین وطن واپس آرہے ہیں بیرون مدینہ حسین کا لشکر ٹھہرا ہے۔ زنان ہاشمیہ سے ایک لڑکی یہ خبر سن کر چلی ہے کہ فاطمہ صغرا کو ان کے باپ کے آنے کی خبر دے، پہنچی وہ فاطمہ صغرا کے پاس، فاطمہ صغرا اپنے پردیسوں کے فراق میں رو رو کر اتنی تحیف و زار ہو چکی ہیں کہ اٹھا نہیں جاتا، غذا بھی ترک ہے، بستر پر نڈھال ہر وقت پڑی رہتی ہیں ناگاہ اس لڑکی نے آکر کہا اے میری شہزادی رونا موقوف کرو کہ آپ کے بابا کوئی دم آیا چاہتے ہیں میں نے سنا ہے کہ امام

مشرقین بیرون مدینہ ٹھہرے ہیں۔ عزادار و مدت کے بعد صغرانے باپ کے آمد کی خبر پائی خوشی سے اٹھ کر بیٹھ گئیں، جناب ام البنین سے فرمایا اے دادی آپ جا کر خبر لائیں کہ بابا کتنی دیر میں تشریف لائیں گے، بھیا علی اکبر اب تک کیوں نہیں آئے، راہ میں چچا عباس اگر مل جائیں تو کہنا کہ جلد آؤ صغرا کو اب تاب جدائی نہیں ہے۔ الغرض ابھی ام البنین مسافران مدینہ کی خبر لانے کے لئے چلی تھیں کہ ناگاہ بشیر ابن جزلم شہر میں آکر پکارا کہ اے اہل مدینہ کیا بیٹھے ہو سروس پہ خاک ڈالو سیاہ پوش ہو جاؤ کہ مدینہ رہنے کے قابل نہیں رہا تاجدار مدینہ ارض نینوا میں تین دن کا بھوکا پیاسا قتل کر دیا گیا۔ سید سجاد اپنے پدر مظلوم کے جانشین بیرون مدینہ تشریف فرما ہیں اہل حرم بھی سیاہ پردوں کی عماری میں حسین کی سنانی لائے ہیں اور اے اہل مدینہ روضہ رسول میں خواہر حسین امت کی فریاد کریں گی میری زبان سے مصائب حسین نہیں بیان ہو سکتے تم سب وہاں چل کر سید سجاد کو باپ کا پرسہ دو اور روح رسول کو نوا سے کا پرسہ دو۔ لکھا ہے کہ اس آواز کے سنتے ہی مدینہ میں کہرام برپا ہو گیا ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی تمام زن و مرد روتے پیٹتے خاک سروں پر ڈالتے ہوئے روضہ رسول کی طرف چلنے لگے ناگاہ سب نے دیکھا کہ آگے آگے سید سجاد سیاہ عمامہ و سیاہ کفنی گلے میں ڈالے چاک گریبان تشریف لا رہے ہیں پیچھے چند اونٹوں پر بی بیایاں آکر روضہ رسول میں داخل ہوئیں۔ کیوں حضرات صغرا نے یہ خبر پائی تھی کہ حسین آئے ہیں لیکن منادی کی صدا سن کر اس بیمار پر کیا گزری ہوگی لکھا ہے کہ چند عورتوں کے ہمراہ صغرا بھی روضہ رسول میں تشریف لے گئیں لیکن جناب فاطمہ صغرا کو وہاں کوئی دکھلائی نہیں دیتا لوگوں کا جھوم، گریہ و ماتم کا شور بلند تھا ایک ضعیفہ سے کہا اے بی بی مجھ کو میری پھوپھی زینب تک تم پہنچا دو میں ان کے زیارت کی مشاق ہوں ارے ضعیفہ نے ایک مرتبہ صغرا کو گلے سے لگالیا، فرمایا اے



صغرا سچ ہے زینبؓ بلا نصیب اس قابل نہیں کہ کوئی پہچان سکے، اے صغرا میں ہی ستم رسیدہ تیری پھوپھی زینبؓ ہوں۔ اب تو صغرا پھوپھی کے گلے سے لپٹ گئیں باپ کی سنانی سن چکیں تھیں کہا اے پھوپھی اماں بابا نے میرے بلانے کا وعدہ کیا تھا بھیا علی اکبرؓ سے شکوہ کروں گی وہ میرے لینے کو کیوں نہ آئے جناب زینبؓ نے فرمایا صغرا موت نے مہلت نہ دی سینہ پر برجھی لگی پانی پانی کی آواز کے ساتھ جنت کو سدھارے، صغرا نے پوچھا اے پھوپھی اماں پانی کا قسط کیوں تھا سنا ہے کہ بابا ب فرات اترے تھے کہا اے صغرا گھاٹ پر پہرا تھا عباسؓ کے شانے دریا پر کٹ گئے پانی کے لئے میرے شیر نے اپنا خون بہا دیا اب تو جناب صغرا جس جس کو پوچھتی تھیں جناب زینبؓ ہر شہید کی سنانی سناتی تھیں۔ ارے جب صغرا نے کہا بھیا علی اصغرؓ کہاں ہیں جناب زینبؓ نے سرو سینہ پیٹ لیا فرمایا صغرا کیونکر بیان کروں غم سے کلیجہ دو نیم ہے ہائے حسینؓ پر ظلم کی انتہا ہو گئی ایک دوپہر میں بھرا گھر لٹ گیا، ستر و تن لاشیں مقتل سے خیمہ گاہ میں لائے اور لے گئے تین دن کی بیاس سہی وقت ذبح پانی نہ ملا، شمشاہے کو لیکر لشکر اعدا میں جا کر پانی کا سوال کیا، پانی کے بدلے تیر سہ شعبہ سے بچہ کا گلا چھد گیا۔ صغرا کو تاب ضبط نہ رہی اس قدر روئیں اور سینہ پر دو ہتھو مارے کہ غش کر گئیں، جب ہوش آیا لٹے ہوئے قافلہ سے بغل گیر ہوئیں امام زین العابدینؑ کے قدم کے بوسے لئے مگر کیا عرض کروں کہ قدم بوسی میں صغرا نے کیا دیکھا متحیر ہو کر سوال کیا اے بھیا سجادؓ یہ نشان کیسے ہیں سید الساجدینؑ کے اشک رواں ہو گئے فرمایا صغرا جو بابا پر نثار ہوئے وہ شہید ہوئے میں درجہ شہادت سے محروم رہا داغ یتیمی کے ساتھ ساتھ قید کی سختیاں جھیلیں یہ زنجیروں کے نشان ہیں۔ غرض اسی طرح جناب صغرا ہر ایک سے ملتی اور روتی جاتی تھیں ہائے اس گھر میں رونا ایک عام بات ہو گئی کیسے نہ روئیں وہ بلا نصیب جن پر اتنی عظیم مصیبتیں۔

پڑی ہوں لکھا ہے کہ جب صغرا اپنی بہن فاطمہ کبریٰ سے ملیں دیکھا کہ وہاں سکیئہ  
نہیں ماں کی گود پر نظر کی وہ پہلے ہی اجڑ چکی تھی تاب نہ آئی پوچھا سکیئہ نظر نہیں آتی  
ہائے جناب اُمّ ربابؓ نے سرو سینہ پیٹ لیا فرمایا صغرا کس کس کی سنانی سناؤں  
اغلب ہے کہ تم سے سنا نہ جائے گا۔

سفر میں ماں کو وہ بے آس کر گئیں صغرا  
سکیئہ شام کے زنداں میں مر گئیں صغرا

jabir.abbas@yahoo.com



# مجلس شانزدہم فضائلِ جنابِ سیدۃِ عالم شہادتِ حضرت زینبؑ

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةُ بُضْعَتُهُ  
مِنْهُ فَمَنْ إِذَا هَا فَقَدْ أَذَانِي۔

شفیع روز جزا جناب محمد مصطفیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ فاطمہؑ میرے دل کا ٹکڑا ہے جس نے اُس کو اذیت دی اُس نے مجھ کو اذیت دی اور جس نے مجھ کو اذیت دی اُس نے خدا کو اذیت دی اور خدا کو اذیت دینے والا کافر و مشرک ہے۔ جس نے مجھے اور میری ذریت کو دوست گردانا کہ ذریت میری فاطمہؑ اور اُس کی آلِ پاک، اُس نے خدا کو دوست رکھا اور جس نے خدا کو دوست رکھا میں بروز حشر اُس کا شفیع ہوں گا۔

کیا کہنا ہے رسولِ پاک کی بلاغت کا۔ ان مختصر الفاظ میں ایک معانی کا دفتر

پوشیدہ ہے اگر غور کیجئے تو واقعہ غم خدیر پر عمل کر کے رسولؐ نے اپنی بیٹی کو وہ درجہ دے دیا ہے کہ جہاں عالم کی تمام رفعتیں پست نظر آتی ہیں دنیا میں مختلف قسم کے رشتے ہوتے ہیں۔ کوئی عارضی اور کوئی دائمی اور ہر رشتے کے لحاظ سے جو لوگ اس وقت رسولؐ کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں وہ مسلمانوں کی نگاہ میں عزت دار سمجھے جاتے ہیں مگر ہر رشتے میں کچھ نہ کچھ جدائی اور غیریت ضرور ہے لیکن رسولؐ نے اپنی بیٹی کا اپنی ذات کے ساتھ جو تعلق ظاہر کیا ہے۔ اس میں تفرقہ اور جدائی کا پہلو بھی نظر نہیں آتا جزو کل کا رشتہ ایک ایسے گہرے تعلق کا پتہ دیتا ہے جہاں کل کا لحاظ بغیر جزو کے ممکن ہی نہیں ہے پھر جو رسولؐ کے دل کا ٹکڑا ہو اُس سے کسی طرح کا گناہ کب ہو سکتا ہے۔ اس لئے سیدۂ عالم کی عصمت و طہارت بھی صاف ثابت ہے۔ پھر اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ سیدۂ کی زندگی ایک شعبہ ہے رسالت مآب کی زندگی کا۔ یعنی جو کام رسولؐ کی ذات سے متعلق تھا۔ اس میں سیدۂ کا بھی حصہ ہے۔ رسولؐ دنیا کو احکام خدا اور بلند اخلاق کی تعلیم دینے آئے اور دیا یہی آپ کی زندگی کا مقصد تھا۔ صرف لفظی تعلیم نہیں بلکہ عمل سے آپ دنیا کے سامنے نمونہ پیش کرتے تھے تاریخی واقعات میں سے ایک واقعہ خود پڑھا ہے جس میں لکھا تھا کہ ایک غریب عورت کے ایک ہی بیٹا تھا وہ کسی مرض میں گرفتار ہو گیا۔ طبیب نے علاج کے ساتھ اُس کو شیرینی کھانے سے ممانعت کی لیکن وہ لڑکا شیرینی سے بہت رغبت رکھتا تھا اس لئے اپنی عادت کو ترک نہ کر سکا۔ غریب عورت پریشان ہو کر ایک روز خدمتِ رسولؐ خدا میں حاضر ہوئی اور تمام واقعہ بیان کیا۔ حضرت نے اُس سے فرمایا کہ کل اپنے بیٹے کو لے آنا۔ دوسرے دن حسبِ الحکم وہ ضعیفہ مع اپنے فرزند کے خدمت میں حاضر ہوئی۔ اُس وقت تمام اصحاب حضرتؐ کے پیش و گرد حاضر تھے۔ آپؐ نے پسرِ ضعیفہ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ تیرے لئے شیرینی مُضر ہے اس



لئے اس کے کھانے سے درگزر کروہ شخص آپ کے فرمان پر عمل کرنے کو تیار ہو گیا۔ اصحاب نہایت متعجب ہوئے عرض کی یا حضرت یہ بات آپ اس شخص سے کل بھی فرما سکتے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کل میں نے خود شیرینی کھائی تھی اس لئے منع نہ کیا۔ آج میں نے اس لئے ترک کیا کہ اسے منع کر سکوں۔ بہر حال آپ کی تمام سیرت خلق کے لئے بہترین مثال تھی اسی لئے قرآن پاک میں آپ کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ مگر آپ کی یہ عملی سیرت صرف مردوں کے لئے مثال بن سکتی ہے۔ عورتوں کی زندگی کے قاعدے الگ ہیں اور ان کے لئے آپ کے افعال نمونہ نہیں بن سکتے تھے اس لئے ضرورت تھی ایک ایسی ذات کی جو عورتوں کے لئے احکام شریعت اور اخلاقِ حسنہ کا بہترین نمونہ اور مثال ہو۔ اس کے لئے مصورِ قدرت نے رسول کے یہاں فاطمہ زہراؑ کی بیٹی قرار دی جو دنیا کی عورتوں کے لئے ہمیشہ کے واسطے تعلیم و ہدایت کا ذریعہ ہیں۔ اور سیدہ کی یہی وہ خصوصیت تھی جس کی بناء پر رسول سیدہ کی عزت کرتے تھے۔ کسی باپ کو آپ نے نہ سنا ہوگا کہ وہ بیٹی کی تعظیم کو اٹھ جاتا ہو مگر رسول کی یہ عادت تھی کہ جب سیدہ آپ کے پاس حاضر ہوتی تھیں تو آپ تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور مختلف صورتوں سے اظہارِ عظمت و بزرگی کرتے تھے۔ روایت میں ہے کہ جب آپ کسی غزوہ پر تشریف لے جاتے تھے تو جاتے وقت سب سے آخر میں سیدہ سے رخصت ہوتے تھے اور جب واپس آتے تو سب سے پہلے سیدہ کی ملاقات کو تشریف لاتے تھے۔

یہ جناب فاطمہ زہراؑ کی عزت اس لئے تھی تاکہ امتِ رسول کی نگاہیں آپ کی طرف مڑیں اور وہ آپ کی سیرت کو دیکھ کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ سیدہ عالم نے خانہ داری اور شوہر کے ساتھ اعلیٰ برتاؤ عورت کے عام طریقہ زندگی

کے ہر راستے میں اپنے نقش قدم شمع کی طرح لو دیتے ہوئے چھوڑے ہیں۔ سیدہ نے علیؑ کے مکان میں آکر دنیا کی کوئی راحت و آرام نہیں اٹھایا۔ گھر کا تمام کاروبار سیدہؑ اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں یہاں تک کہ جھاڑو دینا اور کپڑے دھونا۔ چرخہ کاٹنا۔ چکی پینا۔ آپ کو ان تمام کاموں میں ہر طرح کی تعلیم کا پرتو ملے گا۔ اجرت پر چرخہ کاٹنا بتلاتا ہے کہ حصولِ معاش میں آپ علیؑ کا ہاتھ بٹایا کرتی تھیں۔ تبلیغ اسلام میں یہودی کے یہاں بزمِ شادی میں شرکت اور یہودی عورتوں کو فائز بہ اسلام کرنا۔

مشہور حدیث ہے آپ رسولِ خدا کی اکلوتی صاحبِ زادی تھیں جو دو جہاں کے مالک و مختار تھے اس لئے نہایت شاندار زندگی بسر کر سکتی تھیں لیکن خادمہ نہ رکھ کر ہم غریبوں کی عزت رکھنا مقصود تھی۔ ہم کو عمدہ تعلیم دینے کی غرض تھی۔ ہم کو کابلی اور سستی سے نجات دلانا پیشِ نظر تھا۔ پردہ آپ کا وہ تھا کہ جس کی شان میں آیۃ ائما نازل ہوئی۔

جس طرح رسول کے بعد علیؑ اور یکے بعد دیگرے ہمارے بارہ امام سیرت رسول کی زندہ تصویریں تھیں۔ اسی طرح سیدہ عالم کے بعد آپ کی صاحبزادی ثانی زہراؑ کا لقب پا کر مشہور ہوئیں اور کیوں نہ ہوتا جب کہ اُس گھر کی کنیز کو بھی حضوری کے سبب خدا نے وہ رتبہ دیا جس پر ہم فخر کرتے ہیں۔ جنابِ فضہ کے لئے طعامِ جنت کا آنا۔ اُمّ ایمن کے لئے حالتِ پیاس میں پانی کی ڈوپچی آسمان سے آنا۔ ان مخدرات کی عظمت پر انتہائی روشنی ڈالتا ہے۔ یہ ہستیاں اپنی مخدراتِ عصمت کے نقش قدم پر چلنے والی اور سچی پیروی کرنے والیاں تھیں۔ کربلا کی درد انگیز فضا میں مردوں کے دوش بدوش عورتوں نے بھی عدمِ المثل کا رنامے انجام دیئے۔ نبیؐ کے نواسے پر جب چاروں طرف سے ظلم و ستم کی گھٹا اُمنڈ آئی تو دینِ رسول کی بقا



کے لئے ماؤں نے اپنے دل کے ٹکڑوں کو، بہنوں نے اپنے بھائیوں کو دو ہفتے کی بیاہی اور ایک شب کی بیاہی لہنوں نے اپنے اپنے نواسہ کو حسین کے لشکر کی زینت بنا دیا۔ قربان گاہ کر بلا پر اسلام کو بچانے کے لئے ان فرض شناس بیبیوں نے اپنی ساری دولت قربان کر دی۔ مادرِ وہب نے جب اپنے نوجوان فرزند کو نصرتِ حسین کے لئے آمادہ کر لیا تو سترہ روز کی بیاہی لہن نے اپنا رنڈا پانچوشی منظور کر لیا۔ یہاں تک کہ دولہا کے ساتھ وہ مومنہ خود بھی شہادت کے درجے پر فائز ہوئی۔

سحر یہ بنتِ مسعود کا شوہر جب قربان گاہ کر بلا پر باؤنواں شہید بن چکا تو اس مومنہ نے ۵۳ واں شہید بنانے کے لئے اپنے کم سن اور کم عمر بچے کو بھی اسلام پر قربان کیا۔ اسی طرح زوجہٴ مسلم ابن عوجہ نے اپنے کم سن بچوں کو زوجہٴ جناب عباسؓ نے اپنے ناسمجھ بیٹوں کو بیوہ حسنؓ نے کئی فرزندوں کو خصوصاً حضرت قاسمؓ، جناب امّ لیلیٰ نے اپنے کزلیل جوان فرزند حضرت علی اکبرؓ جو شبیہ رسولؐ تھا ماں اور پھوپھیوں کا لاڈلا باپ کا عصائے پیری تھا اسے حفاظتِ دین کے لئے قربان کیا۔ جناب ربابؓ نے تو کفر و نفاق کے قلعے کو ہمیشہ کے لئے خاکستر کر دیا۔ اور اسلام کو قیامت تک کے لئے محفوظ اور زندہ کر دیا۔ حضرت علی اصغرؓ کی شہادت نے اسلام کو سر بلندی دی۔ نفاق کے قلعے کو خاکستر کر دیا۔ لیکن اسلام کو تلوار کا مذہب نہ بننے دیا۔

لیکن شانِ عانی زہرا ان تمام مخدرات سے عظیم ہے۔ کیوں نہ ہوتی یہ قائم مقام سیدہٴ عالم تھیں۔ فاطمہؓ کا شیر آپؐ نے پیا تھا۔ حیدرِ کراڑ جیسے کُنِ ایمان کی صاحبزادی تھیں۔ رسولِ برحقؐ کی نواسی تھیں۔ سردارِ جوانانِ جنات کی ہمیشہ تھیں سیرتِ فاطمہؓ کی زندہ تصویر تھیں۔ سیدہٴ عالم کے بعد دونوں بھائی آپؐ کو ماں کی جگہ سمجھتے تھے۔ مصائب بھی مادرِ گرامی کی طرح آپؐ کو ورثہ میں ملے تھے آپؐ وہ تھیں

جن کی پیدائش کے وقت رسول مختار کچھ یاد کر کے روئے تھے۔ آپ کا رونا دیکھ کر سیدہ عالم کو تشویش ہوئی۔ عرض کیا بابا اس بچی کی ولادت پر بجائے مسرت کے یہ اظہار غم کیوں ہے کیا یہ اپنے ہمراہ کوئی خبر بد لائی ہے۔ کیا فاطمہؓ اب بن ماں باپ کی ہو جائے گی یا میرا سرتاج کسی غزوے میں کام آئے گا۔ یازنہؓ بن بھائیوں کی ہو جائے گی یا میں دارِ فانی سے کوچ کروں گی۔

تب رو کے محمدؐ نے کہا اے میری پیاری اس وقت تو رحلت نہ ہے میری نہ تمہاری انجام پر زینبؓ کے ہے رقت مجھے طاری (۱) ہے اس کے مقدر میں فقط نالہ و زاری زینبؓ سی گرفتارِ بلا کوئی نہیں ہے ہم بچپن پاک کی یہ سوگ نشیں ہے

پہلے تو یہ ہوئے گی عزادارِ پیہر اور بعد کئی دن کے ملے گا غمِ مادر روئے گی تیرے پہلوئے زخمی کو پکڑ کر (۲) پھر آنکھوں سے دیکھے گی یہ زخمی سرِ حیدر پھر تفرقہ ڈالے گا فلک بھائی بہن میں

فلکڑے دلِ شہر کے گنے گی یہ لگن میں پر سب سے زیادہ ہے اسے ماتمِ شیر جب کربِ دہلا میں اسے لے جائے گی تقدیر کیا کیا نہ ستم دیکھے گی واں زینبِ دلگیر (۳) تڑپے گا حسینؑ آنکھوں کے نیچے تہِ ششیر جن بازوؤں پر دیتا ہوں بوسے میں دہن سے

بندھ جائیں گے بازو یہی اک روز رسن سے (مرزا دبیر)

غرض کہ جناب زینبؓ نے اپنے بھائی کے ساتھ نانا کے دین کو قائم رکھنے کے لئے برابر کا ساتھ دیا۔ حسینؑ نے نانا کا روضہ، ماں کی قبر، بھائی کے مزار کو خیر باد کہا۔ زینبؓ نے بھی گھر بار چھوڑ کر حسینؑ کا ساتھ دیا۔ حسینؑ نے اپنے لختِ ہائے دل کو ہمراہ لیا۔ زینبؓ نے بھی اپنی بضاعت کو ساتھ میں لیا۔ حسینؑ نانا کی عبا اور



عمامہ پہن کر تبلیغ اسلام کو چلے۔ زینبؓ بھی سیدہ کی چادر اوڑھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں میدانِ کربلا میں پہنچ کر رسولؐ کی نواہی نے اپنے ایثار و ہمت اور جوشِ ایمان کا مظاہرہ کیا کہ آج تک مثال باقی ہے۔ حسینؓ نے علی اکبرؓ کو میدان کی اجازت دی زینبؓ نے دو لہا بنا کر بھیج دیا۔ حسینؓ نے عباسؓ کو پانی پلانے کا حکم دیا۔ زینبؓ نے علمِ رسولؐ میں مشکیزہ باندھ دیا۔ حسینؓ اپنے رفقاء کی لاشیں مقتل سے لائے۔ زینبؓ نے اُن کی صفِ ماتم بچھائی۔ حسینؓ نے علی اصغرؓ کو قتل گاہ لے جانے کا ارادہ کیا۔ زینبؓ نے جھولے سے اٹھا کر آپ کے ہاتھوں پر رکھ دیا۔ حسینؓ لاشِ فرزندِ نوجوان کو اٹھانے چلے زینبؓ بھی سہارے کے لئے بڑھیں۔ حسینؓ شمشاہ کی لاش لے کر درخیمہ تک آئے۔ رنج و غم کے سبب قدم نہ اٹھے۔ زینبؓ نے بڑھ کر بچے کی لاش کو گود میں لے لیا۔ حسینؓ نے اپنے جگر پارے کو نانا کی شریعت پر ابھی قربان نہ کیا تھا۔ زینبؓ نے اپنے جگر پاروں کو دو لہا بنا کر میدان میں بھیج دیا۔

اللہ اللہ یہ ایثار! یہ محبتِ برادرانہ! فدا ہو جائیں جانیں ہماری ثانی زہرا پر۔ آپ نے نانا کے دین پر احسان کیا۔ نانا کی اُمت پر احسان کیا۔ آپ نے وہ کیا جو آج تک طبقہٴ نسواں میں فخر کی نگاہوں سے دیکھا اور سنا جاتا ہے۔ حسینؓ کی شہادت کے بعد زینبؓ نے کئی فرائض بہ یک ساتھ ادا کئے۔ لٹے ہوئے قافلے کی سرداری کی۔ خیامِ حسینی کی حفاظت کی۔ بیمار بھتیجے کی خدمت کی۔ امامِ وقت کی پیروی کی۔ کوفہ اور شام کے بازاروں میں بے پردہ پھر کر اُمت کی پردہ داری کی۔ وہ تماشائی جو قیدیوں کو بہ نگاہِ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اُن کے دلوں پر جنابِ زینبؓ نے اپنے فصیح و بلیغ خطبوں سے ایمان کا نقش کندہ کر دیا۔

روایت میں ہے کہ آپ کا خطبہ سن کر تمام کوئی اور شامی زار و قطار رونے لگے۔ دربارِ یزیدِ پلید میں جب آپ کو لے جایا گیا اور سرِ اقدس حسینؓ مظلوم کا زیرِ تخت

رکھا گیا۔ خولی بد گہر لوٹ کا سامان لے کر آگے بڑھا، کہا۔

”اے اہل شام یہ حسینؑ کا پیرا ہن ہے جسے پہن کر وہ دعوائے حکومت لے کر ہمارے سامنے آئے تھے۔“

اُس وقت یزید پلید نے جناب زینبؑ کو مخاطب کر کے کہا۔

”اے بنتِ علی مرتضیٰؑ کیا یہ پیرا ہن اس قابل ہے؟“ آپ نے بڑے صبر و ضبط سے کام لے کر ارشاد فرمایا کہ۔

”اے پسر معاویہ! اے ہندہ جگر خوارہ کے پوتے، رسولؐ کے نواسے کو شہید کر کے تو نے فتح حاصل نہیں کی جب تو جہنم کے عذاب میں داخل کیا جائے گا تو اُس وقت پچھتا کر کہے گا کہ کاش دنیا میں میرے ہاتھ شل ہو جاتے اور زبان گوئی ہو جاتی کہ میں اُن میں سے کسی کو دکھ نہ پہنچاتا۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ یا زبان سے کسی کو نقصان نہ پہنچے اور تو نے ذریتِ رسولؐ پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھادیئے جس کا تو کلمہ پڑھتا ہے۔“

زمانہ اسیری ختم کر کے جب آپ واردِ مدینہ ہوئیں تو اہل مدینہ کو شہادتِ حسینؑ کے حالات سنائے۔ قبرِ نبیؐ آپ کے بیان سے لرزش میں آگئی۔ زنانِ بنی ہاشم نے آپ کے مصائب پر منہ پر طمانچے مارے۔ رنج و غم کے سبب ایسی حالت ہو گئی تھی کہ جنابِ عبداللہ جب سفر سے واپس آئے تو آپ کو نہ پہچانا۔ تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے جس طرح سیدہ عالم رسولؐ کی وفات کے بعد ہمیشہ روتی رہیں اسی طرح زینبؑ خاتون واقعہ کربلا کے بعد تا زندگی روتی رہیں اور روتے ہی روتے جان دی۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ آپ کو وطن میں آئے گزرا تھا کہ یزیدِ نخس نے امامِ غریب کی اسیری کا پھر حکم دیا۔ دخترِ فاطمہؑ اس مرتبہ بھی بھیجتے کی رفاقت کو اٹھ کھڑی ہوئیں۔ مخدومہ عالم کے ساتھ فضہ بھی چلیں۔



یہ مختصر قافلہ راہِ شام طے کرنے لگا۔ شب میں ایک مقام پر منزل کی۔ پھوپھی بھتیجے عبادت میں مشغول ہو گئے۔ ناگاہ جنابِ زینبؑ کو اسی مقام پر بھائی کے خون کی خوشبو محسوس ہوئی۔ یاد آیا کہ یہیں میرے بھائی کا سر معلق کیا گیا تھا۔ عاشق حسینؑ تھیں۔ بھائی کی کشش ایک طرف لے چلی۔ بوجہ ضعف و صدمہ ایک باغیچے میں غش کھا کر گریں۔ ادھر پانی رکنے سے باغبان ہاتھ میں بیلچے لئے ہوئے دریافتِ حال کے لئے آیا۔ آہ۔ آہ۔ اُس ملعون نے حالتِ غشی ہی میں معصومہ کے سر پر بیلچے کی ضرب لگائی اور ثانی زہراؑ اسی ضرب سے شہید ہو گئیں۔

ادھر جنابِ فضہؑ اپنی شہزادی کی تلاش میں آئیں۔ دیکھا کہ سرِ اقدس سے خون جاری ہے اور لب پر ہائے حسینؑ کی صدا ہے۔ فضہ نے یہ حال دیکھ کر سر و سینہ پیٹ لیا۔ بڑھ کر بیمار امام کو خبر دی۔

”اے غریبوں کے والی پھوپھی عالمِ غربت میں کوچ کر گئیں۔“

## نوحہ

(تصنیف:- محسنہ بیگم نقوی)

|                 |      |                  |      |
|-----------------|------|------------------|------|
| دخترِ حیدرؑ     | شہید | زہراؑ کی دلبر    | شہید |
| خواہرِ شہرؑ     | شہید | زینبؑ مضطر       | شہید |
| حضرتِ زینبؑ     | شہید | حضرتِ زینبؑ      | شہید |
| شاہ کی یکس بہن  |      | عاشقِ شاہِ زمن   |      |
| دخترِ خیبرِ شکن |      | تھی جو اسیرِ محن |      |
| حضرتِ زینبؑ     | شہید | حضرتِ زینبؑ      | شہید |
| قلب پہ صدمے لئے |      | رنجِ ہزاروں      | سہ   |

گھونٹ لہو کے پئے      شکوے نہ کچھ بھی کئے  
 حضرت زینبؓ شہید      حضرت زینبؓ شہید  
 بیٹوں کو صدقے کیا      بھائی کی ہو رو بلا  
 لوٹے نہ دور قضا      ماں کا مرے گھر بھرا  
 حضرت زینبؓ شہید      حضرت زینبؓ شہید  
 آیا دوبارہ جو نہیں      حکم امیرِ لعین  
 قید ہوں عابدِ حزیں      تُوں کے یہ غمگیں ہوئیں  
 حضرت زینبؓ شہید      حضرت زینبؓ شہید  
 ساتھ میں سجاد کے      رختِ سفر باندھ کے  
 ہو کے جدا کنبے سے      موت چلی گھر کے  
 حضرت زینبؓ شہید      حضرت زینبؓ شہید  
 منزلیں کچھ طے ہوئیں      گونے کی گلیاں ملیں  
 شام کے جس دم قرین      پہنچے تھے عابدِ حزیں  
 حضرت زینبؓ شہید      حضرت زینبؓ شہید  
 آگیا لو وہ شجر      جس میں کہ تھا یہ اثر  
 فرقِ شہِ بحر و بر      باندھا تھا یاں رات بھر  
 حضرت زینبؓ شہید      حضرت زینبؓ شہید  
 بھائی کے خوں کی مہک      آئی جو بھینا تلک  
 پیٹ کے سر یک بیک      دیکھا تھا سوئے فلک  
 حضرت زینبؓ شہید      حضرت زینبؓ شہید  
 لب پہ تھا بھائی کا نام      اور نہ تھا کچھ بھی کام



نائقے سے اترے امام کی وہیں منزل تمام  
 حضرت زینبؓ شہید حضرت زینبؓ شہید  
 حق کی عبادت میں آہ ہو گئے مصروف شاہ  
 فضلہ نے آکر کہا ہو گئے ہم پھر تباہ  
 حضرت زینبؓ شہید حضرت زینبؓ شہید  
 سن کے یہ حال عجیب روئے امام غریب  
 بولے کہ ہوں بدنصیب موت نہیں ہے قریب  
 حضرت زینبؓ شہید حضرت زینبؓ شہید  
 آئے سر لاشِ امام زینبؓ عالی مقام  
 روئے بہت سر کو تھام اور کیئے کچھ کلام  
 حضرت زینبؓ شہید حضرت زینبؓ شہید  
 یکس و تنہا امام زار و حزیں تشنہ کام  
 کیسے کرے گا یہ کام رونے کا ہے یہ مقام  
 حضرت زینبؓ شہید حضرت زینبؓ شہید  
 مومنو باصد محن آئے ہیں شاہِ زمن  
 ہو کے اسیر محن بھائی کی عاشق بہن  
 حضرت زینبؓ شہید حضرت زینبؓ شہید  
 روتے ہیں سب مومنیں کہتے ہیں ہو کر حزیں  
 ہو یہی غم دل نشیں اور نہ ہو غم کہیں  
 حضرت زینبؓ شہید حضرت زینبؓ شہید  
 محسنہ باصد الم روک لے اپنا قلم روحِ امامِ ام آئی ہے بادرِ غم

زینبؓ عالی ہم ایک نگاہ کرم

حضرت زینبؓ شہید حضرت زینبؓ شہید

سواری جناب زینبؓ

(تصنیف:- محسنہ بیگم نقوی)

اٹھا تابوت اُس کا جو نبیؐ کے کنبے والی ہے  
علیؑ و فاطمہؑ کی گود میں جو پلنے والی ہے  
جناب شہرؑ و شیرؑ کو جو رونے والی ہے  
دیارِ شام کے بازار میں جو پھرنے والی ہے

عزیزو یہ اُسی مظلوم زینبؓ کی سواری ہے  
علیؑ کے دور میں کوفہ کی شہزادی تھی جو بی بی  
ردا سر سے ہٹی تو خوف سے نکلا نہ سورج بھی  
نہ پہچانا کسی نے مرتبہ جس کا وہ شہزادی  
اسیرو سر برہنہ! بھائی پر رو بھی نہ سکتی تھی

عزیزو یہ اُسی مظلوم زینبؓ کی سواری ہے  
کیا بچوں کو صدقے دولت اپنی یوں نچھاور کی  
کہ اس صدقے سے بچ جائے گی جاں میرے برادر کی  
جو تھی پروانے کے مانند شیدا روئے اکبرؑ کی  
بلا کے بن میں جس نے صف بچھائی تھی بہتر کی

عزیزو یہ اُسی مظلوم زینبؓ کی سواری ہے  
رہی تھی شام کے زنداں میں قیدی ایک مدت تک  
زلالتے ہی رہے کوئی و شامی ایک مدت تک



جو تھی اپنے وطن سے دور بی بی ایک مدت تک  
اسیرِ غم رہی حیدر کی بیٹی ایک مدت تک  
عزیزو یہ اسی مظلوم زینب کی سواری ہے  
اٹھایا فرض کا بارِ گراں امت کی خاطر سے  
پہن لیں خود رضا کی بیڑیاں امت کی خاطر سے  
اٹھائیں جس نے لاکھوں سختیاں امت کی خاطر سے  
نہ لائی لب پہ غم کی داستاں امت کی خاطر سے  
عزیزو یہ اسی مظلوم زینب کی سواری ہے  
اڑاؤ خاک انھیں زینب چمچے ہیں دل میں نشتر سے  
ضروری ہے بلند آواز ہو گریے کی ہر گھر سے  
اٹھا کر ہاتھ مانگو یہ دعا زہرا و حیدر سے  
بڑھے اس انجمن کا مرتبہ بس آپ کے در سے  
کنیزو یہ اسی مظلوم زینب کی سواری ہے

# مجلس ہفتہ ہجری دعائے خلیل شہادت حضرت علی علیہ السلام

انسان کی یہ خواہش مقضائے فطرت ہے کہ اس کی اولاد ایسی ہو کہ جس سے اس کا نام روشن ہو ہر شخص کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ اس کی اولاد شہرت دائمی اور منصب جلیل کی مالک ہو۔ ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد راحت و آرام سے رہے۔ کرتے ہیں سب ایک ہی خواہش یعنی اولاد کے لئے چین و آرام کی لیکن مختلف طریقوں سے۔ جو شے جس کو پسند ہوتی ہے وہ اسی کی خواہش اپنی اولاد کے لئے کرتا ہے۔ صرف عام انسانوں ہی میں یہ شے نہیں بلکہ خاصانِ خدا بھی اس تمنا کے متمنی اس امید کے رجائی نظر آتے ہیں۔ ہر شخص خواہ امیر ہو خواہ غریب سب کو نیک اور نصیب ور اولاد کی خواہش ہوتی ہے۔ دنیا میں کہیں کوئی غریب باپ اپنے بیٹے کے لئے دولت مانگتا ہے۔ اور کہیں کوئی امیر باپ اپنی اولاد کے لئے شہرت لی



خواہش کرتا، کہیں کوئی مصوری کا شیدا اپنی اولاد کو تصور کی دنیا میں ایک بڑا مصور فطرت و شاعر جذبات فطرت دیکھتا ہے اور کہیں کوئی شاعر باپ اپنی اولاد کو شاعری کے نقطہ عروج پر اور سیم و زر کے پہاڑوں پر کھڑے ہوئے دیکھتا ہے اور ان خواہشوں سے خاصانِ خدا بھی خالی نظر نہیں آتے۔ کہیں ابو البشر ہابیل سے نیک اولاد پر اپنی تمناؤں اور آرزوؤں کی لاش پر مصروفِ ماتم نظر آتے ہیں اور کہیں قیامت خیز طوفان میں عالم کو درہم و برہم کر دینے والی موجوں میں تنکے کی طرح اچھلتی کودتی ایک کشتی پر باپ اپنے بیٹے کے لئے مصروفِ دعا نظر آتا ہے کبھی چونک کر باپ بیٹے سے مخاطب ہوتا ہے۔ بیٹا تو بھی اس کشتی پر چلا آ۔ آپ پہچانیئے یہ کون باپ ڈوبتی ہوئی تمناؤں سے کبریٰ دل لئے کھڑا ہے۔ یہ خدا کے نبی و رسولِ نوحؑ ہیں جو اپنے ناخلف بیٹے کو دستِ موج کے سپرد کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ حضرت نوحؑ فرما رہے ہیں۔ بیٹا تو بھی آ جا بچ جائے گا۔ لیکن ناخلف بیٹا یہ سمجھتا ہے کہ اس پہاڑ کی طرح (معاذ اللہ) میرے باپ کا دل بھی سخت ہے۔ اور بیٹا پہاڑ پر زیادہ اعتماد کرتا ہے۔ باپ پر اعتماد نہیں کرتا۔ سرکش موجیں لیے قیامت خیز طوفان چلاتا کہ اپنے طرح کے سرکش انسان کو بھی اپنے ہی ملا لے باپ کا دل تڑپنے لگا۔ خداوندِ ایہ تو میری اولاد ہے۔ اُدھر سے آواز آئی لیس من اھلک اور دنیا دیکھ رہی تھی ایک ایسا نافرمان بیٹا کہ جو باپ اور خدا کسی کا کہنا نہیں مانتا اور ایک ایسا فرمانبردار باپ کہ جو فرمانِ الہی پر اپنی اولاد کو دستِ موج کے سپرد تڑپتی ہوئی لہروں کے حوالے کر دینے پر تیار ہے۔ کشتی نوح بڑھی اور اٹھتی ہوئی موجوں نے میلوں دور کشتی کو دھکیل دیا۔ قلعہ پہاڑ پر متمکن بیٹا دورِ افق کے آغوش میں چھپ جانے والی کشتی کو دیکھتا رہا لیکن دل پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ آخر سرکش موجوں نے بڑھ کر ہاتھ پکڑا اور کشتی فنا میں سوار کر دیا۔ زمانے کی کشتی اور آگے بڑھی اب جناب

یعقوبؑ کا زمانہ آیا۔ جناب یعقوبؑ کبھی یوسفؑ کو دیکھتے ہیں۔ جذباتِ محبت سے لبریز دل چھلکنے لگتا ہے۔ کبھی دوسرے بیٹوں کو دیکھتے ہیں اور آبِ خوف سے مخمور چشم بہنے لگتی ہے۔ دل اگر چھلکا تو وہ بھی جذباتِ محبت کی طغیانی کی وجہ سے اور اگر چشم نے دریائے اشک رواں کیا تو وہ بھی اولاد کی محبت کی وجہ سے اور ان واقعات کو دیکھتا ہوا زمانہ بڑھتا گیا۔ جناب ابراہیمؑ آئے تو وہاں بھی یہی جذبہ نظر آتا ہے ابراہیمؑ نے درگاہِ باری تعالیٰ میں مناجات فرمائی خداوند اہم دونوں (یعنی اسمعیلؑ) کو اپنا فرمان بردار قرار دے اور ہماری اولاد میں سے ایک گروہ کو اپنا اطاعت شعار بنا اور ہم کو ہمارے اصول ہدایتِ تعلیم فرما۔ حالانکہ اسمعیلؑ سا فرزند مل چکا تھا لیکن اب بھی آرزوئے ابراہیمؑ خواہشِ خلیل ختم نہ ہوئی تھی یا معلوم ہوا کہ اسمعیلؑ سے بھی زیادہ ذی مرتبہ اولاد کے خواہش مند تھے چنانچہ وعائے خلیل بارگاہِ اقدس میں مستجاب ہوئی اور اولادِ ابراہیمؑ میں چند ذاتیں ایسی خلق ہوئیں جن کے واسطے سے حضرت آدمؑ سے لے کر تمام پیغمبرانِ خدا کی مناجاتیں بارگاہِ ایزدی میں قبول ہوئیں۔ غرض کہ ان سب مثالوں کو دیکھتے ہوئے کہنا پڑا کہ خواہ کوئی ہو امیر ہو یا غریب عاصی ہو یا معصوم ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ اس کو نیک اولاد عطا ہو۔ اور خدا ہر ایک کو حسبِ مرتبہ اولاد عطا فرماتا ہے۔ جناب ابراہیمؑ بھی نبی تھے اور اولوالعزم نبی۔ خدا نے اولاد بھی دی وہ بھی نبی۔ لیکن اپنی ذریت میں بھی ایک گروہ کو مثل اپنے مانگ رہے ہیں اور خدا نے دعا قبول بھی کی۔

ایک ایسا گروہ ملا کہ جس کا عالین میں مثل و نظیر نہ تھا جس پر خود خداوند عالم فخر و مباہات فرماتا ہے۔ محمدؐ ایسا نبی۔ فاطمہؑ ایسی معصومہ، علیؑ ایسا وصی۔ اور حسینؑ جیسے فرزند کہ جن پر قدرتِ مباہات فرماتی ہے، نبوتِ فخر کرتی ہے۔ امامتِ ناز کرتی ہے، عصمتِ شان دکھاتی ہے۔ دنیا اپنا سرتاج سمجھتی ہے، آخرت اپنا سردار مانتی ہے،



جن وبشر اپنا مولا مانتے ہیں۔ غرض قدرت نے ان ذوات مبارکہ کو جناب ابراہیمؑ کی نسل سے قرار دیا کہ جن کی برکت سے آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی نوحؑ کی کشتی پار لگی جن کی برکت سے آتش کدہؑ نمرودی گلزار خلیل بن گیا جن کے لئے عالم وجود میں آیا فطرت راہ سلامتی پر جلوہ افروز ہوئی۔ ان میں کا ہر ایک ان فضائل کا مالک تھا کہ جن کا کوئی ملک مالک تھا نہ کوئی انسان قابض تھا نہ کوئی دیگر مخلوق، کس کس کا ذکر کیا جائے۔ حسنینؑ سردار شباب اہل الجنتہ ہیں، وہ جنت کہ جہاں تمام عالم کی منتخب مخلوق ہوگی زیورات فضائل سے آراستہ لوگ ہوں گے۔ جہاں نبیؐ بھی ہوں گے وصیؑ بھی ہوں گے۔ جہاں یوسفؑ اور سلیمانؑ بھی۔ غرض ہر وہ شخص کہ جو فضائل کا مالک ہوگا وہاں موجود ہوگا اور ان سب کے سردار حسنینؑ ہوں گے (نعرہ صلوٰۃ) علیؑ کا ذکر کروں تو جن و ملک کی عبادت ایک طرف اور علیؑ کے دستِ الہی کی حرکت کی فضیلت دوسری طرف۔ جن کی ایک سانس کے ثواب کی یہ جزا کہ تمام جنت عدن کی اس سانس کے مقابل میں کوئی فضیلت نہیں پھر اگر اس رات کی تمام سانسوں کو جمع کر کے جس رات علیؑ بستر رسولؐ پر آرام فرما رہے تھے، ان کی فضیلت کے مقابل میں جزا لائی جائے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا جزا ہوگی۔ نہ جانے کتنی جنتیں اور بنائی جائیں۔

ارشادِ الہی ہے۔

وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ، وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ (سورہ تکویر آیت ۱۷، ۱۸)

اور رات کی قسم جب ختم ہونے کو آئے، اور صبح کی قسم جب سانس لینے لگے۔ جناب فاطمہؑ کے ذکر کو لیجئے تو رسولؐ یہ کہتے نظر آئیں گے کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو سیدہؑ کا کوئی کفو نہ تھا وہ علیؑ کے جو تمام انبیاء کے جدا جدا فضائل کے مرقع تھے اگر علوم میں دیکھتے تو ہر علم میں کامل علیؑ سے زیادہ کوئی مُفسر کتاب خداوندی نہیں خود آپؐ

فرماتے تھے کہ اگر میرے لئے مسند بچھائی جائے اور میں اس پر بیٹھوں تو اہل توریت کے لئے ان کی توریت سے اور اہل انجیل کے لئے ان کی انجیل سے اور اہل زبور کے لئے ان کی زبور سے اور اہل قرآن کے لئے ان کے قرآن سے حکم کروں۔ قرآن کی تفسیر میں یہ عالم کہ ساری رات صرف بائے بسم اللہ کی تفسیر میں گزر جائے اور پھر بھی تفسیر ختم نہ ہو علم حدیث کو دیکھئے صحابہ رسول میں اور صحابہ کے علاوہ بھی کوئی آپ سے زیادہ احادیث نہیں جانتا تھا۔ علم قرأت کو دیکھئے تو ابو عبد الرحمن، کہ جو قرأت کے استاد مانے گئے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ جناب امیر سے زیادہ بہتر ہم نے کسی کو قاری نہیں پایا۔ علم فقہ کو دیکھئے تو خود رسول فرماتے تھے کہ میرے بعد میری امت میں علی ابن ابی طالب سب سے زیادہ قضا والا ہے۔ روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ دو شخص متواتر ایک عورت کے پاس امانت رکھوا گئے اور کہہ گئے کہ جب تک ہم دونوں ساتھ نہ آئیں تم روپے واپس نہ دینا۔ ایک سال کے بعد ان میں کا ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میرا دوست مر گیا ہے تم دینار واپس کر دو عورت نے یہ سن کر وہ مر گیا ہے دینار اسی شخص کو دے دیئے۔ کچھ دن کے بعد ان میں کا دوسرا شخص آیا اور کہنے لگا کہ لاؤ دینار۔ عورت نے کہا کہ تمہارا ساتھی یہ کہہ کر کہ میرا دوست مر گیا ہے مجھ سے دینار لے گیا یہ سن کر وہ شخص عورت سے لڑنے لگا اور کہنے لگا میں کیا جانوں ہم نے یہ شرط کی تھی جب تک ہم دونوں نہ آئیں تم دینار واپس نہ کرنا پھر تم نے کیوں دیئے۔ آخر دونوں جھگڑا کرتے ہوئے خلیفہ وقت کے پاس پہنچے اور سبب بیان کیا خلیفہ وقت (عمر) کے جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو حضرت علی کے پاس دونوں کو بھیج دیا۔ حضرت نے جب سب واقعہ سنا تو سمجھ گئے کہ عورت سے دونوں نے مکر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے شخص تو نے تو یہ شرط کی تھی کہ جب تک دونوں ساتھ نہ آئیں دینار مت دینا تو جا اور اس دوسرے کو بھی بلا لا تیرا



مال ہمارے پاس ہے وہ شخص یہ سن کر خاموش و شرمندہ واپس چلا گیا غرض یہ تو ایک نہایت معمولی مثال ہے ورنہ کتابیں آپ کے عجیب و غریب لیکن مافوق الفطرت فیصلوں سے بھری پڑی ہیں۔ غرض کہ حضرت علیؑ کے جس علم کو لیجئے تو اس کی مثال نہیں ملتی کہ کوئی دوسرا بھی حضرت کے برابر علوم سے واقف ہو۔ علم الفرائض، علم کلام، علم نحو، علم صرف، منطق، فلسفہ، تصوف، فصاحت، علم الشعر، علم الکتابت، علم الزویا، علم حساب، علم ہیئت غرض کہ ہر علم میں کامل ابن عباس سے روایت ہے کہ لوگوں کو علم پانچ حصوں پر منقسم کیا گیا ہے۔ جن میں سے چار حصے حضرت علیؑ کو دیئے گئے اور باقی تمام لوگوں پر ایک حصہ تقسیم کیا گیا اور اس حصے میں بھی حضرت علیؑ کو شریک کیا گیا اور اس حصے میں بھی حضرت علیؑ سب سے زیادہ علم پانے والے تھے۔ غرض ان ہی باتوں کی وجہ سے تو حضرتؑ نے فرمایا کہ انا مدینۃ العلم و علی بابہا۔

عالم میں کون ہے کہ جو اس ولی محمدؐ کا ثانی نظر آئے عقل کہتی ہے کہ نہیں کوئی نہیں۔ تاریخیں نفی میں جواب دیتی ہیں۔ جن کے صفات و فضائل کے آگے مورخین کی زبان قلم بند ایسا وصیؑ نبی اور ان کے رسولؐ کا یہ کہنا کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو سیدہؑ کا کوئی کفو نہ تھا تو اسی سے ظاہر و باہر ہے کہ جناب سیدہؑ طاہرہ کی پیش خدا اور رسولؐ کیا منزلت تھی۔ اب رسولؐ کا ذکر کیجئے تو میں کہوں گی کہ کسی صاحب چشم کے سامنے چمکتا ہوا سورج ہو اور پھر اس کو بتلایا جائے کہ اس سورج میں یہ چمک ہے اور یہ روشنی ہے بس اتنا کہوں گی کہ جس قدر علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ کے فضائل آپ کو نظر آئیں گے ان کو آپ حضرت کی ذات میں بھی درجہ کمال پر دیکھیں گے اور اس کو دیکھ کر خود حضرت رسولؐ خدا نے فرمادیا کہ اول و آخر و اوسط سب ہی محمدؐ ہیں جو علیؑ و دیگر آئمہؑ ہیں وہ محمدؐ ہیں اور جو محمدؐ ہیں وہ دیگر چہارہ معصومینؑ ہیں۔ ادھر

آسمانِ اسلام پر چہارہ معصومین معرفت الہی کے مہر و ماہ و انجم بنے ہوئے ساری دنیا پر اپنی صو ڈال رہے تھے اور غالباً وہاں ابراہیم و اسمعیل اپنی دعا کے مقبول ہونے پر اپنے خالق کا سجدہ شکر ادا کر رہے ہوں گے۔

یہاں تک تو علیؑ کے علوم تھے اور اگر فضائل کو دیکھئے تو زہد میں سب سے زیادہ زاہد، صبر میں سب سے زیادہ صابر، تقویٰ میں کامل، تواضع میں ماہر، حسنِ خلق میں مشہور، حلم میں معروف، شفقت علی الخلق سب سے زیادہ، حقوق الناس کے سب سے زیادہ ادا کرنے والے، عدل میں عدیل، حیا میں بے نظیر، حافظے میں حفیظ، غیرت میں کامل، فراست میں ماہر، سرعت فہم میں بے مثل، صداقت میں سب سے زیادہ صدیق، امامت میں قول رسول من کنٹ مولا، خلافت میں مالک بلا فصل، طہارت میں آیۃ انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس۔ مالک عصمت میں معصوم، عبادت میں تمام دنیا و جہان سے بڑھ کر عابد، خلوص قلب فی الصلوٰۃ میں یہ عالم کہ جسد اقدس سے پیوستہ تیر نکال لیا جائے اور خبر تک نہ ہوئی۔ سخاوت میں یہ مرتبہ کہ آیۃ انما ولیکم اللہ و رسوله والذین آمنو۔ کے مصداق بن گئے خود آپ کے دشمن آپ کی سخاوت کے قائل اور کیوں نہ ہوں جب کہ علیؑ نے بحالت ضرب اپنے ہی قاتل کو جام شیر بھجوا دیا۔ اس طرح مہمان نوازی کا یہ عالم کہ اگر معمول کے موافق کچھ دن تک کوئی مہمان نہ آئے تو حضرت مصروف گریہ۔ اصابت رائے میں کوئی آپ کا ہمسر نہیں، حسنِ سلوک کے دشمن تک مداح جس کا ثبوت واقعہ جمل ہے کہ آپ نے جنگ فتح کرنے کے بعد کس طرح سے جنابِ عائشہ کو کتنے احترام سے روانہ کیا۔ اس کے علاوہ دیگر واقعات بھی شاہد ہیں کہ حضرت کا سلوک کیسا تھا اسی طرح کرم ایسا کہ خود کریم فخر کرے، جہاد کی مع تمام اقسام جہاد کے ہر صفت میں افضل، خواہ جہاد با النفس ہو یا جہاد با اللہ یا جہاد



بالدعوت ہو یا جہاد بالسیف برزالایمان کلمہ کے مالک شجاعت میں بے نظیر جس کے سامنے شجاعان عرب کا نپتہ تھے خوف خدا کا یہ عالم کہ ایسا نفس بانفیس امام حالت جماعت میں بوجہ خوف مالک دو جہاں آپ کا رنگ اقدس زعفرانی ہو جاتا تھا یہی وجہ تھی ایسے شجاع ہوتے ہوئے حضوری پروردگار کے خیال میں ۱۹ ماہ مبارک کی شب میں حضرت نے تمام شب بہ اضطراب ٹہل ٹہل کر گزاری چونکہ آپ کی یہ حالت کسی نے کبھی نہ دیکھی تھی اس لئے آپ کی صاحب زادی جناب ام کلثوم سے اپنے پدر بزرگوار کی یہ حالت دیکھ کر ضبط نہ ہو سکا اور آخر پوچھ ہی لیا کہ بابا میری جان آپ پر خدا ہو میں نے حضرت کو کبھی ایسے اضطراب میں نہیں پایا کیا صبح کسی بڑے پہلوان سے مقابلہ ہے فرمایا علیؑ نے کہ بیٹی صبح کو علیؑ کی ملاقات اس سے ہوگی جو بادشاہوں کا بادشاہ اور سارے عالم کا مالک و مختار ہے۔

کچھ اعتبار زیست نہیں سر پر ہے اجل گزرے اگر یہ شب تو خدا جانے کیا ہوکل  
انساں کو چاہئے کہ نہ غافل ہو ایک پل دل جس سے ہو توئی کوئی ایسا نہیں عمل

کیا دیکھئے مال ہو عبد ذلیل کا

در پیش سامنا ہے خدائے جلیل کا

وہ شب تڑپ تڑپ کے علیؑ نے جو کی بسر آیا غضب کا روز نمایاں ہوئی سحر  
پڑھ کر دعا کسی اسد اللہ نے کمر گھر چھوڑ کر چلے شہ والا خدا کے گھر

شبیر اٹھا کے تیغ چلے ساتھ باپ کے

مرغابیاں لپٹ گئیں دامن سے آپ کے

ہر چند انھیں ہٹاتے تھے سلطان بحر و بر منقاروں سے چھوڑتے تھے نہ دامن وہ جانور

فرمایا بیٹیوں سے یہ میری ہیں نوحہ گر تم ان کے دانہ پانی کی رکھو ذرا خبر

پہلے یہ سیر ہو لیں تو تم کھانا کھائیو

اتم میں باپ کے نہ انھیں بھول جائیو

یہ کہہ کے کھولنے جو لگے در کو مرتضیٰ زنجیر در جگہ سے نہ ہنتی تھی مطلقاً  
 لکھا ہے زور فاتح زنجیر نے جب کیا زیب کمر جو تھا وہ کمر بند ٹھل گیا  
 الٹی جو آستین تو زنجیر ہٹ گئی  
 لیکن کمر سے شیر خدا کے لپٹ گئی

زنجیر کو ٹھٹھا کے چلے شاہ بحر و بر دیکھا کہ پیچھے پیچھے حسن ہیں برہنہ سر  
 فرمایا تم کدھر چلے اے پارہ جگر گھر میں نماز آج پڑھو صدقے ہو پدر

تہا ہیں دونوں بیٹیاں شیر الہ کی  
 جاؤ تمہیں قسم ہے رسالت پناہ کی  
 ناچار پھر کے آئے حسن شاہ نیک خو بہنوں کو صحن خانہ میں دیکھا کشادہ منو  
 پانی امام زادے نے مانگا پئے وضو سجدے میں واں نمازی کا بہنے لگا ہو

آواز جبرئیل کی آئی غضب ہوا

فریاد ہے کہ قتل امیر عرب ہوا

مسجد سے آئے گھر میں سکتے شہ امم دو ٹکڑے تاجیں تھیں سر پاک ہے ستم  
 اکیسویں کی شب کو غش آتے تھے دم بدم ساقی تھی نبض پچھلے سے اکھڑا ہوا تھا دم

تڑکا تھا نور کا کہ سفر کر گئے علی

سب شیعہ بے امام ہوئے مر گئے علی

اجڑا رسول پاک کا گھر وا مصیبتا نظروں سے چھپ گیا وہ قمر وا مصیبتا

بیکس ہوئے غریب پسر وا مصیبتا سر سے اٹھا علی سا پدر وا مصیبتا

ماتم کرو رسول خدا کے وزیر کا

پیٹو کہ آج غم ہے جناب امیر کا



# مجلس ہجہ ۱۸ حکم قصاص شہادت حضرت علی علیہ السلام

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْقُرْآنِ الْمَجِيدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيدِ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (سورة البقرة آیت ۱۷۹)

جناب اقدس الہی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ اے صاحبان عقل تمہارے واسطے قصاص میں زندگی ہے۔ حکم قصاص بھی منجملہ ان احکام کے ہے جن کی خوبی پر جس طرح کتاب و سنت و اجماع یعنی قرآن و حدیث اور علماء کے اقوال متفق ہیں اسی طرح عقل بھی اس کی خوبی کو تسلیم کرتی ہے۔ ہر حکومت میں قانون قصاص موجود ہے اگرچہ عنوان مختلف ہے۔ ہر قوم میں اس کا رواج ہے اگرچہ ایک کا طریق قصاص دوسری قوم کے طریق قصاص سے جدا ہے۔ اسلام میں بھی یہ قانون ہے اور نہایت سختی کے ساتھ اس کی پابندی کا حکم ہے۔ لیکن از بسکہ قصاص کا ظاہری

عنوان اس شخص کو جس سے قصاص لیا جائے اور اس کے وارثوں کو مکروہ معلوم ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مثلاً کان کے عوض میں کان اور ناک کے بدلے میں ناک کا کاٹنا جانا بلکہ جان کے عوض میں جان کا جانا کس کو ناگوار ہوگا۔ بات یہ ہے کہ تکلیف پہنچانے والا جب کسی کو تکلیف پہنچاتا ہے تو اس کو خود اس تکلیف کا مطلق احساس نہیں ہوتا حالانکہ وہ تکلیف واقع ہو چکتی ہے لیکن چونکہ اس کا تعلق تکلیف پہنچانے والے کے نفس سے نہیں ہوتا اس واسطے بعد وقوع واقعہ بھی اس کو وہ تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ مگر جب قصاص کا سامنا ہوتا ہے تو از بسکہ اس کا تعلق اس کے نفس سے ہوتا ہے لہذا قبل از وقوع واقعہ یعنی قصاص لئے جانے کے پیشتر ہی اس کو بھی اس کی تکلیف محسوس ہونے لگتی ہے اور اس کے وارثوں کو بھی اور یہ وہ چیز ہے جو ہمارے مشاہدہ میں بھی آچکی ہے کہ جہاں کوئی قاتل ماخوذ ہوا اس کی نظر میں موت پھرنے لگی اس کے گھر میں کہرام مچ گیا تدبیریں ہونے لگیں کوششیں کی جانے لگیں کہ کسی طرح یہ بچ جائے یعنی اس سے قصاص نہ لیا جائے لیکن اگر قاتل سے پوچھا جائے کہ مقتول پر کیا گزری اور اس کے وارثوں سے سوال کیا جائے کہ اس کے عزیزوں کی کیا حالت ہوگی تو یہ بھی چپ رہ جائے گا اور وہ بھی خاموش نظر آئیں گے کیونکہ احساس ہی نہیں ہے اور اگر کہیں قبل از جرم اس شخص کو جس سے قصاص لیا جائے گا اذیت قصاص کا احساس ہو جائے تو پھر ان جرائم کا سلسلہ ہی منقطع ہو جائے جن میں قصاص لیا جاتا ہے۔ پس چونکہ قصاص کا ظاہر اس کو جس سے قصاص لیا جائے تلخ محسوس ہوتا ہے اور اس کے وارثوں کو بھی بد نظر آتا ہے لہذا ضرورت ہوئی کہ حق سبحانہ تعالیٰ اس کی باطنی حلاوت اور پوشیدہ اچھائی کو آشکار فرما دے اور یہ بتا دے کہ جس کو تم لوگ اپنے حق میں برا سمجھتے ہو وہی تمہارے حق میں اچھا ہے اور جس کا ظاہر تم کو تلخ محسوس ہوتا ہے اس کا باطن نہایت شیریں ہے بلکہ جس کو تم موت سمجھتے



ہو وہ تمہاری واسطے حیات ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَا اُولٰٓئِیَ الْاَلْبَابِ اے صاحبان عقل قصاص میں جو بظاہر فنا ہے تمہاری زندگی کا راز مضمر ہے اور وہ اس طرح کہ زندگی کی دو قسمیں ہیں ایک شخصی زندگی دوسرے نوعی زندگی جس کو آج کل کی اصطلاح میں قومی زندگی کہتے ہیں تو قصاص میں اگرچہ شخصی زندگی فنا ہو جاتی ہے لیکن قومی زندگی فنا ہونے سے بچ جاتی ہے اس واسطے کہ قصاص ہی وہ چیز ہے جس کے خوف سے قتل عام رکھا ہوا ہے ورنہ اپنے دشمن کو کون زندہ چھوڑتا بلکہ علاوہ دشمنی کے اور جس قدر قتل کے باعث ہوا کرتے ہیں وہ بھی سب کامیاب ہوئے بغیر نہ رہتے اور اس میں انسان کی قومی زندگی معرض تلف میں ہو جاتی حکم قصاص نے یہ نظام نوعی برقرار رکھا ہے اور اسی کو جناب اقدس الہی نے حیاتِ انسانی فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ اے عقل مند تمہارے واسطے قصاص میں حیات ہے۔

اس آیت میں ایک امر ذرا غور کے قابل ہے اور وہ یہ کہ قصاص تو عام طور سے معقول معلوم ہوتا ہے اور آیت میں بھی بظاہر کوئی تخصیص مسلم اور غیر مسلم کی نہیں ہے مگر تفسیر دیکھنے سے اور احکام شرع پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم قصاص اہل اسلام سے مخصوص ہے یعنی ایذا اہل اسلام اپنی شرائط کے ساتھ باعث قصاص ہوگی ایذا دینے والا چاہے مسلمان ہو چاہے کافر ہو۔ لیکن اگر ایذا دہندہ مسلم ہو اور جس کو ایذا دی جائے وہ کافر ہو تو اس صورت میں قصاص نہیں ہے پس اس کی کیا وجہ ہے۔

اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ خدا کے نزدیک قابل احترام صرف وہی نفوس ہیں جو سیرت و اخلاق میں بھی ویسے ہی انسان ہوں جیسے کہ صورت و شکل میں انسان ہیں اور جو لوگ محض صورت کے آدمی اور سیرت میں بالکل جانور ہیں ان کی

جانیں خدا کے نزدیک اسی طرح محترم نہیں جس طرح ان کے نزدیک جانوروں کی جانیں قابل احترام نہیں ہیں کیونکہ خدا کے نزدیک وہ بالکل جانور بلکہ جانوروں سے بدتر ہیں اور عقل بھی یہی بتاتی ہے اس واسطے کہ ایک دیوانہ سے دیوانہ پن کی حرکتیں اگر سرزد ہوں تو ہرگز قابل اعتراض نہیں لیکن اگر ایک عقلمند وہی حرکتیں کرے تو اس کو دیوانہ سے بدتر سمجھنے میں کس کو تا مل ہو سکتا ہے اسی طرح خدا نے انسان کو تمام قوتوں میں جانوروں کا شریک قرار دیا ہے مگر انسان کو قوت عقل کے ساتھ مخصوص اور جانوروں سے ممتاز کیا ہے پس اگر انسان نے باوجود قوت عقل و فہم کے وہی تمام کام کئے جو ایک جانور بے عقل ہونے پر کرتا ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ اپنی ضرورت کے موافق کرتا ہے اور یہ اپنی ضرورت کے موافق کرتا ہے مگر کام دونوں کے ایک ہیں پس کیا وجہ ہے کہ اس صورت میں اس آدمی کو جانور سے بدتر نہ کہا جائے اس واسطے کہ جانور نے جو کچھ عقل نہ پانے پر کیا اس نے وہی عقل پانے پر کیا لہذا خدا نے جو اس کو عقل عطا فرمائی تھی اس کا کوئی جائز و صحیح مصرف ہوا ہی نہیں۔

پس جب جناب اقدس الہی کے نزدیک علاوہ صاحبان ایمان کے ہر انسان جانور بلکہ جانور سے بھی بدتر ہے اور جانوروں کی جانیں خدا کے نزدیک قابل احترام نہیں ہیں کیونکہ ان کو تو اس نے انسان ہی کے نفع کے واسطے اور اس پر بہت سی آیتیں شاہد ہیں اور ہم خود شب و روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ خدا کے پیدا کئے ہوئے جانور طرح طرح سے ہمارے کام آتے ہیں۔ بعض جانوروں کا گوشت ہماری غذا ہے ان کی کھالوں سے مختلف ضروری چیزیں ہمارے واسطے بنائی جاتی ہیں ان کی اُون سے طرح طرح کے کپڑے تیار ہوتے ہیں بعض جانور ہماری سواری کے کام آتے ہیں، بعض بار برداری کے کام آتے ہیں، بعض جانوروں کی



خوش الحانی ہمارے واسطے فرحت افزا ہوتی ہے، بعض حیوانوں کے نقش و نگار اور ان کی صورتیں ہمارے دلوں کو لبھاتی ہیں، بعض جانور دواؤں میں کام آتے ہیں، بعض جانور ہمارے واسطے سامان زینت فراہم کرتے ہیں کچھ ریشم بناتے ہیں کچھ موتی اگلتے ہیں کچھ جانور وہ چیزیں بناتے ہیں کہ جو ہماری غذا بھی ہیں اور دوا بھی ہیں بعض جانور تجارت میں ہمارے کام آتے ہیں غرضیکہ دریائی جانور ہوں یا صحرائی۔ انسی ہوں یا وحشی، چرندے ہوں یا درندے، مرغان ہوں یا حشرات الارض ہر ایک میں سینکڑوں منفعتیں ہر ایک میں ہزاروں فائدے ہیں۔

پس اب ہم کو اختیار ہے چاہے اپنے نفع کی چیز کو باقی رکھ کے اس سے فائدہ اٹھائیں چاہے اس کو فنا کر کے اس کے نفع سے محروم ہو جائیں نہ ان کو باقی رکھنے میں خدا کی خوشی نہ ان کے فنا کر دینے میں وہ ناراض۔ یہی باعث ہے کہ قتل حیوانات میں کوئی گناہ نہیں ہے اور نہ قصاص ہے اسی طرح غیر مسلم انسان بھی چونکہ اس کے نزدیک مثل جانوروں کے ہیں لہذا نہ ان کو قتل میں گناہ ہے نہ ان کا شرع میں قصاص ہے۔ بلکہ جانوروں میں تو اگر قتل بے قاعدہ اور بے محل ہو تو بعض مقامات پر گناہ کا بھی احتمال ہے جیسا کہ ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ ایک عورت نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا جس کی وجہ سے وہ مارے پیاس کے مر گئی اور اسی گناہ کے بدولت وہ عورت جہنم میں جائے گی مگر قتل کفار کے متعلق کوئی ایسی روایت نہیں ملتی معلوم ہوا کہ خدا کے نزدیک قتل کفار قتل حیوانات سے بھی بے وقعت ہے۔

قرآن مجید اور حدیثوں میں جہاں جہاں عذاب قتل یا قصاص کا ذکر ہے وہاں مقتول کا مومن ہونا یقینی ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر خدا فرماتا ہے کہ جس شخص نے کسی صاحب ایمان و اسلام و کامل الدین کو قتل کیا پس اس کی سزا وہی ہے جو کہ ہے

یعنی اس کی سزا ناگفتہ بہ ہے۔ دوسرے مقام پر فرماتا ہے کہ جس شخص نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ کے واسطے رہے گا۔

لیکن عذاب آخرت ہو یا دنیوی قصاص ہو جو کچھ بھی ہے وہ قتلِ عمد میں ہے اور قتلِ خطا میں نہ عذاب آخرت ہے نہ قصاص دنیوی بلکہ اس میں محض دیت یعنی خون بہا دینا لازم ہوگا بشرطیکہ مقتول کے وارث معاف نہ کر دیں اور اگر وہ خون بہا معاف کر دیں تو قاتل دنیا و آخرت دونوں میں بال بال بچ جائے گا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خون بہا کا ادا کرنا قاتل پر لازم نہیں ہوتا بلکہ بیت المال سے ادا کیا جاتا ہے جیسا کہ مروی ہے ایک مرتبہ زمانہ خلافت حضرت علی علیہ السلام میں آپ کے سپاہیوں نے ایک مزبلہ پر ایک لاش پائی اور اسی مقام پر ایک شخص کو اس حالت میں دیکھا کہ خون آلود چھری اس کے ہاتھ میں تھی آپ کے سپاہیوں نے فوراً اس کو گرفتار کر لیا اور لے کر چلے ناگاہ ایک اور شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ یہ بے چارہ بے قصور ہے اس مقتول کا قاتل دراصل میں ہوں سپاہیوں نے اس کو بھی گرفتار کر لیا اور حضرت کے سامنے پیش کیا حضرت نے پہلے اس شخص سے پوچھا کہ بتا کیا واقعہ ہے اس نے عرض کیا کہ یا علی میں ایک قصاب ہوں میں نے ایک بکری ذبح کی تھی ناگاہ مجھے پیشاب معلوم ہوا میں اسی حالت سے دشنہ بکف اس مزبلہ پر پیشاب کرنے آیا یہاں آکر یہ لاش دیکھی اور آپ کے سپاہیوں نے مجھے گرفتار کر لیا۔ میری یہ حالت اور اس لاش کے پاس موجود ہونا ایسا تھا کہ انکار کچھ مفید نہ تھا لہذا میں نے قتل کا اقرار کر لیا۔ حضرت نے اس دوسرے شخص سے پوچھا کہ بتا تو کیا کہتا ہے اس نے کہا یا علی یہ شخص بالکل بے قصور ہے حقیقت میں قاتل اس مقتول کا میں ہوں حضرت نے فرمایا کہ بلاؤ میرے فرزند حسنؓ مجتبیٰ کو وہ اس مقدمہ کا فیصلہ



کریں امام حسن علیہ السلام بلائے گئے جب ان جناب نے مقدمہ کی روداد سنی تو فرمایا کہ یہ شخص اگرچہ قاتل ہے اور اس نے ایک جان لی مگر اس کے ساتھ ہی ایک جان بچائی بھی یعنی اس قصاب کی جان جو کہ بالکل بے قصور ہے اور خدا فرماتا ہے کہ جس نے ایک شخص کی جان بچائی اس نے تمام انسانوں کی جان بچائی لہذا قصاص اس سے نہ لیا جائے گا بلکہ مقتول کے وارثوں کو بیت المال میں سے خون بہا دے دیا جائے۔ اللہم صلی علی محمد و آل محمد بہر طور قتل عمد کی ایک خاص صورت تھی جس میں قاتل قصاص اور خون بہا دونوں سے بچ گیا اور توبہ کرنے پر عذاب آخرت سے محفوظ رہنا بھی رحمت الہی کا مقتضا ہے لیکن عام طور سے اگر کوئی شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر بغیر حق کے قتل کرے تو اس کا قصاص بھی ہے اور عذاب آخرت بھی ہے۔

اور جس قدر مقتول کا مرتبہ درگاہ باری میں زیادہ ہوگا اسی قدر قاتل کا عذاب زیادہ ہوگا مثلاً مقتول اگر علاوہ مومن ہونے کے عالم دین بھی ہے تو عذاب قاتل کہیں زیادہ ہو جائے گا اور کہیں اس کے ساتھ ہی وہ مقتول سیّد بھی ہے تو اور عذاب بڑھ جائے گا۔ اور اگر مقتول مومنوں کا سردار اور امیر المومنین ہے تو پھر قاتل کے عذاب کی انتہا نہیں ہے جیسا کہ عبدالرحمن ابن ملجم مرادی ملعون کہ اس نے ہمارے آقا و پیشوا صی رسول زونج حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو ماہ رمضان المبارک کی اونیس تاریخ مسجد کوفہ میں بحالت روزہ و نماز شہید کیا چنانچہ روایت میں وارد ہوا ہے کہ جب اس شقی نے شمشیر زہر آلود حضرت کے سر اقدس پر لگائی تو وہ تلوار اس مقام پر پڑی جس مقام پر عمر بن عبدالود عامری کی تلوار بروز جنگ خندق پڑی تھی اور یہی باعث تھا کہ آپ کا سر مبارک پیشانی اقدس تک شگافتہ ہو گیا اور آپ منہ کے بل گر پڑے اور فرمایا بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ

اس وقت ایک منادی نے ندا کی خدا کی قسم ہدایت کے ارکان منہدم ہو گئے۔ ابن عم رسول شہید ہو گیا۔ جب آواز حضرت کے مکان میں گئی تو امام حسنؑ اور امام حسینؑ علیہما السلام بہ نالہ و گریہ گھر سے جانب مسجد روانہ ہوئے جب مسجد میں پہنچے عجب قیامت دیکھی۔ دیکھا کہ حضرت محراب عبادت میں خون میں ڈوبے ہوئے ہیں امام حسن علیہ السلام نے عرض کیا کہ بابا آپ کو کس شقی نے قتل کیا حضرت نے فرمایا کہ پسر یہودیہ عبدالرحمن بن ملجم مرادی نے۔ عرض کیا کہ وہ شقی کس راستے سے گیا آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اس کی تلاش میں نہ جائے کیونکہ وہ خود عنقریب اس دروازے سے آیا چاہتا ہے اور ہاتھ سے بابِ کندہ کی طرف اشارہ کیا یہ فرما کر حضرت کو غش آگیا ابھی ایک ساعت گزری تھی کہ ایک غل بلند ہوا لوگ دیکھنے لگے ناگاہ شیعیان علی ابن ملجم کو گرفتار کئے ہوئے مسجد میں لائے اس طرح کہ کوئی اس کو لعنت کرتا تھا اور کوئی مارتا تھا۔

امام حسن علیہ السلام نے اپنے بابا کی خدمت میں عرض کیا کہ اے بابا یہ خدا کا عدو اور آپ کا دشمن گرفتار ہو کر حاضر ہوا ہے حضرت نے کوئی جواب نہ دیا ایک ساعت کے بعد جب ہوشیار ہوئے تو امام حسن علیہ السلام نے پھر عرض کیا کہ یہ آپ کا دشمن ابن ملجم آپ کے سامنے حاضر ہے اس وقت حضرت نے آنکھ کھول کر ابن ملجم کو اس حال میں دیکھا کہ اس کی مشکیں بندھی ہوئی ہیں اور اس کی تلوار اس کی گردن میں لٹکی ہوئی ہے۔

پس آپ نے نہایت ضعیف آواز سے فرمایا کہ کیوں ابن ملجم کیا میں تیرا برا امام تھا جس کا تو نے میرے ساتھ یہ عوض کیا۔ کیا میں تجھ پر شقیق نہ تھا۔ کیا میں تجھ پر احسان نہ کرتا تھا۔ کیا میں تجھ کو اوروں سے زیادہ نہ دیتا تھا۔ یہ کلام حضرت کا سن کر وہ شقی رونے لگا اور کہنے لگا کہ یا امیر المومنین کیا کسی جہنمی کو آپ جہنم سے نکال سکتے



ہیں حضرت نے فرمایا یہ تو تو نے سچ کہا اس کے بعد امام حسن علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے بیٹا حسن رحم کرو اپنے قیدی پر اور نرمی و شفقت کرو کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس کی آنکھیں کاسہ سر میں در آئی ہیں اور اس کا دل خوف کے مارے کانپ رہا ہے۔ امام حسن علیہ السلام نے عرض کیا کہ بابا اس شقی نے تو آپ کو قتل کیا اور ہم کو آپ کے غم میں رنجیدہ کیا اور آپ ہم کو اس کے ساتھ نرمی کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا ہاں اے بیٹا ہم اہل بیت کا یہی طریقہ ہے کہ اپنے مجرم پر رحم و کرم کرتے ہیں۔ دیکھو بیٹا تم کو میرے حق کی قسم جو خود کھانا وہی اس کو کھلانا اور جو خود پینا وہی اس کو پلانا اور دیکھو اس کے پاؤں میں بیڑیاں نہ ڈالنا اس کے ہاتھ میں ہتکڑیاں نہ پہنانا اور اگر میں مر جاؤں تو اس سے یوں قصاص لینا کہ اس کو ایک ضربت لگانا اور اس کی لاش کو آگ میں جلا دینا مگر دیکھو خبردار اس کے اعضاء کو پارہ پارہ نہ کرنا کیونکہ میں نے تمہارے نانا رسول خدا سے سنا ہے کہ سگ گزندہ کے بھی اعضاء پارہ پارہ نہ کرنا چاہئے اور اگر میں بچ گیا تو بہت ممکن ہے کہ اس کو معاف کر دوں اس کے بعد زہر کا اثر حضرت کے جسم اقدس میں زیادہ پھیلنے لگا اور حنین علیہم السلام آپ کو گھر میں لے آئے جب آپ گھر میں پہنچے تو ایک شور گریہ و بکا بلند ہوا حضرت نے سب کو تسلی دی اور امر بصیر فرمایا۔ کوفہ میں ایک شخص تھا جس کا نام حبیب تھا وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے سامنے حضرت کا زخم سر کھولا گیا اس نے زخم کو دیکھ کر کہا کہ یا امیر المومنین یہ زخم آپ کا کچھ بھی نہیں ہے اور آپ کے متعلق کوئی خوف کی بات نہیں ہے حضرت نے فرمایا کہ اے حبیب، خدا کی قسم میں ابھی تم سے جدا ہونے والا ہوں حبیب کہتا ہے کہ میں پھر سن کر رونے لگا۔ جناب زینبؓ اور جناب اُم کلثومؓ پس در کھڑی ہوئی یہ باتیں سن رہی تھیں وہ بھی رونے لگیں حضرت نے پوچھا کہ کیوں اے زینبؓ و اُم

کلوٹم کیوں روتی ہو بیٹیوں نے عرض کیا کہ آپ نے اپنی خبر مرگ دی اس پر ہم رونے لگے، حضرت نے فرمایا کہ نہ روؤ اگر تم وہ دیکھتیں جو میں دیکھتا ہوں تو نہ روتیں۔ حبیب نے عرض کیا یا علیؑ آپ کیا دیکھ رہے ہیں حضرت نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں ملائکہ آسمان اور انبیاء جو کہ ایک کے پیچھے ایک کھڑے ہوئے ہیں تاکہ مجھ سے ملاقات کریں اور یہ میرے بھائی محمد رسول خدا میرے پاس بیٹھے ہوئے فرما رہے ہیں کہ آؤ جس حال میں تم ہو اس سے وہ حالت تمہارے واسطے بہتر ہے جو تمہارے آگے ہے۔ اصغ ابن نباتہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر اور سب تو چلے گئے مگر میں نہ گیا تھوڑی دیر کے بعد گھر سے پھر رونے کی آواز بلند ہوئی میں پھر رونے لگا امام حسنؑ پھر نکلے اور فرمایا کہ میں نے تم سے نہیں کہا کہ چلے جاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ فرزند رسولؐ کیا کروں دل نہیں مانتا اور میرے پاؤں نہیں اٹھتے میں چاہتا ہوں کہ حضرت کو دیکھ لوں یہ کہہ کر میں پھر رو دیا۔ امام حسنؑ گھر میں گئے اور پھر باہر آ کر مجھ سے فرمایا کہ اندر آ جاؤ، جب میں اندر گیا تو دیکھا کہ ایک زرد عمامہ سے آپ کا سر بندھا ہوا ہے اور حضرت اسقدر ضعیف ہو گئے ہیں اور چہرہ اس قدر زرد ہو گیا ہے کہ میری سمجھ میں نہ آیا کہ عمامہ زیادہ زرد ہے یا آپ کا چہرہ زیادہ زرد ہے یہ دیکھ کر میں حضرت کے پاؤں پر گر پڑا اور بوسے لینے لگا اور روتا جاتا تھا حضرت نے فرمایا اصغ کیوں روتا ہے خدا کی قسم میں جنت میں جا رہا ہوں۔ میں نے عرض کیا خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ آپ جنت میں جائیں گے مگر روتا اس پر ہوں کہ مجھے ایسا آقا کہاں ملے گا۔ اور شب و روز تک حضرت کا یہی عالم رہا لوگ برابر آپ کے خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپ کی مصیبت پر گریہ و بکا کرتے تھے اور آپ سے سوالات کرتے تھے اور حضرت جواب دیتے تھے اور زہر کا اثر آپ کے جسم اقدس میں زیادہ سرایت کرتا جاتا تھا یہاں تک کہ پاہائے مبارک تک زہر پہنچ گیا اور لوگ



حضرت کی زندگی سے مایوس ہو گئے اور ایک شور گریہ و بکاء بلند ہوا حضرت نے تھوڑا دودھ طلب فرمایا جب ایک کاسہ میں دودھ حاضر کیا گیا تو حضرت نے لے کر سب نوش فرمایا ناگاہ آپ کو اپنے قاتل کا خیال آیا اور فرمایا کہ یہ میرا آخر رزق تھا اس واسطے میں نے سب پی لیا اور تمہارے قیدی کے واسطے کچھ نہ چھوڑا بیٹا حسن تمہیں خدا کی قسم ایسا ہی دودھ لا کر اس کو پلاؤ پس فوراً ویسا ہی دودھ ابن ملجم کے واسطے بھیجا گیا اور اس شقی نے پیا۔ یہ واقعہ تاریخی ہے جو ہم لوگوں تک پہنچا ہے کہ بلا والوں کو اس کی خبر نہ ہو یہ مشکل ہے۔ تھی خبر اور ضرور تھی مگر افسوس کسی نے اس کا کچھ اثر نہ لیا اور حضرت کے فرزند غریب امام حسینؑ کو وقت آخر تک ایک قطرہ پانی میسر نہ ہوا اور وہ جناب العطش العطش الماء الماء کہتے ہوئے دنیا سے سدھارے اور اپنے شیعوں کو یہ وصیت کر گئے کہ اے میرے شیعوں جب تم ٹھنڈا پانی پینا تو مجھے یاد کر لینا اور جب کسی مسافر یا شہید کا حال سُنا تو مجھ پر گریہ و زاری کرنا۔

# محفل میلاد

## برکاتِ ماہِ رجب

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ  
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَلِكَ الَّذِينَ الْقِيَمُ ۝ فَلَا تَظْلِمُوا  
فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ (سورہ توبہ آیت ۳۶)

أَرْبَعَةٌ أَشْهُرٌ (آیت ۲) الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ (آیت ۵)

حرمت کے چار مہینے ہیں، محرم، رجب، شعبان اور ذی الحجہ

(سورہ توبہ آیت ۲ اور ۵)

بے شک اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب میں، جس دن اُس نے آسمانوں اور  
زمین کو خلق کیا، مہینوں کی کتنی بارہ مہینے ہیں، اُن میں سے چار (محرم، رجب،  
شعبان، اور ذی الحجہ) حرمت کے مہینے ہیں، یہی سیدھا راستہ ہے۔ پس اُن کے  
معاملے میں (ان کے احترام کو ضائع کر کے) اپنے نفسوں پر ظلم نہ کرو، (آیت ۳۶)



ارشاد ہوا

بے شک اُن حرمت کے مہینوں کو نظر انداز کر دینا کفر میں زیادتی کرنا ہے

(آیت ۳۷)

اسلام کے ماہ ہائے عربیہ سے ایک ماہ رجب بھی ہے یوں تو ہر ماہ اسلامیہ اپنے اپنے مقام پر ایک اہمیت اور عظمت رکھتا ہے کوئی مہینہ ایسا نہیں ہے جس میں اسلام کا کوئی نہ کوئی غیر معمولی واقعہ یا سانحہ یا ولادت و وفات یا شہادت نہ واقع ہوئی ہو مگر عمومی حیثیت سے تمام مسلمان عالم بجز دو ایک مہینوں کے حالات مثل محرم وغیرہ کے اور مہینوں کے خصوصیات سے بالکل نابلد ہیں عام مسلمانوں کا ذکر نہیں بلکہ اگر تحقیق سے دیکھا جائے تو اکثر و بیشتر ہم میں ایسے نکلیں گے جو سوائے خاص مہینوں کے مخصوص تواریخی حالات کے اور دیگر مہینوں کی خوبیوں سے ناواقف ہوں گے۔ اس ماہ رجب کی تیرہ<sup>۱۳</sup> اور بائیس<sup>۲۲</sup> تاریخ سے تو آپ ضرور واقف ہوں گے کیوں کہ تیرہ<sup>۱۳</sup> رجب کو ولادت جناب امیر علیہ السلام کے عموماً جا بجا جلے ہوا کرتے ہیں اس لیے یہ تاریخ ذہن سے فراموش نہیں ہوئی۔ دوسری بائیس<sup>۲۲</sup> رجب کی بھی تاریخ نہیں بھولی جاسکتی کیونکہ اس میں گھر گھر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے کوٹھڑے ہوتے ہیں اور اس میں طرح طرح کی مٹھائیاں پوریاں میٹھی نکلیاں وغیرہ حضرت کے طفیل میں کھانے کو ملتی ہیں۔ بھلا یہ تاریخ کھانے کی کیوں بھولنے لگے البتہ اس رجب کی اور خصوصیت اور فضائل خاص و نیز اس کے جو اور حالات ہیں ان سے ضرور ناواقف ہیں۔

ماہ رجب کی خصوصیات میں ایک تو یہ خصوصیت ہے کہ اس ماہ میں نہ صرف ابوالائمہ جناب امیر ہی کی ولادت باسعادت ہوئی ہے بلکہ اس کی یکم کو جناب امام محمد باقر علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور رجب کی ۱۵ تاریخ کو جناب سیدۃ نساء

العالمین رخصت ہو کر حضرت امیر المومنینؑ کے گھر آئیں (شیخ ذبیح مصلاتی لکھتے ہیں کہ یکم ذی الحجہ کو حضرت فاطمہ زہراؑ کا عقد ہوا اور ۱۵ رجب کو رخصتی ہوئی) پانچ رجب کو امام علی نقی علیہ التحیۃ و ثنا کی ولادت ہوئی ہے۔ دس رجب کو امام محمد تقی علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ تیرہ رجب کو ابوالآثمہ جناب امیرؑ کا وجود و یحیود ہوا۔ ۲۳ رجب کو فتح خیبر ہوا ہے۔ ۲۷ رجب کو خاتم الانبیاء کو معراج حاصل ہوئی۔

## ماہِ رجبِ ماہِ علی

ماہِ رجب کے نام کے قربان جائیے  
اس برکتوں کے چاند کی سوگند کھائیے  
ماہِ رجب میں چشمہ فیضِ خدا بہا  
ماہِ رجب میں ہم کو ملے درِ بے بہا  
اسلام کے نصیب کھلے راج مل گیا  
اس ماہ میں بتوں کو سرتاج مل گیا  
اس ماہ میں بجھی ہوئی ہمت ہوئی جواں  
اس ماہ میں ملا ہے رسالت کو پاسباں  
مجبوریوں کو ہمت پیکار مل گئی  
اسلام کے بچانے کو تلوار مل گئی  
بے بال و پر کو طاقت پرواز مل گئی  
مور و ملخ کو جرأتِ شہباز مل گئی  
انصاف کی ملی ہے ترازو رسولؐ کو  
حق نے عطا کی قوتِ بازو رسولؐ کو



ہوتی ہیں اس مہینہ میں رحمت کو حرکتیں  
اس چاند میں برستی ہیں دنیا پہ برکتیں  
اس چاند میں خدائی بتوں کی ہوئی ہے ماند  
اس ماہ میں لگے ہیں رسالت کو چار چاند  
دو نور حق کے ملتے ہوئے آج دیکھئے  
انسانیت کو ہوتی ہے معراج دیکھئے  
کعبے میں بستی کفر کی تاراج ہو گئی  
آئے علیؑ رسولؐ کو معراج ہو گئی  
اس چاند ہی میں آ کے نبیؐ و ولیؑ ملے  
جاگے نصیب دین کے حضرت علیؑ ملے  
اس سے زیادہ رحمتوں کا ہوگا کیا درود  
ان ہستیوں پر بھیجتا ہے خود خدا درود  
طالب تھا جس کا دین وہ مطلوب آ گیا  
محبوب کردگار کا محبوب آ گیا  
اہل یقین کو دھیان رہے اتنی بات کا  
یہ ہے علیؑ کا چاند مہینہ زکات کا  
اس چاند میں بشر کو ملا ہے یہ افتخار  
معبود کو تھا عرش پہ بندے کا انتظار  
اس چاند میں ولادت مولائے کل ہوئی  
اس چاند میں ہی بعثت ختم رسل ہوئی  
اس چاند میں رسولؐ کا اٹھا محاصرہ  
اس چاند میں قریش کا ٹوٹا محاصرہ

۱۹۴

اس چاند میں ہلاک ہوا ہے بڑا شقی  
اس چاند میں ہی پیدا ہوئے ہیں نئی تقی

حضرت تمام نبیوں کے سرتاج ہو گئے

اس میں رسول صاحب معراج ہو گئے

اس چاند میں حریفوں کو رنج و الم ملا

اس چاند میں علی کو خدا کا علم ملا

پتھر پہ جھنڈا دین کا اس ماہ میں گڑا

اس چاند ہی میں حارث و مرحب کا سر اڑا

اس چاند ہی میں معرکہ خیبر کا سر ہوا

کعبہ اسی میں قبلہ اسلام ہے بنا

کیونکر نہ پھر رسول کے دل کی کلی کھلے

جشن سے چل کر جعفر طیار آئے

اس چاند ہی میں حیدر و صفدر کا گھر بسا

اس میں جناب فاطمہ زہرا کو بر ملا

عرش بریں پہ جشن تھا ایک دھوم تھی مچی

اس چاند ہی میں شادی بنت نبی ہوئی

عیش و نشاط و لطف کا بازار لگ گیا

اس چاند میں تو عیدوں کا انبار لگ گیا

اس ماہ میں جہاں اتنی خوشیاں پائی جاتی ہیں وہیں اس کا دامن غم و اندوہ سے بھی  
خالی نہیں اس کی ۳ تاریخ کو جناب امام علی نقی کی وفات اور ۲۵ کو امام موسیٰ کاظم کی  
وفات ہوئی ہے اور ۲۸ کو سفر امام حسین واقع ہوا ہے۔ مگر چونکہ اس ماہ میں خوشیاں



غالب ہیں اسی وجہ سے دنیائے شیعیت میں عموماً اس ماہ میں جلسے ہی جلسے منعقد کئے جاتے ہیں اور مجالس غم نہ ہونے کے برابر کی جاتی ہیں۔

اس ماہ کے فضائل کتب مسائل میں بہت شرح و بسط سے پائے جاتے ہیں چنداں ان کے ذکر کی یہاں حاجت نہیں۔ البتہ ایک فضیلت اس مقام پر قابل ذکر ہے اسے ضرور عرض کروں گی اور وہ یہ ہے کہ جناب رسالت مآبؐ سے روایت ہے آپؐ نے فرمایا کہ رجب بہشت میں ایک نہر ہے یعنی رجب نامی ایک نہر ہے جو شریں تراز شہد ہے اور سفید تراز دودھ ہے پس جو شخص اس ماہ میں روزے رکھے گا اسے اسی نہر سے سیراب کیا جائے گا ممکن ہے کہ اس ماہ کا نام اسی وجہ سے رجب رکھ دیا گیا ہے۔ اس کی ایک دوسری وجہ تسمیہ بھی بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ لفظ رجب تر حبیب سے ماخوذ ہے اور معنی تر حبیب تعظیم و تعظیم کے ہیں۔ چونکہ اس ماہ کو اہل عرب شہر اللہ کہتے تھے اور اس کی بڑی تعظیم کرتے تھے ممکن ہے کہ اس کا نام اسی وجہ سے رجب رکھا گیا ہو۔

اب میں ذیل میں برکات ماہ رجب کے سلسلہ میں صرف تین اماموں کے مختصر حالات بیان کرتی ہوں۔ منجملہ برکات ماہ رجب کے ایک یہ برکت ہے کہ اس کی پہلی تاریخ کونسل رسالت میں پانچویں امام جناب محمد باقر علیہ السلام کی ولادت ہوئی آپ کا اسم گرامی محمد ہے لقب باقر العلوم، شاہد العلوم، ذاکر، شاکر، صابر، جامع، حافظ، ہادی ہے کنیت ابو جعفر ہے والد بزرگوار کا نام نامی جناب امام زین العابدین علیہ السلام ہے۔ والدہ ماجدہ کا نام حضرت ام عبد اللہ دختر امام حسنؑ ہے۔ تاریخ ولادت یکم ماہ رجب ۱۵ھ۔ یوم جمعہ ہے مولد مدینہ مطہرہ۔ سبب وفات زہر دینا تھا ہشام ابن عبد الملک کا کھانے میں تاریخ وفات ۱۱۳ھ روز دوشنبہ ہے۔ مدینے کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں آپ کی قبر مبارک زیارت گاہ خواص

و عام ہے۔ مدت عمر ۵۹ اونٹھ سال۔ مدت امامت ۱۹ سال ۲ ماہ ۲۵ یوم۔ تعداد  
فرزند ۵ جناب امام جعفر صادقؑ، عبداللہ، ابراہیم، علی، عبداللہ اصغر۔ تعداد دختر ۲۔  
زینبؑ، ام سلمہ۔ تعداد ازواج ۲۔ وقت ولادت معاویہ امیر شام۔ وقت وفات  
ہشام خلیفہ بنی امیہ۔ نقش نگین مبارک ظنی باللہ حسن و بالنبی المومنین  
والوصی ذی المنن و بالالحسین والحسن۔ یہ وہی فرزند ان رسالت سے  
فرزند ہیں جن کے متعلق جابر سے خود جناب رسالتؐ نے ان کی ولادت با  
سعادت کی بشارت دی تھی اور فرمایا تھا کہ اے جابر جب تم میرے اس فرزند کی  
خدمت میں پہنچنا تو میرا سلام کہنا۔ جابر نے تعجب سے کہا کہ یا رسول اللہ میں اس  
وقت تک زندہ رہوں گا۔ فرمایا ہاں جب تک میرا یہ پیغام اس فرزند مبارک تک نہ  
پہنچا لو گے اور اس کے در کی خدمت نہ کر لو گے اس وقت تک تم کو موت نہ آئے  
گی۔ چنانچہ ایک مرتبہ جابر خدمت امام میں آئے امام نے اُن کو دیکھ کر تبسم فرمایا۔  
جابر نے عرض کیا یا ابن رسول اللہ خدا آپ کی آنکھوں کو ہمیشہ شاد و خنداں رکھے  
آج مجھے دیکھ کر تبسم کیوں فرمایا گیا۔ امام نے فرمایا اے جابر تم اپنے سہو سے میرے  
پیغام کو بھول گئے کہو تو میں خود اسے دہرا دوں۔ جابر نے عرض کیا یا ابن رسول اللہ  
ہاں وہ پیغام مجھے یاد نہیں رہا فرمائیے کہ کیا تھا۔ فرمایا وہ میرے جد کا سلام ہے۔  
جابر نے عرض کیا حضور نے سچ فرمایا۔ مجھ سے رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ جب  
میرے فرزند باقر العلوم کی خدمت میں پہنچنا تو میرا سلام کہنا۔ یہ ہیں فرزند ان  
رسالت و سلالہ نبوت سے ان کے لئے مسند رسالت زیب دیتی ہے۔ جن کو خود  
رسول اللہ سلام سے یاد فرمائیں اور وہ جناب اس طرح غیب کے اسرار سے آگاہ  
فرمائیں۔ آپ کے معجزات میں بہت سے معجزے اخبار غیب ہی کے ہیں اور صرف  
اخبار غیب ہی کے نہیں بلکہ مُردوں کو زندہ کرنا، آیات ابراہیم کا دکھانا، نانیٹا کا بیٹا



کرنا، درخت خرما خشک کا سر سبز کرنا، چشمے کا جاری کرنا، حضرت کی امامت پر زید بن حسن کے چہرہ کا، اور سنگ سخت کا۔ اور شیر خوار سیکنہ دختر زید مذکور کا گواہی دینا۔ زیر نگین خاتم سے زرہ جامہ و عمامہ رسول کا برآمد کرنا۔ وحوش و طیور کے طرز بیان کو سمجھ کر جواب دینا دربار ہشام میں تیر اندازی اس طرح کرنا کہ ہر تیر تیر اول کو دو ٹکڑے کرتا تھا۔ واپسی دربار ہشام پر ایک کوہ پر ایک بوڑھے نصرانی سے مباحث فرمانا اور اس کے حسب ذیل سوالات کا خود ہی جواب دینا۔

نصرانی:- اے بندہ خدا وہ کوئی ساعت ہے جو نہ دن ہے نہ رات اور ایسی ساعت کہاں پائی جاتی ہے۔

امام:- وہ ساعت مابین طلوع آفتاب تا طلوع آفتاب ہے اور ایسی ساعت بہشت میں پائی جاتی ہے۔ مگر اس کا نمونہ اس دنیا میں بھی موجود ہے۔ اور وہ مابین طلوع صبح ہے اور یہ ایسی مبارک ساعت ہے کہ اس میں بے خوابوں کو خواب آ جاتا ہے۔ بیماروں کو سکون ہو جاتا ہے۔ خداوند عالم نے راغبان آخرت کے لئے اس کو وجہ رغبت بنایا اور عبادت گزاران زمانہ کے واسطے اسے آیت قرار دیا ہے اور منکران و متکبران خلق کی خاطر ایک حجت واضح پیش کی ہے۔

نصرانی:- تمہارا دعویٰ ہے کہ اہل جنت باوجود کھانے اور پینے کے بول و غائط نہیں کرتے کیا اس کا کوئی ثبوت قدرت نے دنیا میں پیدا کیا ہے۔

امام:- ہاں پیدا کیا ہے۔ دیکھ جنین شکم مادر میں ہر وہ غذا کھاتا ہے جو ماں کھاتی ہے لیکن بول و غائط نہیں کرتا۔

نصرانی:- تم کہتے ہو کہ میوہ ہائے جنت باوجود اکل اہل جنت پھر اپنے حال پر باقی رہتے ہیں اور ان میں کوئی نقصان یا کمی نہیں پیدا ہوتی کیا اس کی کوئی نظیر اس عالم میں ہے۔

امام :- نے فرمایا ہاں ہے اس کی بھی نظیر ہے دیکھ وہ چراغ روشن ہے ایک چراغ کی روشنی سے لاکھوں چراغ جلا لینے پر بھی اس کی لو میں اور روشنی میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

نصرانی :- وہ کون سے اشخاص ہیں جو ایک ہی ساعت میں دونوں اپنی ماں سے پیدا ہوئے اور ایک ہی ساعت میں دونوں کو موت آئی مگر ایک کی عمر ۵۰ سال تھی اور دوسرے کی عمر ایک سو پچاس (۱۵۰) سال تھی۔

امام :- نے فرمایا وہ عزیز و عزیز ہیں کہ یہ دونوں تو ام پیدا ہوئے اور ایک ہی ساعت میں ان کو موت آئی مگر ایک کی عمر پچاس سال تھی دوسرے کی ایک سو پچاس سال تھی۔

نصرانی نے جب یہ ثانی جوابات سنے تو اپنی کرسی صدارت سے اٹھا اور حضرت کے قریب آکر آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا کہ آپ تو عالم ترین زمانہ سے ہیں آپ کا کیا جواب ہے اس میں شک نہیں کہ یہی حضرات عالمان علوم ربانی و مورد الہامات آسمانی ہیں یہی وہ نور ہیں جو ہمیشہ لامع۔ یہی وہ شمعیں ہیں جو تافخ صور طالع ہیں۔

صفات والا امام دہم حضرت علی نقی علیہ السلام۔ آپ کی ولادت باسعادت پانچ رجب کو ہوئی اسم گرامی علی ہے۔ کنیت ابوالحسن لقب نقی، ہادی، فقیہ، طیب ہے۔ والدہ گرامی کا نام سکنہ خاتون ہے۔ ۲۱۴ھ بروز جمعہ بمقام حوالی مدینہ منورہ جس کو صریحاً کہتے ہیں ولادت ہوئی، سبب وفات زہر ہے، قاتل معزز عباسی ہے۔ تاریخ وفات ۳ رجب ۲۵۴ھ روز شنبہ ہے۔ موضع وفات سرمن رائے ہے مدفن بھی وہیں ہے۔ مدت عمر ۴۰ سال۔ مدت امامت ۳۳ سال۔ ۷ ماہ ہے۔ وقت ولادت حکومت مامون رشید کی تھی اور وقت وفات معزز عباسی کی تھی، ازواج میں صرف



ایک زوجہ تھیں جن کا نام سوسن تھا۔ اولاد میں چار فرزند تھے امام حسن عسکریؑ، حسین، محمد، جعفر مرتضیٰ۔ نقش نگین خاتم من اخلاق المعبود حفظہ اللہ۔ معجزات حضرت کے بے شمار ہیں۔ منجملہ ان کے اخبار غیب بھی ہیں و نیز سنگ ریزوں کا طلا فرمانا، تازیانے سے زمین پر خط کھینچنا اور نشان خط کا سکہ نقرہ ہو جانا، ایک سنگ ریزے کا منہ میں رکھ کر زمین پر پھینکنا اور ایک شخص کا اٹھا کر منہ میں رکھ لینا اور ستر زبانوں سے واقف ہو جانا۔ مُردوں کو زندہ کرنا۔ ابو ہاشم جو اس زمانہ میں بہت زیادہ ضعیف و ناتوان ہو گئے تھے اور بغداد میں رہتے تھے اپنے بڑھاپے کی شکایت کرنا اور ضعف و ناتوانی سے عدم حضوری کا شکوہ کرنا۔ حضرت کا دعا فرمانا اور اس دعا کی برکت سے خود ان کا قوی حال ہونا اور ان کے رہوار کا اس قدر سریع السیر ہونا کہ نماز صبح بغداد میں ادا کرتے اور نماز زوال حضرت کے ہمراہ پڑھتے اور نماز شام پھر اپنے گھر پر بغداد میں ادا کرتے اس زمانے میں حضرت سرمن رائے میں تشریف رکھتے تھے۔

یحییٰ بن ہرثمہ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت کے ہمراہ مدینہ سے سامرہ کو جارہے تھے کہ راہ میں پانی ختم ہو گیا۔ شدید گرمی کا زمانہ تھا یحییٰ نے خدمت امام میں عرض کی یا حضرت تشنگی سے میں اور میرا جانور سواری کا ہلاک ہوا چاہتا ہے کچھ انتظام فرمائیے حضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا گھبراؤ نہیں ابھی تم کو پانی ملتا ہے۔ یہ کہہ کر ایک جانب اشارہ فرمایا کہ دیکھو وہ درخت سامنے ہے انشاء اللہ وہاں پانی ملے گا۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے جو سامنے دیکھا تو کیا دیکھا کہ ایک سرسبز و شاداب درخت موجود ہے جب اس کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ اس کی جڑ سے آب شیریں کا ایک چشمہ بھی بہہ رہا ہے یہ دیکھ کر ہم لوگ وہیں اتر پڑے۔ خود پانی پیا اور اپنے جانور کو بھی سیراب کیا اور مشکیں بھی بھر لیں۔ اس اثناء میں میں نے اپنی تلوار کو اسی درخت کی ایک شاخ میں لٹکا دیا تھا کہ چلتے وقت لے لوں گا۔ لیکن

جب چلنے لگا تو اسے بھول گیا۔ کچھ راہ طے کی تھی کہ وہ تلوار یاد آئی فوراً غلام کو دوڑایا کہ وہ تلوار جا کر لے آئے جب غلام تلوار لے کر واپس آیا تو دیکھا کہ وہ خوف سے کانپ رہا ہے یچی کہتے ہیں کہ میں نے اس سے پوچھا کہ تیرا یہ کیا حال ہے اس نے اپنے آقا سے عرض کیا کہ حضور جب میں اس مقام پر پہنچا جہاں آپ نے تلوار درخت میں لٹکائی تھی تو دیکھا کہ نہ وہ درخت ہے نہ وہ چشمہ ہی ہے البتہ آپ کی تلوار ہوا پر معلق ہے میں ڈرتے ڈرتے اس کے پاس گیا اور تلوار کو لے کر فوراً واپس ہوا پس اس عجیب بات سے میں خائف ہو گیا۔

اسی طرح متوکل کا آپ کو تین دن کے بھوکے شیروں کے درمیان بھیج کر امتحان لینا اور ان شیروں کا مطبوع و منقاد ہونا۔ دسترخوان متوکل پر حضرت کے خفیف اور پشیمان کرنے کے لئے متوکل کے اشارے سے ایک جادوگر کے شعبہ بازی سے آپ کے ایک صحابی کے ہاتھ سے روٹیوں کا غائب ہو جانا حضرت کا تین بار صبر و تحمل سے کام لینا۔ چوتھی بار حضرت نے ایک شیر کی تصویر کی جانب اشارہ فرمایا اور وہ فوراً اصلی صورت میں شیر بن کر حملہ آور ہوا اور اس جادوگر کو چاک کر کے کھا گیا، دربار متوکل میں حضرت سے لوگوں کا مباحثہ اور حضرت کا ہر سوال کا نہایت تشفی بخش جواب عنایت کرنا۔ جب کہ آپ کو ایک ایسے سرائے میں ٹھہرایا گیا تھا جہاں مفلوج اور فقرا ٹھہرائے جاتے تھے تو اس وقت صالح بن سعید نے کہا کہ یا حضرت آپ کی لوگ کیسی تو ہیں و تذلیل کرتے ہیں آپ نے اس کے جواب میں ایک اشارہ فرمایا، صالح نے دیکھا کہ قصر مروارید جنت اور غلمان و حور ہاتھوں میں طہتہائے زر و نقرہ میوہ ہائے جنت سے بھرے لئے سب حضرت کی خدمت کے لیے آمادہ ہیں۔ ایک بار متوکل نے باہر سے چند غلام طلب کئے اور ان کو جناب امام علی نقی علیہ السلام کے قتل پر آمادہ کیا اور حضرت کو دربار میں بلوایا ان غلاموں نے جیسے ہی امام کو دیکھا



اپنی اپنی تلواریں پھینک دیں اور قدم مبارک پر گر پڑے متوکل سخت متعجب ہوا اور بہ احترام حضرت کو رخصت کیا اور غلاموں سے سبب پوچھا کہ تم نے بجائے قتل کرنے کے تعظیم کیوں کی غلاموں نے عرض کی کہ اے خلیفہ یہ تو وصی پیغمبر آخر الزماں ہیں ہر سال ہمارے ملک میں جا کر ہم کو تعلیم مسائل دین فرماتے ہیں ان کو ہم سب کس طرح قتل کرتے یہ سن کر متوکل کو طیش آگیا غضب ناک ہو کر ابن بلطون حاجب سے ان غلاموں کو قتل کرا دیا۔ شب میں حاجب نے خدمت امام عالی مقام میں حاضر ہو کر غلاموں کے قتل کی خبر پہنچائی اور کہا کہ وہ دفن بھی ہو گئے۔ یہ سن کر حضرت نے ایک جانب اشارہ فرمایا حاجب نے دیکھا وہ سب غلام ایک جگہ زندہ و سلامت بیٹھے ہیں (نعرہ صلوٰۃ)۔

صفات و فضائل مختصر حضرت محمد تقی علیہ السلام۔ امام نہم۔

آپ کی پیدائش بروز جمعہ ۱۰ رجب ۱۹۵ھ میں ہوئی نام نامی آپ کا محمد ہے القاب۔ جواد، تقی، مرتضیٰ، عالم منتخب ہیں۔ کنیت ابو جعفر ہے والد گرامی کا نام امام رضا علیہ السلام ہے۔ والدہ کا نام خیزران ہے مولد مدینہ طیبہ ہے۔ سبب وفات معصوم کا زہر دینا۔ تاریخ وفات ۲۹ ذی قعدہ ۲۲۰ھ بروز سہ شنبہ ہے موضع وفات مشهد جو بغداد میں ہے مدفن کاظمین میں ہے۔ مدت عمر ۲۵ سال مدت امامت ۱۷ سال وقت ولادت خلیفہ مامون رشید۔ وقت وفات معصوم بن ہارون رشید۔ تعداد ازواج ۲۰ تھیں اولاد میں ۲۰ بیٹے امام علی تقی۔ اور موسیٰ مبرقع۔ ۳ بیٹیاں۔ حلیمہ، خدیجہ، ام کلثوم۔ نقش نگین الحسین عضدی۔ حضرت کے معجزات بھی بے شمار ہیں۔ منجملہ ان کے دل کے خطورات سے مطلع کرنا غیب کی خبروں کا بیان کرنا ایک ضعیفہ کی مردہ گائے کا زندہ کرنا دینے سے چشم زدن میں طوس پہنچنا اور اپنے پدر بزرگوار امام رضا علیہ السلام کو غسل و کفن دینا۔ ۷ سال کی عمر میں درجہ امامت پر فائز ہونا۔

اور اسی زمانہ میں علمائے روزگار کو تین دن کی مجالس میں تیس ہزار مسائل کے جوابات دینا ایک شخص کو آپ کی امامت پر شک ہوا آپ نے اظہار امامت فرمایا اس نے ثبوت مانگا آپ نے اپنے عطا سے فرمایا کہ تو شہادت دے کہ آیا میں کون ہوں عصا بحکم خدا گویا ہوا کہ حضرت آپ چشم و چراغ مصطفیٰ ہیں ولی اللہ ہیں نائب رسول ہیں۔ اسی طرح سینکڑوں معجزے ہیں جن کا بیان کرنا خالی از طوالت نہیں ہے۔ لیکن اس مقام پر صرف دو معجزے اور عرض کروں گی اور اس کے بعد محفل کی زینت مداحیہ اشعار سے کی جائے گی۔

حضرت کی زوجہ امام الفضل نے حکیمہ سے بیان کیا ہے جو کہ حضرت کی پھوپھی تھیں اور اپنے بھتیجے کے گھر مہمان آئی ہوئی تھیں۔ کہتی ہیں کہ اے اماں میں ان کے فضائل کہاں تک بیان کروں ایک عجیب واقعہ حضرت کا یہ بھی دیکھا کہ ایک روز میں اپنے حجرے میں بہ آراستگی بیٹھی ہوئی تھی شب کا وقت تھا دیکھا میں نے کہ ایک عورت نہایت خوش جمال و خوش محاورہ میرے سامنے آئی جب میں نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے تو اس نے کہا کہ میں اولاد عمران ابن یاسر سے ہوں اور زوجہ ابو جعفر ابن علی رضا ہوں۔ جب یہ سنا تو اس کے سامنے تو میں نے ضبط کیا لیکن اس کے جانے کے بعد جو حسد و کینہ عورتوں کو لازم ہے میرے سینہ میں بھی اس کی آگ بھڑک اٹھی۔ آدھی رات تک تو میں نے بڑی بے چینی سے گزاری لیکن پھر مجھ سے ضبط نہ ہوسکا میں مامون کی خدمت میں گئی اس وقت وہ شراب کی مستی سے از خود رفته تھا جاتے ہی میں نے اس کا شکوہ کیا۔ مامون اسی وقت کچھ ملازمین و خادمین ہمراہ لے کر حضرت کی خواب گاہ تک آیا تو دیکھا کہ حضرت چادر اوڑھے آرام فرما رہے ہیں۔ وہ مارے غضب کے برہنہ ششیر لے کر گیا تھا بلا کسی استفسار و تعرض کے تلوار اٹھا کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ میں اس وقت فرط غم سے بے حواس ہو گئی



کیونکہ مجھے اس کی امید نہ تھی۔ منہ پر طمانچے مارے اور گریبان چاک کر ڈالا نہایت غم دیدہ ہو کر ایک گوشہ میں آکر بیٹھ گئی۔ اور اپنے کئے پر سخت نادم و پشیمان تھی کہ اتنے میں صبح نمودار ہوئی۔ ادھر جب مامون ہوش میں آیا تو غلام یاسر جو کہ اُس وقت اس کے ہمراہ تھا اس نے سب واقعہ شب کا بیان کیا اور کہا کہ تو نے بڑا غضب کیا ام الفضل کو بیوہ کیا مامون نے متحیر ہو کر سارا ماجرا پوچھا غلام نے سب پھر بیان کیا۔ اب وہ بھی بہت رنجیدہ ہوا اور فوراً یاسر کو تحقیق حال کے لئے حضرت کی خوابگاہ پر بھیج دیا۔ وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ حضرت مسواک فرما رہے ہیں تھوڑی دیر متحیر کھڑا رہا پھر دیکھا کہ حضرت نے وضو فرمایا اور مشغول عبادت ہو گئے۔ یہ دیکھ کر غلام مامون کے پاس واپس آیا اور سارا حال سنایا مامون نے سن کر کہا اور اسی وقت اس خوشی میں ایک ہزار دینار خادم کو انعام دیا اور بیس ہزار دینار اور وہی شمشیر جو شب میں لے کر گیا تھا اور وہ گھوڑا جس پر سوار ہو کر گیا تھا حضرت کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا۔ یاسر جب دوبارہ ان ہدایا کو لے کر امام کی خدمت میں آیا تو بہانے سے حضرت کا پیراہن اپنے کفن کے لئے مانگا تاکہ جب حضرت پیراہن اتاریں تو دیکھوں حضرت کے زخم کہاں لگے ہیں۔ حضرت نے اسی کے سامنے اپنا پیراہن اتار کر دے دیا۔ غلام نے دیکھا کہ حضرت کے جسم اقدس پر کوئی نشان تک نہیں۔ خود مامون خدمت امام میں آیا اور معذرت خواہ ہوا۔ حضرت نے ترکِ شراب کی نصیحت فرمائی اور وہ تائب ہوا پھر اس نے حفظ و امان کا سبب پوچھا حضرت نے ایک دعا تعلیم کی جو آج بھی حرز جواد کے نام سے مشہور ہے اس کی برکت سے مامون ہمیشہ بلاؤں سے محفوظ رہا اور اکثر اس کی برکت سے فتوحات حاصل ہوئیں۔ انھیں ام الفضل نے مامون سے ایک باریہ شکایت کی کہ مجھے ایک فقیر سے بیاہ دیا لوگ مجھ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں یہ ننگ کیونکر دور ہوں شدہ شدہ

یہ خبر حضرت تک پہنچی حضرت نے مامون سے فرمایا کہ تو اعلان کر کہ مسجد میں سب اغنیاء و فقراء جمع ہوں۔ مامون کی طرف سے اعلان ہوا تمام ارکان و دولت و فقراء و اغنیاء اس مسجد میں جمع ہوئے جو چالیس ستون کی تھی وہ بھر گئی۔ حضرت بھی اور مامون بھی اس مسجد میں پہنچے امام کے لئے منبر رکھا گیا آپ بالائے منبر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مامون اور خاندان مامون میری طرف سے یہ ننگ محسوس کرتے ہیں کہ میں مال دنیا نہیں رکھتا۔ مگر تم سب آگاہ ہو کہ ہم خاندان رسالت سے ہیں ہم کو دنیا اور مال دنیا کی خواہش و احتیاج نہیں۔ مگر آج چاہتا ہوں اپنا اقتدار اور اختیار دکھاؤں اور تم سب پر ایسا احسان کروں کہ وہ ننگ دور ہو جائے یہ فرما کر حضرت نے ایک ایک خطبہ بلیغ مشتمل بحمد و ثنائے الہی ارشاد فرمایا ہنوز وہ خطبہ ناتمام تھا کہ آپ نے اپنا ایک ہاتھ ہوا پر بلند کیا کہ دفعتاً آپ کے ہاتھ میں ہزار ہزار دانہ ہائے مروارید کے بے شمار ہار آ گئے اور حضرت نے ان کو حرکت جو دی وہ ایک ایک ہار تمام فقراء کی گود میں گرے۔ یہ دیکھ کر اغنیاء نے بھی طمع سے دل میں خواہش کی آپ نے بہ علم امامت دل کا راز معلوم کرتے ہوئے فرمایا آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔ اور پھر خطبہ پڑھا دست مبارک بلند فرمایا اس مرتبہ بھی اسی قدر ہار اتنی ہی قیمتی ہاتھ آئے ان کو بھی حرکت دی تو ہر قاضی و غنی کے دامن میں ایک ایک ہار جا گرے۔ اور فرمایا کہ یہ احسان ہے ہمارا اغنیاء کے ساتھ یہاں تک مامون کے منہ میں پانی بھر آیا حضرت نے فرمایا گھبرائیے نہیں آپ تک بھی پہنچے گا اور ایک ہار اس کے دامن میں بھی جا گرا اس وقت سے آپ کو جواد کے لقب سے لوگ یاد کرنے لگے (نعرۂ درود)۔



محفل میلاد

مولودِ حرم

کعبہ میں مولائے کائنات حضرت علیؑ کا ظہور

جمعہ کا روز تو سیدالایام قرار ہی دیا گیا ہے لیکن ہر ماہ کی تیراخص ترین تاریخ تسلیم کی گئی ہے۔ مگر کیا کہنا ہے ۱۳ رجب ۳۰ عام الفیل کا کہ اس تاریخ کی نحوست کو ہمارے سردار دو عالم رسول مقبول کے وحی و داماد و بھائی کی ولادت نے سعادت سے بدل دیا اور سرشارانِ بادۂ محبت کے لئے روز عید قرار پا گیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ عباس بن عبدالمطلب یزید بن وقب کے ساتھ درخانہ کعبہ کے پاس بیٹھے تھے کہ ناگاہ فاطمہ بنت اسد مسجد سے باہر آئیں اور در کعبہ کے سامنے ایستادہ ہو کر ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور دعا میں مشغول ہوئیں شاعر نے اس دعا کو فارسی میں نظم کیا ہے۔ لیکن میں اردو میں ترجمہ کرتی ہوں تاکہ سامعین بہ آسانی سمجھ سکیں۔

یارب بذات پاک تو اقرار کردہ ام  
 در بندگی زغیر تو انکار کردہ ام  
 سر ناکشیدہ ام ز رضائے جناب تو  
 وز گفتہ پیہر و حکم و کتاب تو  
 از کیش جدّ امجد خود حضرت خلیل  
 ناکردہ ام مخالفت اے خالق جلیل  
 بر اضطراب دل کہ ندار نہایتی  
 دارم ز حضرت تو امید عنایتی  
 یارب بگوشہ نظر التفات تو  
 یارب بحق ذات کثیرالصفات تو  
 یارب بحق بانی این خانہ ساختی  
 وز مرحمت خلقت نواختی  
 یارب بحق این خلف ارجمند من  
 کانیک بود انیس دل درد مند من  
 طفلے کہ درج متکلم بما در است  
 بے شک عزیز کردہ درگاہ داورست  
 از فیض عام خویش بمصدر رسانیم  
 زین رنج وضع حمل اگر دار ہائیم

فاطمہ بنت اسد نے کعبہ کے قریب آکر عرض کیا، پروردگار میں تجھ پر اور ان  
 رسولوں اور کتابوں پر ایمان لائی جو تیرے یہاں سے نازل ہوئی ہیں اور اپنے جد  
 ابراہیمؑ کے کلام کی تصدیق کرتی ہوں پس جس نے اس خانہ کعبہ کو بنایا ہے اس



کے حق کا واسطہ، اور جو مولود میرے بطن میں ہے اس کے حق کا بھی واسطہ اس مولود کے ظہور کو مجھ پر آسان کر دے (مناقب ابن شہر آشوب ص ۱۳۳)۔

جب وہ معظمہ دعا سے فارغ ہوئیں تو دیوار خانہ کعبہ عقب سے شگافتہ ہوئی اور فاطمہ بنت اسد داخل خانہ کعبہ ہوئیں اور جدار کعبہ پھر مثل سابق برابر ہو گئی۔ لوگوں نے دروازہ کھولنے کی لاکھ کوششیں کیں مگر سب نا کامیاب رہیں۔ خلاصہ یہ کہ حضرت علی مرتضیٰ کی ولادت خانہ کعبہ میں ہوئی اور پیدا ہوتے ہی سر سجدہ خالق میں رکھ دیا اور بہ زبان فصیح و بلیغ ارشاد فرمایا اشهد وَأَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَأَنَّ امِيرَ الْمُؤْمِنِينَ وَحِی رَسُولُ اللَّهِ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت ولادت حضرت مریم و حضرت حوا اور حضرت آسیہ و مادر حضرت موسیٰ موجود تھیں اور انہی محذرات عظمت نے خدمات ولادت انجام دیں۔ تین روز تک فاطمہ بنت اسد خانہ کعبہ میں رہیں چوتھے روز بحکم خدا فاطمہ بنت اسد اللہ کو لئے یا جان عبادت کو سینہ سے لگائے یا قرآن ناطق کو ہاتھوں پہ رکھے اسی پرانے در سے جو حیدر کے لئے نیا کھولا گیا تھا نکلیں۔ اور جس پر قرآن نازل ہوا تھا اسی کی گود میں قرآن ناطق رکھ دیا۔ آنکھ چار ہوئی دل کھنچا محبت نے جوش کھایا شوق میں بڑھ کر زبان منہ میں دے دی تمام علوم شربت کے گھونٹ کی طرح سینے میں اتر گئے۔ الحمد للہ۔ حق بہ حق دار رسید۔ یعنی علوم ربانیہ۔ اب جو کچھ نعمتیں باقی رہ گئی تھیں ان کا جب وقت آئے گا تو وہ بھی ملیں گی جوان ہو گئے تو اپنی فاطمہ سی دختر نیک اختر دیں گے۔ شب ہجرت جب آئے گی تو اپنا فرش و چادر دیں گے۔ غزوات میں علم و لشکر دیں گے قیامت میں لواء حمد و حوض و کوثر دیں گے۔ کیا کہنا ذات امیر المؤمنین کا تمام فضیلت کھنچ کر آگئیں کعبہ میں پیدا ہونا ہی کتنی بڑی فضیلت تھی نہ آپ سے پہلے کوئی پیدا ہوا نہ آپ کے بعد۔ مگر رسولؐ نے ایک اور فضیلت ابن عباس سے بیان

کر کے غلامانِ علی و کنیزانِ فاطمہ کے لئے فخر و مباہات کا ایک اور سبب بتلا دیا۔ محمد بن عباس نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ میں حضرت رسولؐ کی خدمت میں حاضر تھا اور حضرت امیرؓ کی ولادت ہو چکی تھی پس رسولؐ اللہ نے علیؓ ابن ابی طالب کی طرف دیکھ کر تبسم فرمایا اور ارشاد کیا کہ کیا کہنا اس کا جس کی خلقت آدم سے بھی چالیس ہزار سال قبل ہوئی ہو۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے رسولؐ کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسولؐ اللہ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ باپ سے پہلے بیٹا پیدا ہو جائے رسولؐ نے ارشاد فرمایا۔ ہاں خداوند عالم نے آدم سے پہلے میرے علیؓ کے نور کو خلق فرمایا اور جب آدم کی خلقت کا وقت آیا تو اس نور کے دو حصے کر دیئے گئے ایک حصے سے میں پیدا ہوا اور دوسرے حصے سے علیؓ۔ قبل اس کے کہ دوسری اشیاء کو پیدا کرے ہم دونوں کے نور سے ان اشیاء کو منور کیا۔ پس ہم کو عرش کی داہنی جانب جگہ دی اور ہمارے بعد ملائکہ کو پیدا کیا اور جب ہم تسبیح و تہلیل و تقدیس الہی کرتے تھے تو ملائکہ ہم سے تسبیح سیکھتے تھے۔ اسی وجہ سے ہمارے اور علیؓ کے دوست جہنم میں داخل نہ ہونگے۔ اور دشمن ہم دونوں کے جنت میں نہیں جاسکتے۔ حضرت نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم نے چند ملائکہ ایسے بھی خلق فرمائے ہیں جن کے ہاتھوں پر ابریقہائے نقرہ ہیں اور ان میں جنت الفردوس کے ایک چشمہ کا آب حیات بھرا ہے جب ہمارے شیعوں میں کسی مولود کی ولادت ہونے والی ہوتی ہے تو بحکم خدا ان ملائکہ میں سے ایک ملک آتا ہے اور اس آب جنت سے کچھ قطرات اسکے خیر میں شامل کرتا ہے اسی وجہ سے اس مولود کے دل میں ہم معصومین کی محبت جاں گزریں ہو جاتی ہے پس حضرت نے فرمایا کہ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے علیؓ کی محبت اور اس کے ساتھ ایمان کو سبب داخلہ جنت قرار دیا اور آتش جہنم سے نجات بخشی۔ مشکلکشائے عالم کی ولادت باسعادت کے سلسلہ میں علامہ مجلسی



علیہ الرحمہ نے کتب معتبرہ کے حوالہ سے جابر بن عبد اللہ انصاری کی ایک روایت تحریر فرمائی ہے۔ جو اہل ایمان کی فرحتِ قلوب کے لئے پیش کی جاتی ہے۔ جابر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے علی ابن ابی طالب کی ولادت کے متعلق دریافت کیا آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ اے جابر تو نے ایسے بہترین شخص کے لئے سوال کیا کہ جو میرے بعد پیدا ہوا ہے اور اس سے سنت مسیح جاری ہوگی۔ حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ خداوند عالم نے خلاق کو خلق کرنے سے چالیس ہزار سال قبل مجھ کو اور علی کو ایک نور سے خلق فرمایا۔ پس ہم دونوں عالم ملکوت میں تسبیح و تہلیل و تقدیس حی لایموت کرتے تھے جس وقت خدا نے آدم کو خلق فرمایا تو ہم کو صلب آدم میں داہنی طرف اور علی کو بائیں جانب قرار دیا اس کے بعد ہم کو صلب آدم سے اصلا ب طاہرہ اور ارحام پاکیزہ میں منتقل کیا بس مجھ کو صلب عبد اللہ بن عبد المطلب اور یمن آمنہ سے پیدا کیا اور علی کو صلب ابوطالب اور یمن فاطمہ بنت اسد سے پیدا کیا۔ اس کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اے جابر قبل اس کے کہ علی شکم مادر میں آئیں اس زمانے میں ایک مرد عابد راہب تھا اور لوگ اسے مشرم بن رعبا کہتے تھے اور مشرم عبادت و زہد میں مشہور آفاق تھا ایک سو نوے سال تک اس نے انتہائی صدق و خلوص کے ساتھ عبادت خدا کی اور اس عرصہ میں خدا سے کوئی حاجت نہ طلب کی ایک روز اس نے خدا سے دعا کی کہ اپنے دوستوں میں سے کسی دوست کو مجھے بھی دکھلا دے۔ پس خدا نے ابوطالب کو اس کے پاس بھیجا دیا جیسے ہی مشرم نے ابوطالب کو اور ان کے جلالت و بزرگی کو جو آپ کی پیشانی سے ہویدا تھے دیکھا تو اپنی جگہ سے اٹھا اور بڑھ کر پیشانی پر بوسہ دیا صدر میں بٹھایا اور کہا کہ اے شخص تو کون ہے خدا تجھ پر رحمت نازل کرے۔ ابوطالب نے فرمایا میں اہل تہامہ میں سے ایک فرد ہوں۔ مشرم نے کہا کہ شہر تہامہ میں کس مقام کے باشندے ہو۔

ابوطالبؑ نے جواب دیا مکہ۔ مشرم نے کہا کس قبیلے سے، ابوطالبؑ نے فرمایا  
 فرزند ان عبد مناف سے ہوں، مشرم نے کہا کس شعبہ عبد مناف سے ہو۔ جواب دیا  
 فرزند ان ہاشم میں سے۔ جب راہب نے حضرت ابوطالبؑ کا یہ نسب سنا تو دوبارہ  
 اٹھ کر پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا کہ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے میرے  
 سوال کو پورا کر دیا۔ میری دعا بھی یہی تھی کہ تو مجھے دنیا سے اس وقت تک نہ اٹھانا  
 جب تک کہ اپنے کسی دوست سے میری ملاقات نہ کرا دینا۔ اس کے بعد مشرم نے  
 ابوطالبؑ سے کہا کہ میں آپ کو ایک بشارت دینا چاہتا ہوں اور وہ خداوند عالم نے  
 مجھے الہام کی ہے۔ ابوطالبؑ نے دریافت کیا کہ کیا بشارت ہے، مشرم نے کہا کہ  
 آپ کے صلب سے ایک ایسا فرزند پیدا ہونے والا ہے کہ وہ ولی خدا اور پیشوائے  
 متقیان اور وصی رسول خدا ہوگا۔ اور جب وہ فرزند پیدا ہو تو اس سے کہنا کہ مشرم  
 نے تم کو سلام کہا ہے اور کہا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور اس کا کوئی  
 شریک نہیں اور محمد مصطفیٰ اس کے بندہ مقبول رسول ہیں۔ اور تم ان کے وصی ہو۔  
 جب ابوطالبؑ نے اس بشارت کو سنا تو آنکھوں سے اشک جاری ہوئے اور کہا اس  
 بچہ کا نام کیا ہوگا مشرم نے کہا علیؑ۔ ابوطالبؑ نے کہا کہ میں تمہاری سچائی اس وقت  
 سمجھ سکتا ہوں کہ جب کوئی برہان دلیل واضح پیش کرو۔ مشرم نے کہا جو تم چاہو  
 میں خدا سے سوال کروں اور وہ ابھی تم کو عطا کرے۔ تاکہ تم سمجھ لو کہ میں اپنے قول  
 میں صادق ہوں۔ حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا کہ اس وقت تو میں جنت کا طعام  
 چاہتا ہوں۔ یہ سن کر راہب نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کر دیئے ابھی دعا تمام نہ ہوئی  
 تھی کہ اس کے پاس ایک طبق حاضر ہو گیا جس میں رطب، انگور، انار بہشتی تھے۔  
 پس ابوطالبؑ نے انار کو اٹھا لیا اور نہایت شادمانی کے ساتھ بیت الشرف کی طرف  
 روانہ ہوئے۔ جب داخل خانہ ہوئے تو اس انار کو نوش فرمایا اور اس انار کے پانی کو



خداوند عالم نے صلب ابوطالبؑ میں ودیعت کیا اور اسی دن فاطمہ بنت اسد کے شکم مبارک میں نورِ علیؑ کا ظہور ہوا۔ پس علیؑ کا شکم مادر میں آنا تھا کہ ان کی ہیبت سے زمین کا پٹنے لگی اور چند روز تک زلزلہ رہا۔ قریش اس چیز سے بہت ڈرے اور آپس میں مشورہ کیا کہ اپنے اپنے بتوں کو کوہِ ابوقبیس پر لے چلیں اور ان سے دعا کریں تو شاید اس مصیبت سے نجات ملے مشاورت کے بعد بتوں کو کوہِ ابوقبیس پر لے جا کر رکھ دیا بتوں کا پہاڑ پر پہنچنا تھا کہ زلزلہ میں اور شدت پیدا ہوئی پہاڑ جا بجا سے شق ہونے لگا اور ہوا میں سنگ ریزے اڑنے لگے قریش کے پتھر یلے خداوندھے منھ گرنے لگے ان واقعات کے مشاہدات سے قریش پر اور مایوسی چھائی اور خوفزدہ ہو کر کہنے لگے کہ اس بلائے عظیم سے اب ہم کو چھٹکارا نہیں مل سکتا اسی حالت میں ابوطالبؑ بھی پہاڑ پر بغیر زلزلہ کی پروا کے تشریف لائے اور اہل قریش سے متوجہ ہو کر فرمایا کہ آج کی شب ایک نیا واقعہ ہوا ہے اور ایک مبارک ترین فرد خلق ہوئی ہے اگر تم لوگ اس کی ولایت کا اقرار نہ کرو گے اور اس کی امامت کی گواہی نہ دو گے تو ہر گز یہ زلزلہ تم سے دور نہ ہوگا اور یاد رکھو کہ تہامہ میں ایک گھر بھی تم لوگوں کا نہ بچے گا۔ قریش نے کہا کہ اے ابوطالبؑ جو آپ حکم دیں ہم اطاعت کو تیار ہیں۔ پس ابوطالبؑ نے دست دعا بلند کئے اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ **اللہم سیّدی اسئلك۔**

اے میرے پروردگار عالم اور اے میرے سردار میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو بحقِ ملت محمدیہ کو جو پسندیدہ ہے اور طریقہ علیؑ کو جو بلند مرتبہ ہے اور طریقہ فاطمہؑ کو جو روشن و نورانی ہے تو تفضل کر اہل تہامہ پر نرمی و مرحمت کے ساتھ۔ رسولِ خدا فرماتے ہیں قسم ہے اس کی جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور سبزے کو روئیدہ کیا کہ تمام عرب نے ان کلمات کو لکھ لیا اور زمانہ جاہلیت میں جو سخت وقتِ مصیبت اُن پر پڑتا

تھا تو انہی کلمات کے ذریعہ سے بارگاہِ خدا میں دعا کرتے تھے اور خداوندِ عالم ان کی دعا قبول فرماتا تھا۔ بس جس وقت کہ علیؑ کی ولادت ہوئی اس وقت ایک بہت بڑی روشنی آسمان سے زمین پر پیدا ہوئی اس وقت ستاروں کی نورانیت زیادہ ہو گئی۔ قریش ان حالات کے مشاہدے سے بہت متعجب ہوئے اور کہنے لگے کہ آسمان پر عجیب و غریب حادثہ واقع ہوا ہے پس ابوطالبؑ اپنے گھر سے باہر آئے اور مکہ کے کوچہ و بازار میں گشت لگانا شروع کیا اور بہ آواز بلند فرما رہے تھے کہ اے لوگو! اب حجتِ خدا تمام ہو گئی جب لوگوں نے ابوطالبؑ کو دیکھا تو سوال کرنے لگے کہ یہ آسمان پر نور کیسا ہے۔ ابوطالبؑ نے جواب دیا کہ آج کی شب خدا کا ایک دوست اسی مکہ گھر میں پیدا ہوا ہے جو پیغمبران و پیشوائے متقیان اور مددگارِ دینِ خدا اور ہلاکِ کاندہِ شرک و الحاد ہوگا۔ ابوطالبؑ مکرر یہ کلمات کہتے رہے اور صبح ہوتے ہوتے اپنے مکان سے غائب ہو گئے۔ اور چالیس روز تک غائب رہے۔ جابر کہتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہؐ ابوطالبؑ کہاں چلے گئے تھے۔ فرمایا وہ مشرم کو ڈھونڈھنے گئے تھے اور مشرم کو وہ لکام میں وفات پا چکا تھا۔ مشرم نے ابوطالبؑ سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اگر تم دوبارہ آنا تو کوہِ لکام کے غار میں چلے آنا پس وہاں تم مجھ کو زندہ یا مردہ پاؤ گے۔ چنانچہ جب ابوطالبؑ حضرت علیؑ کی ولادت کی خبر دینے تشریف لے گئے تو مشرم کو مردہ پایا اور اس طرح کہ وہ ایک کپڑے میں لپیٹا قبلہ رخ آرام کر رہا تھا اور دو سیاہ اور ایک سفید سانپ اس کی حفاظت کے لئے نزدیک بیٹھے تھے تاکہ جانور ان صحرائی میں سے کوئی اذیت نہ پہنچا سکے جب ان سانپوں نے ابوطالبؑ کو دیکھا تو غار میں پوشیدہ ہو گئے۔ اور ابوطالبؑ مشرم کے نزدیک گئے فرمایا السلام علیک یا ولی اللہ و رحمۃ اللہ برکاتہ۔ پس خداوندِ عالم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے مشرم کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ مشرم اٹھ کے بیٹھا اور اپنے چہرے پر ہاتھوں کو پھیرا اور



کہا کہ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ الْاَمْرُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَاَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اللّٰهِ وَالْاِمَامُ بَعْدَ نَبِيِّ اللّٰهِ۔

ابوطالبؑ نے فرمایا اے مشرم بشارت ہو تجھ کو کہ علیؑ پیدا ہوئے۔ حضرات آئیے آج ہم عید سعید کی مبارک باد اپنے رسولؐ اکرم اور حضرت ابوطالبؑ و فاطمہ بنت اسد کو دیں کہ ابوطالبؑ کو خدا نے ایسا باوصف پسر دیا رسولؐ کو ان کا جانشین و وصی ملا فاطمہ کو حیدر سا شوہر ملا۔ حسینؑ کو علیؑ جیسا باپ ملا اور ہم کو ہمارا مولا مشکل کشا ملا۔ آج مولائے دو جہاں کی ولادت کی تہنیت رسولؐ مقبول کی بارگاہ میں پیش کرنا ہم سب کے لئے باعث افتخار ہے عید منائیے اور خوب منائیے کہ اس عید سے بہتر کوئی دن نہیں ہم جتنا بھی آج کے دن خوش و مسرور ہوں سب زیبا ہے۔

# فرہنگِ مجالس

(الف)

آرد۔ آنا

ارث۔ ترکہ، میراث، وہ مال جو کسی کے مرنے کے بعد اس کے وارث کو ملتا ہے۔

ارذل۔ نہایت کمینہ، بہت رذیل۔

اسپ دور کا بہ۔ دور کا ب والا

(بلند گھوڑا)

استبرق۔ سبز اطلس کی قسم کاریشی کپڑا۔

اعتناء۔ توجہ، پرواہ، غنجواری

اغماض۔ چشم پوشی، بے پرواہی۔

اُفتاں و خیراں۔ گرتا پڑتا۔

الرحیل۔ صدائے سفر، کوچ کرنا۔

انفاق۔ روزی دینا، خرچ کرنا۔

اوچکی۔ بانگاسپاہی، مسلح، ہتھیار بند

(ب)

بدر کا بی۔ گھوڑے کا بدکنا۔

بدون۔ بغیر، سوا، بلا، بن۔

برہان قوی۔ روشن اور واضح ثبوت۔

بدینہ۔ دلیل و حجت

(پ)

پیشہ۔ چھپر۔

پیراستہ۔ بنا سنوارا، سجاوٹ، سنوارا ہوا۔

پُر آشوب۔ فتنہ انگیز، فساد سے بھرا ہوا۔

پڑ مردہ۔ کھلایا ہوا، مایوس، افسردہ،

مرجھایا ہوا۔

پیش و پس۔ تردد، فکر۔

(ت)

تحیہ۔ درازی عمر کی دعا۔

تسمہ۔ چمڑے کا لمبا ٹکڑا۔



تشنہ و گرسنہ۔ پیاسا اور بھوکا۔

تعرض۔ مزاحمت، روک ٹوک، مقابلہ کرنا

تمثّل۔ دولت مندی، مال داری۔

تہدید۔ دھمکی، گھڑکی، سرزنش، تنبیہ۔

تئیں۔ (حرف ربط) کو، واسطے، لیے

(ث)

ثلث۔ تیسرا، تہائی۔

(ج)

جرعہ۔ گھونٹ۔

(چ)

چنور۔ مورچھل، وہ بالوں کا گچھا جس

سے کھیاں اڑاتے ہیں۔

(ح)

حجت جلی۔ ٹھکی دلیل، واضح ثبوت۔

(خ)

خرجیاں۔ (واحد خرجی) تھیلا، جھول،

جھولی، بیگ۔

خوزادی۔ صاحب زادی، شہزادی،

سرزاد کی بیٹی۔

خیاط ازل۔ سب سے پرانا درزی۔

(د)

دم زدن۔ دم مارنا، کچھ کہنا۔

دَوَادِش۔ دوڑ دھوپ، کوشش۔

(ذ)

ذی آبرو۔ صاحب عزت۔

(ر)

راست و چپ۔ دائیں اور بائیں

سیدھا اور اُلٹا۔

رجائی۔ امیدوار۔

رحیل۔ صدائے سفر، کوچ کرنا۔

رستگاری۔ رہائی، نجات۔

روئیدہ۔ اُگا ہوا۔

(س)

ساعی۔ کوشش کرنے والا۔

سعادت نشاں۔ نیک بخت، خدمت

گزار۔

سگ گزندہ۔ کتے کا کانٹا۔

سوزش قلب۔ دل کی جلن۔

(ش)

شتر دار۔ اونٹ والا، ساربان۔

شیرانِ نیمستانِ شجاعت۔ بہادری کے

(ق)

قدرا انداز۔ وہ شخص جس کا تیر ٹھیک

نشانے پر بیٹھے۔

قلعہ گیر۔ قلعہ خیر کو فتح کرنے والا

(یعنی حضرت علی)

قوتِ اطفال۔ بچوں کی غذا۔

(ک)

کبود۔ نیلا رنگ۔

کُکم۔ مدد، حمایت، وہ فوج جو مدد کے

لیے بھیجی جائے۔

(گ)

گُر گرسنگی۔ بھوک۔

گُر سینہ۔ بھوکا۔

گیاہ۔ ہری گھانس۔

(م)

مالوف۔ مانوس، خُور۔

ماثور۔ مقبول۔

مبارز طلبی۔ جنگ منفردہ میں مقابل کا

ایک دوسرے کو لاکارنا

متنفس۔ ہر ذی نفس، جاندار۔

مجیب الدعوات۔ (دعاؤں کا قبول

جنگل کے شیر۔

(ص)

صلاح کار۔ رائے زن، مشیر

صوامع۔ (جمع صومعہ) عبادت گاہ۔

(ط)

طاس۔ طباق، لگن، تسلا۔

طرِ ثُو۔ نقیبوں کی صدا، ہٹ جاؤ، راستہ

دو سواری آتی ہے، جگہ چھوڑ دو۔

(ع)

عقدہ ناخن تدبیر۔ کوشش سے مسئلے کو

حل کرنا۔

علی الاتصال۔ قریب، قریب۔

علیلہ۔ مریض۔

عنبر سرشت۔ عنبر کی سی خوشبو رکھنے والا۔

(غ)

غُراب۔ کوا۔

غربال۔ چھلنی، آٹا چھاننے کا برتن۔

(ف)

فروتی۔ عاجزی، اپنے کو حقیر جاننا۔

فرد۔ فہرست۔



- کرنے والا) پکار کا جواب دینے والا۔  
 مُحْصِل - گفتگو کا حاصل۔  
 مُخْلَع - خلعت دیا گیا، لباسِ شاہانہ پہنایا گیا۔  
 مِزاحِم - مقابل۔  
 مُسْتَوِل - (پرگلی لفظ) جہاز کا بادبان۔  
 مَسْدُود - بند کیا گیا، روکنا۔  
 مُشْبِك - پنجرہ، جالی دار سوراخ۔  
 معرضِ ہلاکت - ہلاکت کا ظاہر ہو جانا۔  
 مُقَدِّمہ - بابت۔  
 مُقَسِّم - تقسیم کرنے والا۔  
 مُكَلَّف - پر تکلف۔  
 مَکْس - شہد کی مکھی۔  
 مُلُوک ہونا - شاہانہ سرپرستی۔  
 مملو - پُر۔  
 مُنْقَاد - مطیع، فرماں بردار، عاجزی کرنے والا۔  
 مُنْقَضِی - عرصہ گزرا۔  
 مُنْع - مرکز، سرچشمہ۔  
 (ن)  
 نامے علی الاآمال - پے در پے پیغام  
 یا خطوط۔  
 نمدہ - ادنیٰ کپڑا جو گھوڑے کی پشت پر
- زین سے پہلے ڈالا جاتا ہے۔  
 نیمچہ - چھوٹی تلوار۔  
 نکبت شیم - افلاس، بد حالی، غریبی،  
 ادباز، عادت بد۔  
 (ہ)  
 ہراول - لشکر کا پیش خیمہ، اگلی فوج کا سردار۔  
 ہم چشموں - ہمسر، بھجولی، برابر والا۔

ضمیر اختر نقوی

## حیاتِ محسنہ

ملتِ جعفریہ میں عظیم فلسفی، علماء، فقیہ، ادیب، شاعر، نثر، خطیب پیدا ہوئے۔ تاریخ نے اُن کے نام محفوظ بھی کئے اور اُن کے حالاتِ زندگی بھی لکھے گئے۔ لیکن ملتِ جعفریہ کی پردہ نشین خواتین نے بھی ملت کی خدمت میں گراں بہا کارنامے انجام دیئے ہیں۔ دو تین کتابوں کے علاوہ خواتینِ شیعہ کی کوئی مکمل تاریخ نہ لکھی جاسکی اور ان کے حالاتِ زندگی اور خدماتِ دین نہ ہونے کے برابر ملتے ہیں۔

یہ تاریخ اگر جنابِ آمنہ، جنابِ فاطمہ بنتِ اسد، جنابِ خدیجہ، جنابِ اُمّ سلمہ، جنابِ اُمّ ہانی، جنابِ فاطمہ زہرا، جنابِ اُمّ البنین، جنابِ زینب، جنابِ اُمّ کلثوم، جنابِ فاطمہ بنتِ حسن، جنابِ معصومہ قم اور جنابِ حکیمہ خاتون، نرجس خاتون سے شروع ہو کر ان عظیم خواتین کی کنیزوں پر ختم ہو تو وہ ایک بہترین کتاب ہوگی۔ آلِ محمد کی کنیزوں نے جو خدمات انجام دی ہیں اُن میں سے چند کا تذکرہ کرنے کو دل چاہتا ہے۔ یوں تو بہت نام ہیں۔ لیکن میرے ذہن میں اس وقت یہ چند نام ہیں۔

قاضی نور اللہ شوستری علیہ الرحمۃ بہت بلند مرتبے کے عالم تھے۔ اُن کی بہن بھی عالمہ تھیں۔ حضرت غفر آفتاب علیہ الرحمۃ کی بیٹیاں بھی عالمہ اور فاضلہ تھیں۔ باقر العلوم سید محمد باقر صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کی بیٹیاں بھی علومِ شرعیہ و علمِ فقہ میں ماہر تھیں شاہِ اودھ نصیر الدین حیدر کی بیگم ملکہ زمانی مرثیہ اور سلام کی بہترین شاعرہ تھیں، بادشاہ کی



بٹی سلطان العالیہ مرزا دبیر کی شاگرد تھیں اور بہترین شاعرہ تھیں۔

کہتے ہیں دو بہنوں نے مل کر ایک مسجد امین آباد لکھنؤ میں تعمیر کروائی جس کا نام ”کلاں پھانک کی مسجد“ ہے۔ لکھنؤ میں بجلی آگئی تھی۔ لیکن امین آباد تک نہیں آئی تھی۔ دونوں بہنوں نے اپنے زیورات بیچ کر مسجد تک بجلی کا انتظام کر دیا۔ ملکہ جہاں کی کربلا، ملکہ زمانی کی مسجد، ملکہ آفاق کا تعزیہ، پتن صاحبہ کی کربلا، چھوٹی رانی کا تعزیہ۔ یہ یادگاریں عظیم خواتین کا نام روشن کئے ہوئے ہیں۔

۱۹۱۱ء میں جب مشہد مقدس پر روس نے گولہ باری کی اور ایران کو جنگ کا الٹی میٹم دیا تو ایرانی مجلس بڑی پس و پیش میں تھی۔ ۳۳ گھنٹے گزر گئے اور مجلس کچھ طے نہ کر سکی۔ ابھی چند منٹ باقی تھے کہ پولیس کو ہٹائی ہوئی بُرقعہ پوش عورتوں کی ایک بھیڑ ایوانِ مجلس میں گھس پڑی، اُن کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ ہر ممبر کے سر پر ایک عورت سوار ہو گئی اور چند عورتوں نے بڑھ کر صدر مجلس کے ہاتھوں سے روس کا الٹی میٹم لے کر کہا۔ ہم اس پر دستخط کرتے ہیں۔ ہم روس کی قہار فوج کے ہاتھوں سے مرنا کینزی سے ہزار درجہ بہتر سمجھتے ہیں، یہی رائے آقائے ثقہ الاسلام کی بھی تھی جن کو روزِ عاشورہ روسیوں نے تبریز میں سولی پر چڑھا کر کھال اُتر والی خدا نے اس کی سزا یہ دی کہ زارِ روس کی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔

محاذِ حسینی لکھنؤ میں شریعت کدوں سے آواز بلند ہوئی۔ ”ہل من ناصر ینصرنا“ اس آواز کو مردوں سے زیادہ عورتوں نے سنا۔ روپیہ، پیسہ، برتن، زیور جو کچھ مل سکا۔ اُسے محاذِ حسینی کے مصارف کے لیے بھیجا۔ عزادار عورتوں نے اپنے مردوں کو ہمت دلائی، غیرت دلائی اور جیلوں کو کھچا کھچ بھر دیا۔ عورتوں کے ایثار سے نہ کبھی روپے کی کمی ہوئی اور نہ گرفتاری کے لیے فدا یوں کی اور یہ سلسلہ مسلسل چھ مہینے تک چلتا رہا اور دنیا حیرت کرتی رہی۔

پنجاب کے قصبہ رضوانہ ضلع جھنگ سے جب ہزاروں کی تعداد میں مومنین محاذ حسینی سے اسیر ہو چکے اور صرف عورتیں رہ گئیں تو اس قصبے کی زمیندارنی جندان مائی نے پانچ سو سے زیادہ عورتوں کو اسیری کے لیے تیار کیا اور ان کو لکھنؤ لانے کے لیے اپنی زمینداری کا ایک حصہ پچاسی ہزار روپے پر فروخت کرنے کے لیے خریدار تلاش کیا، لیکن ابھی بیعہ نامہ کا صرف مسودہ ہی تیار ہو رہا تھا کہ سرکار ناصر الملت اعلیٰ اللہ مقامہ کا ان کے نام تار پہنچا جس میں عورتوں کی اسیری کی ممانعت تھی۔ اس بناء پر وہ اپنے عورتوں کے جتنے کو لکھنؤ نہ لاسکیں۔ جندان مائی جناب سیدہ کے دیسے پر تین دن تک مجالس منعقد کرتی تھیں۔ جس میں ہزاروں سامعین کے لیے کھانے وغیرہ کا انتظام بھی آپ کرتی تھیں۔

ادھر پچاس سال کے عرصے میں ملت جعفریہ کی خواتین میں چند کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ نواب نور جہاں بیگم، نواب قمر جہاں بیگم، بہترین نوے، سلام اور نظمیں لکھتی تھیں۔ بدر جہاں بیگم، گوہر بیگم، عصمت بیگم، قیصری بیگم کے نوے اب تک مشہور ہیں۔ دولت پروین، بانو سیدان پوری، بیگم مولانا مظفر حسین طاہر جردی (فرحت بیگم صاحبہ) اور فضل لکھنوی کی بیٹی، اس دور کی بہترین شاعرات ہیں اور عرا خانوں میں ان کے نوے پڑھے جاتے ہیں۔

مولانا کلب صادق قبلہ کی بیگم تاج سلطانہ صاحبہ بہترین ذاکرہ ہیں۔ مولانا مظفر حسین صاحب طاہر جردی کی بیگم صاحبہ بھی بہت دن سے ذاکری کر رہی ہیں اور بہترین ذاکرہ ہیں۔

پاکستان میں بھی چند خواتین ذاکرہ ایسی ہیں جن کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ اور خاص کر مولانا سبط حسن صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کی صاحبزادی بیگم ہادی رضا اور مولانا حافظ کفایت حسین اعلیٰ اللہ مقامہ کی صاحبزادی بیگم منور علی صاحبہ قابل ذکر ہیں۔



مذکورہ بالا شیعہ خواتین کی تاریخ جب بھی لکھی جائے گی خطیبہ اہل بیت محسنہ بیگم اعلیٰ اللہ مقامہا کا نام نصرتِ مظلوم کرنے والی صفِ اوّل کی خواتین میں نظر آئے گا۔ مرحومہ نے اپنے چالیس سال ملتِ جعفریہ کی خدمت میں صرف کئے۔

### ولادت:

۱۷ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۱ دسمبر ۱۹۱۸ء میں بروز جمعہ بمقام منڈوا سادات ضلع فتح پور ہنسوا، سید ظفر عباس نقوی کے گھر اُن کی ولادت ہوئی۔ وہ اپنے والد سید ظفر عباس کی پہلی اولاد تھیں۔

### محسنہ بیگم کے اجداد:

سید جان شاہ (بانی قصبہ منڈوا) ابن سید حسین ابن سید محمد (جد امجد سادات منڈوا) ابن سید احمد ابن سید جعفر ابن سید فخر الدین ابن سید محمود ابن سید ابراہیم ابن سید قاسم ابن سید حسین ابن حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے چار فرزند تھے۔ سید احمد، سید عالم، سید قیام الدین اور سید قطب۔ فرزند اکبر سید احمد کے صاحب زادے۔ سید راجے بڑے ایک پسر سید رجن کے والد تھے۔ سید رجن کے یہاں سید ملوک اور سید کبیر پیدا ہوئے۔ سید ملوک سے سید احمد اُن سے سید پیارے اُن سے سید نور محمد اُن سے سید شاہ محمد اُن سے سید کریم الدین اُن سے سید ثناء اللہ اور اُن سے سید دوست محمد (عرف داسن میاں) پیدا ہوئے۔ سید دوست محمد کو بہ فضل تعالیٰ تین پسر سید مکرم علی، سید عاشور علی اور سید عوض علی اور دو بیٹیاں عطا ہوئیں ایک بیٹی فرحت النساء بی بی زوجہ سید بخش حسین عرف گلو میاں (مصطفیٰ آباد) زوجہ تھیں۔ سید مکرم علی کے چار بیٹے سید ممتاز علی، سید غلام حضرت، سید تقی علی، سید مصاحب علی اور دو بیٹیاں تھیں۔ سید ممتاز علی کے گھر سید مظہر حسین اور سید تجل حسین پیدا ہوئے۔ سید مظہر حسین کے ہاں دو بیٹے سید غلام

سبطین اور سید ظفر عباس پیدا ہوئے۔

خدائے لاشریک کی عنایات سے سید ظفر عباس کو پانچ دختر اور چھ پسر عطا ہوئے۔ ان میں سب سے بڑی اولاد محسنہ بیگم تھیں۔ اُس کے بعد عسکریہ بیگم، مہدیہ بیگم، نقیہ بیگم اور رضیہ بیگم۔ فرزندوں کے نام۔ سید مظاہر عباس، سید شاہد عباس، سید ناظر عباس، سید منتظر عباس، سید کاظم عباس، اور سید اشتر عباس ہیں۔

محسنہ بیگم کے والد ماجد:

سید ظفر عباس سلطان پور میں پیدا ہوئے۔ چونکہ ظفر عباس کے نانا مولوی سید حسن اشرف نے انیسویں صدی کے ربع آخر کا زیادہ حصہ سلطان پور میں گزارا اس لیے سب کا قیام وہیں رہا۔

مولوی سید حسن اشرف کو ڈپٹی کمشنر سلطان پور مسٹر براؤن رگ کے زمانے میں ضابطہ فوجداری دفعہ ۴ کے تحت مقدمات فوجداری میں وکالت کرنے کی اجازت دی گئی، علاوہ بریں مولوی صاحب ریاست حسن پور میں بچہ مختاری بھی مامور ہو گئے تھے۔ مولوی صاحب نے اپنی بیٹی کا عقد جن کا نام لطیف النسائی بی تھا اور اُن کی سب سے بڑی بیٹی تھیں، سید مظہر حسین کے ساتھ کر دیا۔ سید مظہر حسین کا قیام بھی سلطان پور میں ہی رہا اور اس شہر سے کچھ ایسی وابستگی ہوئی کہ وہیں مقیم ہوئے اور وہیں صاحب جائیداد ہو گئے۔ منڈوے کی جائیداد اپنے بڑے بیٹے غلام سبطین کو لکھ دی اور سلطان پور کی جائیداد چھوٹے بیٹے سید ظفر عباس کے سپرد کر دی۔ مظہر حسین نے اپنے فرزند سید ظفر عباس کی شادی اپنے چچا زاد بھائی صادق حسین کی بیٹی اسرار فاطمہ سے کر دی۔ سید صادق حسین کا قیام منڈوے میں تھا۔ اس طرح منڈوے اور سلطان پور میں دونوں جگہ آبائی مکان موجود تھا تمام بزرگ وہیں رہتے تھے۔ اس لیے محسنہ بیگم کی ولادت منڈوے میں ہوئی لیکن قیام اُن کا زیادہ تر سلطان پور ہی میں رہا۔ سید ظفر



(۲۲۳)

عباس کی شادی ۱۸ سال کی عمر میں ہوئی اُس وقت وہ تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ۱۹ سال کے تھے کہ محسنہ بیگم کی ولادت ہوئی۔ بغرض تعلیم وہ لکھنؤ گئے تو اہلیہ اور بیٹی کو بھی ساتھ ہی لے گئے۔

سید ظفر عباس نے ایم اے کرنے کے بعد ایل ایل بی کیا اور سلطان پور میں وکیل ہو گئے۔ اس سے پہلے ڈپٹی کلکٹر بھی رہے اور گورکھ پور میں قیام رہا سید ظفر عباس کے بڑے بھائی سید غلام سبطین چونکہ جنگ عظیم میں شریک تھے اس لیے مصر سے واپسی پر اُن کی شادی ہوئی۔ باپ اور چچا کی شفقتوں اور محبتوں میں محسنہ بیگم پروان چڑھیں۔ ابھی گیارہ سال کی عمر تھی کہ والدہ کا انتقال ہو گیا۔

محسنہ بیگم کی والدہ ماجدہ:

محسنہ بیگم کی والدہ ماجدہ، سید مظہر حسین کے چچا زاد بھائی سید صادق حسین کی بیٹی تھیں۔ صادق حسین کے تین فرزند اور تین بیٹیاں تھیں۔ محسنہ بیگم کی والدہ اسرار فاطمہ اپنے ماں باپ کی سب سے چھوٹی اولاد تھیں۔ چھوٹی چھوٹی بچیوں کو چھوڑ کر اسرار فاطمہ اچانک ۲۳ سال کی عمر میں راہی ملک عدم ہوئیں۔ محسنہ بیگم کی چچی غلام سبطین کی اہلیہ جو مصطفیٰ آباد کے اعلیٰ سادات گھرانے کی بیٹی تھیں اور اولاد تھیں۔ انہوں نے گھر کو سنبھالا۔ محرم کی گیارہ تاریخ اسرار فاطمہ کی وفات کی تاریخ پر اُن کی سب بیٹیاں اب تک مجلس منعقد کرتی ہیں۔ محسنہ بیگم بھی ہر سال ”ماں“ کی برسی کی مجلس کا اہتمام کرتی تھیں۔

تعلیم و تربیت:

محسنہ بیگم کی والدہ کے انتقال کے بعد اُن کے والد بیٹیوں کی تعلیم کی طرف سے غافل نہیں تھے اپنی مصروفیات کے باوجود وہ انھیں تعلیم بھی دیتے رہتے تھے۔ محسنہ بیگم کی تعلیم پر انہوں نے خاص توجہ دی اور محسنہ بیگم نے اپنی چھوٹی بہنوں کو ”ماں“ بن کر یہ

فریضہ منتقل کیا۔ گھریلو تعلیم کے لیے اُن کی چچی جان کافی تھیں۔

محسنہ بیگم نے پردے میں رہ کر اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے پہلے اپنے والد سید ظفر عباس سے عربی، فارسی، اردو، انگریزی پڑھی۔ اُن کے والد نے مولوی سید باقر حسین نصیر آبادی کو بلا کر اُن کے ذمے یہ کام کیا اور مولوی صاحب نے ہمیشہ اپنی بیٹی کی طرح شفقت سے پڑھایا اور کچھ ہی دنوں میں مرحومہ کو عالمہ فاضلہ بنا دیا۔ اپنے ہاتھ سے لکھ کر مولوی صاحب نے میرانیس اور مرزا دبیر کے مرثیے نہایت خوش خط تحفہ میں دیئے جنہیں آج تک انہوں نے محفوظ رکھا۔ بارہ برس کی عمر میں وہ بہترین مجالیس پڑھنے لگیں۔ شروع میں مولوی صاحب کے لکھے ہوئے مسودے پڑھتی تھیں۔ اور اسی زمانے سے نوحہ اور سلام بھی نظم کرنے لگیں۔ ۷۱ سال کی عمر میں اُن کی شادی ہو گئی۔ شادی کے بعد بھی اُنہوں نے اپنی تعلیم اور مطالعہ جاری رکھا۔ ۱۹۵۶ء میں انہوں نے میٹرک کا امتحان دیا۔ ہندی اور انگریزی کی تعلیم بھی حاصل کی۔ فارسی کی مزید تعلیم مولانا مرزا احمد علی اعلیٰ اللہ مقامہ (مجاہد لکھنوی کے والد) سے حاصل کی تھی۔

### بچپن کے حالات:

محسنہ بیگم کا حافظہ بچپن ہی سے بہت تیز تھا۔ اور اُن کو اپنے بچپن کے حالات بخوبی یاد تھے۔ گھر کے نوکر چا کر اُن کے والد کو میاں کہتے تھے اس لیے نوکروں سے سن کر وہ اپنے والد کو میاں کہنے لگیں اور پھر ان کی تقلید میں سب نے اُنھیں میاں کہا۔ محسنہ بیگم کی والدہ کو ”آباد بہو“ کا خطاب ملا تھا۔ اس لیے زیادہ تر انہیں اسی خطاب سے پکارا جاتا تھا۔ اس لیے اُنہیں محسنہ بیگم نے ہمیشہ ”بہو“ کہا۔

محسنہ بیگم کو اپنے چچا سے بہت محبت تھی اور وہ بھی اُن پر جان چھڑکتے تھے بہتی تھیں۔ ”جب ہمارے چچا جان دولہا بنے گھوڑے پر سوار ہو رہے تھے۔ بارات جانے والی تھی تو انہوں نے مجھے گود میں لے کر پیار کیا تھا“۔ انھیں اپنے دادا مظہر حسین کی باتیں بھی



یاد تھیں۔ مظہر حسین کا انتقال الہ آباد میں ہوا تھا اور وہیں درگاہ حضرت عباس میں اُن کی قبر ہے۔

محسنہ بیگم کے ماموں ماسٹر غلام حسین نقوی مرحوم نے ایک بار خاندان کے تمام بچوں کو املا لکھوایا تھا۔ فرماتی تھیں۔ سب مجھ سے سن میں بڑے تھے۔ ہر ایک کے املے میں غلطیاں موجود تھیں جب کہ میری تحریر میں ایک بھی غلطی نہ تھی۔

محسنہ بیگم کے والد سید ظفر عباس کی دوسری شادی:

محسنہ بیگم کی والدہ کے انتقال کے دو سال بعد سید ظفر عباس مرحوم کی دوسری شادی ہوئی۔ اپنی دوسری والدہ کو وہ ”باجی“ کہتی تھیں۔ پھر تمام بچوں نے انہیں ہمیشہ باجی کہا۔ مرحومہ نے اُن کو ہمیشہ ماں سمجھا۔ اور اُن کا ہمیشہ احترام کرتی تھیں۔ وہ بھی محسنہ بیگم سے بہت محبت کرتی تھیں۔

محسنہ بیگم کی شادی:

۱۷ سال کے سن میں محسنہ بیگم کی شادی ہوئی۔ سید ظفر عباس نقوی کے والد مظہر حسین کی خالہ زاد بہن جو دیانت حسین مرحوم (ریس قصبہ مصطفیٰ آباد) کی اہلیہ تھیں اُن کے بیٹے سید ظہیر حسن نقوی سے شادی طے ہوئی۔ ۱۷ شعبان ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۳۵ء شب جمعہ کو یہ شادی ہوئی یہ شادی سید ظفر عباس کے گھر کی پہلی شادی تھی۔ جو لوگ وہ شادی دیکھ چکے ہیں۔ کہتے ہیں بڑے انتظامات تھے۔ بڑے رؤساء، امراء، علماء، راجہ، مہاراجہ سبھی مدعو تھے۔ ہندو راجاؤں اور وکیلوں کے لیے الگ کھانے کا انتظام تھا۔ کئی روز تک مہمان داری ہوئی۔ سید سبط حسین جو پیوری اعلیٰ اللہ مقامہ نے عقد پڑھا۔ گھر میں محسنہ بیگم کو دلہن بنایا گیا۔ مرحومہ کی خالہ اور چچی نے اُن کے جہیز کی تیاری میں بڑا اہتمام کیا تھا۔ مرحومہ کی کوئی پھوپھی نہیں تھیں اس لیے انہوں نے ہمیشہ

رانی صاحبہ پیر پور کورٹن پھوپھی (اُمّ رباب) کہا اور وہ بھی محسنہ بیگم سے بہت محبت کرتی تھیں انہوں نے ہی اپنے ہاتھوں سے محسنہ بیگم کو دلہن بنایا۔ رانی صاحبہ حیات ہیں اور لکھنؤ میں اُن کا قیام ہے۔ بروز جمعہ ۱۶ نومبر ۱۹۳۵ء (۱۸ شعبان ۱۳۵۴ھ) ۲ بجے دن کو محسنہ بیگم کی سلطان پور سے مصطفیٰ آباد کے لیے رخصتی ہوئی۔

### سسرال میں:

سید دیانت حسین کے صرف دو بیٹے ہیں۔ بڑے بیٹے سید وزیر حسن اور چھوٹے بیٹے سید ظہیر حسن۔ محسنہ بیگم ظہیر حسن کی دلہن بن کر مصطفیٰ آباد آ گئیں۔ وزیر حسن کی اہلیہ بھی محسنہ بیگم کی سگی ماموں زاد بہن تھیں۔ پھر ساس بھی رشتہ دار تھیں اس لیے انہوں نے سسرال میں کبھی غیریت محسوس نہیں کی۔ بزرگوں نے انھیں ”زینت بہو“ کے خطاب سے نوازا۔

### محسنہ بیگم کے خسر:

محسنہ بیگم کے خسر سید دیانت حسین ابن سید عنایت حسین ابن سید بخش حسن۔ رئیس قصبہ مصطفیٰ آباد بڑے آن بان کے مالک تھے۔ مصطفیٰ آباد کے بڑے رئیسوں میں اُن کا شمار تھا۔ سید دیانت حسین مرحوم کی محفل ولیمہ میں سید عنایت حسین مرحوم نے میر نفیس کو لکھنؤ سے مرثیہ پڑھنے کے لیے بلوایا تھا۔ نواب شیخ احمد حسین خان بہادر آف پریانواں نے ہر کام سید دیانت حسین مرحوم کی صلاح اور مشورے کے بعد کیا۔ نواب صاحب اُن کو بہت عزیز رکھتے تھے حد یہ ہے کہ اپنے وصیت نامے میں صرف دو اشخاص کو شریک کیا۔ ایک سرکار ناصر الملت اعلیٰ اللہ مقامہ اور دوسرے سید دیانت حسین مرحوم۔ اس واقعہ کا تذکرہ فخر کے ساتھ آج بھی نواب صاحب کے پوتے ممن میاں اکثر کرتے ہیں کہ بابا (دیانت حسین) کی وجہ سے یہ بات راز رہی ورنہ جائیداد



کے بنوارے میں رخنہ بھی پڑ سکتا تھا اور ہمارے والد کے لیے پریشانی کا باعث ہوتا۔ مصطفیٰ آباد کے ایک اور رئیس سید مصحف حسین (عرف مچھو میاں) بھی سید دیانت حسین کا بڑا احترام کرتے تھے۔ احترام کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سید دیانت حسین کے خسر سید ذاکر حسین مچھو میاں کے بہت عزیز ترین دوست تھے۔ اس وضع داری کو اُن کی اولاد نے بھی برقرار رکھا اور مچھو میاں کی اولاد نے بھی سید دیانت حسین کا ہمیشہ احترام کیا۔ تین پشتوں کے بعد دونوں کے شجرے مل جاتے ہیں اور آپس میں رشتے داریوں کی وجہ سے یہ محبت کا رشتہ اب تک قائم ہے۔

محسنہ بیگم کے شوہر (سید ظہیر حسن نقوی):

سید ظہیر حسن نقوی، محسنہ بیگم کے شریک زندگی نہایت وجیہ تھے۔ پُر وقار شخصیت کے مالک تھے۔ اُن کا شجرہ نسب سادات مصطفیٰ آباد میں بہت معزز اور بزرگ تر سمجھا جاتا ہے۔

سید ظہیر حسن ابن سید دیانت حسین ابن سید عنایت حسین ابن سید بخشش حسن ابن سید حضرت بخش ابن سید میر علی ابن سید محمد عیسیٰ ابن سید امین الدین ابن سید عظیم الدین ابن سید معین الدین ابن سید عبدالحق ابن سید عبد الغفور ابن سید قطب ابن سید علی ابن سید نواب غالب علی ابن سید علی الدین ابن سید مبارک ابن سید محمود ابن قاضی سید شرف الدین ابن سید شہاب الدین ثانی ابن سید ضیاء الدین ابن سید شمس الدین ثانی ابن حسام الدین ابن سید جلال الدین ابن سید محمد شہاب الدین گردیزی ابن سید زین الدین حسن ابن سید عیسیٰ باقر عالم ربانی ابن سید حسن نظام الدین ابن سید امیر حمزہ سبزواری ابن سید محمد عسکری ابن سید ابوطالب حمزہ ابن سید محمد موسیٰ بغدادی ابن سید طاہر ابوالقاسم ابن حضرت جعفر الذکی مرتضیٰ اعظم ابن حضرت امام علی نقی علیہ السلام سید ظہیر حسن، سید دیانت حسین عرف دو میاں کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔

سید ظہیر حسن کی ولادت ۲ صفر ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۹۱۰ء بروز اتوار مصطفیٰ آباد میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مصطفیٰ آباد میں ہوئی۔ سید انیس حیدر عرف انچھو میاں اور اُن کی زوجہ سکیہ بیگم عرف پُھندن بی بی بنت سید محمد مہدی ادیب سے قرآن شریف پڑھا۔ اسکول کی تعلیم رائے بریلی اور حسین آباد اسکول لکھنؤ میں حاصل کی۔ ۱۹۳۰ء میں میڈیکل اینڈ ہیلتھ ڈپارٹمنٹ میں ملازم ہو گئے۔ بسلسلہ ملازمت مراد آباد لکھنؤ میں قیام رہا۔

۱۷ شعبان ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۳۵ء میں سید ظفر عباس عرف دلشاد میاں کی بڑی صاحبزادی محسنہ بیگم سے شادی ہوئی۔ شادی کے وقت سید ظہیر حسن ۲۵ برس کے تھے اور محسنہ بیگم کی عمر ۱۷ برس تھی۔ دونوں میں ۸ برس کا فرق تھا۔ سید ظہیر حسن نقوی کی بارات مصطفیٰ آباد سے سلطان پور گئی تھی۔ دعوتِ ولیمہ مصطفیٰ آباد میں اعلیٰ پیمانے پر ہوئی، محفل پڑھنے کے لیے لکھنؤ کے شعراء اور خصوصاً مولانا نادر الزمان سید ابن حسن نونہروی تشریف لائے۔ شادی کے بعد سید ظہیر حسن کا مستقل قیام لکھنؤ میں رہا، محلہ گولہ گنج اور بعد میں محلہ وزیر گنج میں رہائش پذیر رہے۔ تین بیٹے اور تین بیٹیاں لکھنؤ کے قیام میں تولد ہوئے۔

سید ظہیر حسن اور محسنہ بیگم میں قدیم رشتے داری:

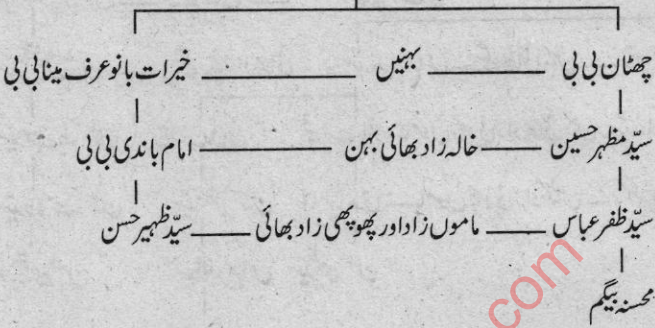
محسنہ بیگم کہتی تھیں کہ ہم دونوں میاں بیوی میں وہ رشتے داری ہے جو حضرت علی علیہ السلام اور جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا میں تھی، حضرت علیؑ، جناب سیدہ کے پدرِ گرامی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔

محسنہ بیگم کے والد سید ظفر عباس، سید ظہیر حسن کے ماموں زاد بھائی تھے۔ محسنہ بیگم کے دادا سید مظہر حسین عرف تجو میاں مصطفیٰ آباد کے نواسے تھے۔ سید ظہیر حسن کی والدہ امام باندی بی بی کے نانا اور محسنہ بیگم کے دادا سید مظہر حسین کے نانا ایک ہی تھے یعنی سید



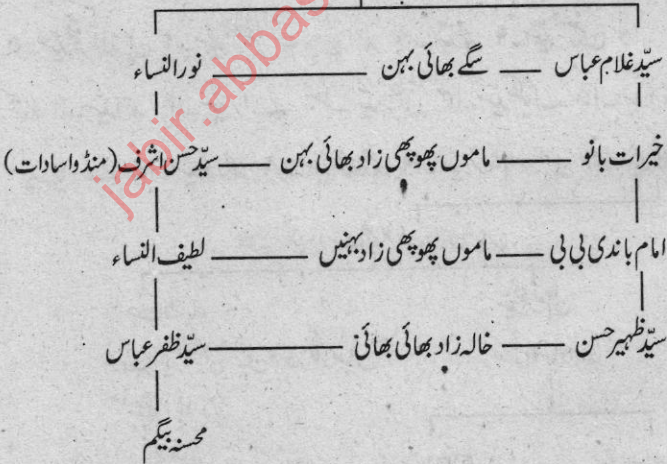
غلام عباس ابن سید قدرت علی ابن سید غلام میر علی عرف بابو میاں۔

سید غلام عباس (مصطفیٰ آباد)



محسنہ بیگم کے والد سید ظفر عباس کے نانا سید حسن اشرف بھی مصطفیٰ آباد کے نواسے تھے۔۔

سید قدرت علی



محسنہ بیگم کی پردادی چھٹان بی بی اور سگودادی نور النساء بی بی دونوں مصطفیٰ آباد کی تھیں۔

محسنہ بیگم کے نانا سید صادق حسین بھی مصطفیٰ آباد کے نواسے تھے۔

سید حضرت بخش — سگے بھائی — سید قدرت علی

سید بخش حسن — سگے چچا زاد بھائی — سید غلام عباس — سگے بھائی بہن — رحم النساء

سید عنایت حسین — چھٹان بی بی — خیرات بانو — ماموں پھوپھی زاد بھائی بہن — سید صادق حسین

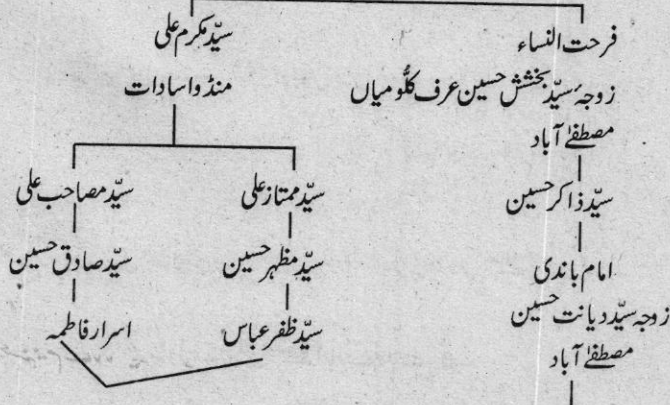
سید دیانت حسین — سید مظہر حسین — امام باندی — ماموں پھوپھی زاد بہنیں — اسرار فاطمہ

سید ظہیر حسن — سید ظفر عباس — سید ظہیر حسن

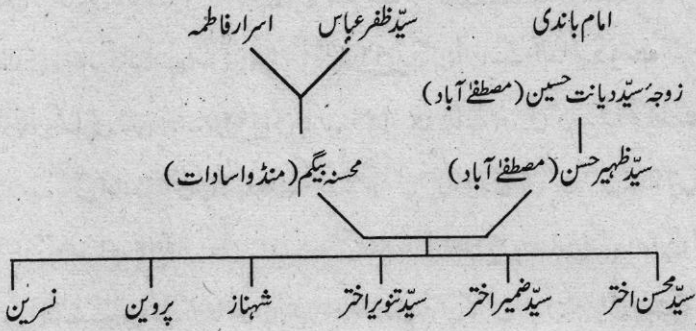
محمد یگم

حضرت امام علی نقی علیہ السلام ۱۔ سید حسین ۲۔ سید قاسم ۳۔ سید ابراہیم ۴۔ سید محمود  
۵۔ سید فخر الدین ۶۔ سید جعفر ۷۔ سید احمد ۸۔ سید محمد ۹۔ سید حسین ۱۰۔ سید جان  
شاہ ۱۱۔ سید احمد ۱۲۔ سید راجہ ۱۳۔ سید رجن ۱۴۔ سید ملکوک ۱۵۔ سید احمد ۱۶۔  
سید پیارے ۱۷۔ سید نور محمد ۱۸۔ سید شاہ محمد ۱۹۔ سید کریم الدین ۲۰۔ سید ثناء اللہ

۲۱۔ سید دوست محمد عرف داسن میاں







سو سال پرانی رشتے داری کی بنا پر امام باندی بی بی نے اپنے فرزند کا رشتہ براہ راست سید ظفر عباس (سلطان پور) ایک خط کے ذریعے دیا تھا۔ شادی کی تیاری میں درمیانی گفتگو اور رابطہ ثار بانو عرف نجھن بی بی بنت سید اسد حسین عرف منگو میاں کے ذریعے سے ہوا جو کہ محسنہ بیگم کی سگی چچی اور امام باندی بی بی کی سگی پھوپھی زاد بہن بننا بی بی کی صاحب زادی تھیں۔

سید ظہیر حسن کا قیام مستقل طور پر تقریباً ۳۵ برس لکھنؤ میں رہا۔ سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد ۱۹۷۰ء میں پاکستان آ گئے اور تاحال کراچی میں مقیم ہیں۔ (انتقال سے پہلے)

سید ظہیر حسن انتہائی شریف النفس، عبادت گزار، عزا دار، با اصول با کردار شخصیت کے مالک ہیں۔ عزیز رشتے دار ان کے گرویدہ اور وہ پورے خاندان کے ہر غم اور خوشی میں شریک رہتے ہیں۔

سید ظہیر حسن اپنے ماں باپ سے اور بھائی سید وزیر حسن سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ محرم میں اپنے پورے خاندان کے ساتھ مصطفیٰ آباد جاتے تھے۔ اکثر کئی کئی مہینے قیام رہتا۔

سید ظہیر حسن کی والدہ امام باندی بی بی نے ۷ رمضان مطابق ۳ فروری ۱۹۶۳ء

میں لکھنؤ میں وفات پائی، مہینوں اُن کے لیے قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے گریہ طاری رہتا۔ یکم رجب مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۹۶۵ء میں اُن کے والد سید دیانت حسین کا انتقال کراچی میں ہوا۔ ۱۹۶۵ء کی پاک و بھارت جنگ ہو رہی تھی۔ خط و کتابت کا سلسلہ منقطع تھا۔ انتقال کی خبر بروقت لکھنؤ نہ پہنچ سکی اپنی ڈائری میں ظہیر حسن لکھتے ہیں:-

”والد ماجد کا انتقال پہلی رجب مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۹۶۵ء دوران جنگ کراچی میں ہوا، جنگ کے باعث ہم کو اطلاع ایک ماہ بعد ہوئی، جس کا قلق زندگی بھر باقی رہے گا۔“

سید ظہیر حسن کے بچپن کے دوستوں میں سید قمر عباس عرف بی میاں، سید محمد بسطین اور سید غلام حسین نقوی ایڈوکیٹ تھے۔

لکھنؤ کے خاص دوست احباب میں مندرجہ ذیل حضرات شامل تھے:-

سید ظفر یاب حیدر زیدی (رجسٹر اعلیٰ گڑھ یونیورسٹی)

پروفیسر سید حسن یادور نقوی اور اُن کے چھوٹے بھائی، جسٹس علی نصرت نقوی، سید خورشید احمد ایم اے ایل ایل بی ایڈیٹر ماہنامہ ”نیا دور“ لکھنؤ۔ پروفیسر علی جواد زیدی معروف شاعر، کثیر التصانیف ادیب و محقق ہیں۔ اتر پردیش اُردو اکادمی کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ مرزا واجد حسین ایڈوکیٹ (مصنف عورت کی عظمت) لکھنؤ میں پڑوسی تھے۔ اب کراچی میں قیام پذیر ہیں۔

پروفیسر احتشام حسین، مولانا سلیمان عباس (بنارس) دونوں حضرات سے گھرے مراسم تھے۔

مولانا حیدر حسین نکہت لکھنؤی، آپ رمضان المبارک میں مصطفیٰ آباد تشریف لے جاتے تھے۔

مولانا یادور مہدی، لکھنؤ کے کسی کالج میں فارسی اور اُردو کے پروفیسر تھے اور مجالس بہت اچھی پڑھتے تھے خصوصاً ”مختار نامہ“ خوب پڑھتے تھے۔



(۲۳۳)

ضیاء اللہ راجہ لکھیم پور، سے شکار کھیلنے کے سلسلے میں بہت دوستی تھی۔ سید ظہیر حسن جوانی میں شکار کھیلنے سے دلچسپی رکھتے تھے۔ کئی مرتبہ شیر کا شکار کھیلنے کا بھی اتفاق ہوا، اسی سلسلے میں راجہ ضیاء اللہ سے بہت دوستی تھی۔

سید خورشید حسن ایڈوکیٹ ڈاکٹر رفیق حسین اور ڈاکٹر سید اطہر عباس رضوی سے بھی بہت دوستی تھی۔

نصیر الملت مولانا سید محمد نصیر عبقاتی، سعید الملت مولانا سید محمد سعید عبقاتی اور مولانا کلب حسین اعلیٰ اللہ مقامہ سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔

مولانا مظفر حسین طاہر جرولی سے بہت محبت رکھتے تھے، کراچی جب بھی وہ آئے سید ظہیر حسن سے ملاقات کے لیے ضرور آتے تھے۔ مولانا کلب صادق صاحب جب بھی کراچی آتے ہیں سید ظہیر حسن سے ملاقات کے لیے ضرور آتے ہیں۔

سید ظہیر حسن نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کی جانب خصوصی توجہ دی، آپ کے تین فرزند اور تین دختران نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔

فرزند اکبر سید محسن اختر نقوی ہیں، جن کا مستقل قیام نیوجرسی امریکہ میں ہے۔ ۳۰ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق ۹ جولائی ۱۹۴۰ء یوم دوشنبہ یوقت ۱۰ بجے شب بمقام لکھنؤ محلہ گولہ گنج مرشد آباد ہاؤس میں پیدا ہوئے۔ پروفیسر جوہلی کالج سید احمد حسین مرحوم نے تاریخی نام محسن اختر رکھا۔ عرفیت جھٹن میاں ہے۔ دوسرے فرزند سید ضمیر حسن ہیں ۲۹ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۵ مارچ ۱۹۴۴ء یوم شنبہ بوقت ۸ بجے دن بمقام سنٹرل جوہلی ہاسپٹل لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ سید غلام حسنین صاحب ماسٹر نے اسم تاریخی ”معنبر رضا“ رکھا۔ ادبی دنیا میں ضمیر اختر نقوی کے نام سے مشہور ہوئے، مستقل قیام کراچی میں ہے۔

تیسرے فرزند سید تنویر حسن ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۳ مئی ۱۹۴۶ء یوم

دوشنبہ بوقت ۴ بجے صبح بمقام لکھنؤ وزیر گنج ولادت ہوئی۔ سید غلام سبطین مرحوم نے اسم تاریخی سید غیاور الحسن رکھا۔ تنویر اختر کے نام سے مشہور ہیں۔ مستقل قیام انگلینڈ میں ہے۔ سید ظہیر حسن کی دختران میں بڑی کنیز مہدی عرف شہناز ہیں۔ سید جلال اصغر جعفری سے شادی ہوئی۔

دوسری دختر معراج فاطمہ عرف پروین ہیں۔ سید علی اختر زیدی سے شادی ہوئی۔ مستقل قیام لندن میں ہے۔

تیسری دختر نسreen فاطمہ ہیں سید ناصر رضا رضوی سے شادی ہوئی۔ مستقل قیام کراچی میں ہے۔

سید ظہیر حسن کی زندگی کا ایک المیہ یہ ہوا کہ اُن کی اہلیہ محسنہ بیگم کا اچانک انتقال ہو گیا۔ محسنہ بیگم خاندان کی ہر دھڑ خاتون تھیں۔

۸ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۲ اپریل ۱۹۷۷ء بروز منگل ۵ بج کر ۱۰ منٹ پر عزرا خانے میں فرش عزرا پر گریہ کرتے ہوئے اُن کا انتقال ہوا۔ یہ دن ایام عزرا کا آخری دن اور یوم شہادتِ امام حسن عسکری علیہ السلام ہے۔ ہر سال اسی وقت پر مرحومہ کی برسی رضویہ کے امام باڑے میں ہوتی ہے۔

یہ غم زدہ سانحہ ہمیشہ کے لیے اُن کے اہل خاندان کو سو گوار کر گیا۔ ذاتی غم مومن بھول جاتا ہے اس لیے کہ۔

”غم حسینؑ زندہ و پائندہ ہے“

سسرال میں پہلی مجلس:

محسنہ بیگم نے سسرال میں پہلی بار دس مجالس کی بنیاد رکھی، مردانی مجالس ہوتی تھیں لیکن زنانی مجالس کا کوئی عشرہ نہیں ہوتا تھا اور نہ گھر میں عزرا خانہ تھا۔ انہوں نے گھر میں عزرا خانہ سجایا اور مجلس بھی منعقد کیں۔ شادی کے بعد بہت دنوں تک انہوں نے سسرال



میں مجلس نہیں پڑھی لیکن جب مصحف حسین صاحب (مچھو میاں) کا انتقال ہوا تو محسنہ بیگم کی چچی نے کہلوا یا کہ سوئم کی مجلس تم پڑھو سسرال میں یہ اُن کی پہلی مجلس تھی جو انہوں نے پڑھی۔

### لکھنؤ میں قیام:

محسنہ بیگم کے شوہر ڈائریکٹر ایٹ آف میڈیکل اینڈ ہیلتھ میں سرکاری ملازم تھے۔ اس لیے اُن کا قیام لکھنؤ میں رہتا تھا۔ شادی کے کچھ عرصے بعد وہ بھی لکھنؤ آ گئیں۔ اُن کے شوہر نے گولہ گنج میں مولوی حیدر حسین صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کا ایک مکان کرایہ پر لیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد مرشد آباد ہاؤس میں مکان لیا اور اسی مکان میں شادی کے پانچ سال بعد اُن کے فرزند اکبر سید محسن اختر نقوی کی ولادت ہوئی۔

محسن اختر ایک سال کے تھے جب سید ظہیر حسن نے وزیر گنج میں مکان لیا اور پاکستان آنے تک اُسی مکان میں قیام رہا۔ یہ مکان سلطنت بیگم (خان بہادر حامد حسین) کی اہلیہ کا تھا۔ اسی مکان میں وہ محرم کی مجالس اور آئینہ معصومین کی ولادت کے موقع پر محافل بھی کرتی تھیں۔

### امور خانہ داری:

محسنہ بیگم نے اپنے والد کے گھر میں کبھی گھریلو کام کاج نہیں کئے تھے اس لیے کہ نوکر لگے ہوئے تھے۔ سسرال میں بھی نوکر چاکر تھے۔ لیکن لکھنؤ آ کر اپنے گھر کو اس طرح سنبھالا اور سنوارا جیسے سب کچھ برسوں سے کر رہی تھیں۔ اُن کا اصول تھا کہ کبھی بے کار نہیں بیٹھنا چاہیے اور کسی نہ کسی کام میں لگے رہنا چاہیے اس لیے انہوں نے اپنے کو ہمیشہ مصروف رکھا۔ جب تک بچے چھوٹے تھے انہوں نے ایک ملازم بچے کھلانے کے لیے اور ایک نوکرانی کھانا پکانے والی رکھی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ کوئی ملازم نہ ملتا تو وہ خود

(۲۳۶)

سارے کام کرتی تھیں۔ کھانا پکانے میں انہیں مہارت حاصل تھی اور وہ نذر نیاز دعوتِ مہمانی کے موقع پر تنہا سو دو سو آدمیوں کا کھانا پکا لیتی تھیں۔ قورمہ، بریانی، شامی کباب، کھیر، زردا، چپاتی روٹیاں ہر چیز نفیس سے نفیس تر ہوتی تھی۔ انہیں نئے نئے کھانے پکانے کا بھی شوق تھا۔

سلائی بھی وہ خود کرتی تھیں۔ انہوں نے درزی کے یہاں کپڑے سلوانا کبھی پسند نہیں کیا۔ چکن کے کرتے، کڑھائی، دردوزی کا کام، ٹرپائی، سلمہ ستارے کا کام، ریشم کی کڑھائی، سندھی کڑھائی، سوٹر کی بنائی ہر کام میں انہیں مہارت حاصل تھی۔ اور ان کاموں میں اپنے کو مصروف رکھتی تھیں۔

موسم سرما میں لحاف، رضائی کی سلائی اور ڈورے ڈالنے کا کام بڑھ جاتا تھا۔ ہر کام میں صفائی کا خیال رکھتی تھیں۔ گھر میں بھی صفائی کو مقدم رکھتی تھیں اور بچوں کو اگر ڈانٹا تو اسی بات پر کہ یہاں ابھی میں نے صفائی کی تھی پھر کوڑا کر دیا۔ باورچی خانہ ہر وقت صاف ستھرا رہتا تھا۔ منہ دھونے کے لوٹے اور وضو کرنے کے لوٹے بالکل الگ رکھتی تھیں۔ پاکیزگی کا ہر وقت خیال رہتا تھا۔

### عبادت:

جائے نماز اُن کی بالکل الگ تھی۔ سب کے پڑھنے کی جائے نماز الگ تھی۔ اُن کی محفل کی جائے نماز ہوتی تھی جس میں بڑی سجدہ گاہ، خوب صورت سی تیج، وظائف الابرار، تحفہ احمدیہ کی جلد دوم، تعقیبات کی کتاب رہتی تھی۔

نماز تو ظاہر ہے خاموشی سے ہی پڑھتی تھیں لیکن دعائیں اور کلامِ مجید کی تلاوت زیارات بلند آواز سے پڑھتی تھیں جو کانوں کو بہت بھلی معلوم ہوتی تھی۔ شبِ جمعہ اور جمعہ کے روزِ عطر کا استعمال کرتی تھیں اور اگر بتی سلگاتی تھیں۔ جائے نماز پر جب بیٹھی ہوتی تھیں انتہائی رُعب دار چہرہ ہو جاتا تھا اور انتہائی نورانی معلوم ہوتا تھا۔ نمازِ شب



بھی پڑھتی تھیں۔ شب جمعہ کو بہت رات تک مشغول عبادت رہتی تھیں رمضان المبارک میں سحری کے وقت دعائیں پڑھتی تھیں۔ تلاوت زیادہ تر ظہر کے بعد کرتی تھیں۔

### قرآن کی تلاوت اور مطالعہ:

عام دنوں میں قرآن کی تلاوت وہ صبح اور شام دونوں وقت فرماتی تھیں۔ صبح کو صرف تلاوت اور شام کو تفسیر اور معنی کے ساتھ تلاوت فرماتی تھیں۔ جب کوئی اہم نکتہ آتا تو پاس بیٹھے ہوئے کسی بیٹے یا بیٹی کو پڑھ کر سناتی تھیں۔ اکثر ایسی ایسی آیتیں پڑھتیں جن کی تفسیر بہت دیر تک سنتے رہنے کے باوجود دل چاہتا تھا کہ بیان کرتی رہیں اور ہم لوگ سنتے رہیں۔

مطالعہ کا شوق انہیں بچپن سے تھا۔ کتابیں انہوں نے ہمیشہ بہت عزیز رکھیں کتابوں کی حفاظت اُن کی جلد بندی وہ خود کرتی تھیں۔ اُن کے مطالعے میں قرآن مجید نہج البلاغہ، احادیث اور تواریخ کی تمام کتابیں رہتی تھیں۔ کبھی کبھی دوپہر میں سونے سے پہلے ناول رسالے بھی پڑھتی تھیں۔ خان محبوب طرزی، شوکت تھانوی، فیاض علی، اے آر خاتون، مسز عبدالقادر، عظیم بیگ چغتائی، علی عباس حسینی، نسیم انہونی کی کتابیں انہیں زیادہ پسند تھیں۔ ابن صفی کی ناولیں بھی پڑھتی تھیں۔ شعرا میں اکبر الہ آبادی کا گاندھی نامہ یا کوئی اور مجموعہ پڑھتی تھیں۔ میر انیس اور مرزا دبیر کو تو انہوں نے بچپن سے پڑھا تھا۔

ڈپٹی نذیر احمد، سرسید، غالب، شبلی، شرر کی کتابوں کا انہوں نے گہرا مطالعہ کیا تھا۔ گفتگو میں اکثر سعدی اور شیرازی کے اشعار بھی پڑھتی تھیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فارسی شعرا کا کلام بھی خوب یاد ہے۔

ماہنامہ کامیاب دہلی، ماہنامہ خاتون مشرق دہلی، ماہنامہ عصمت دہلی کی ماہانہ ممبر تھیں اور انھی ماہ ناموں میں اکثر اُن کی نظمیں اور مضامین چھپتے رہتے تھے۔ مذہبی

رسالوں میں ”نور“ مراد آباد۔ ”شیعہ“ لاہور۔ ”نظارہ“۔ ”العلم“۔ ”سرفراز“ لکھنؤ  
منگواتی تھیں۔

### حافظہ:

پہلے بھی تذکرہ کیا گیا کہ اُن کا حافظہ بہت اچھا تھا۔ بزرگوں میں جن لوگوں کو دیکھا  
تھا اُن کے واقعات انہیں بخوبی یاد تھے۔ انہیں اپنے پورے خاندان کے چھوٹے  
بڑے افراد کے نام یاد تھے اُن کی رشتہ داریاں یاد تھیں۔ انہیں اپنا پورا شجرہ یاد تھا۔ اجداد  
کے حالات و واقعات، اُن کے جائے مدفن، تاریخ وفات اور سن بھی یاد تھے۔ سینکڑوں  
اشعار اُردو فارسی کے بات بات میں پڑھ دیتی تھیں۔ ہزاروں محاورے، ضرب المثل  
اور ہندی، اردو، پوربی زبانوں کی کہاوٹیں یاد تھیں، دن بھر میں سینکڑوں کہاوٹیں اور  
مثلیں بات بات میں بول جاتی تھیں۔ کاش وہ سب ٹیپ ہوتا تو ایک خزانہ ہوتا۔ جب  
کسی نئی کہاوٹ سننے کا اتفاق ہوتا اور اس کی وجہ تسمیہ پوچھنے پر پورا ایک قصہ سنا دیتی  
تھیں جو انتہائی دلچسپ ہوتا تھا۔ انہیں ہر بات سن اور تاریخ کے ساتھ یاد رہتی تھی، ہم  
لوگ بھول جایا کرتے تھے لیکن وہ یاد رکھتی تھیں۔ کلام مجید کے بہت سے سورے مکمل  
یاد تھے جن میں سورۃ فاتحہ، سورۃ یسین، سورۃ رحمان اور تیسواں پارہ مکمل یاد تھا۔ مشہور  
آیتیں سب مع تفسیر و معنی یاد تھیں۔ حدیث کساء اور آیت الکرسی، امام حسین کی زیارت  
مبسوطہ اور جمیع شہدائے کربلا کی زیارات یاد تھیں۔

### علمی صلاحیت:

اپنا شجرہ تو انہیں یاد تھا ہی لیکن انبیاء کے شجرے بھی یاد تھے اور اُن کی رشتہ داریوں کا  
بیان قرآن کی آیات سے کرتی تھیں۔ ایک بار میں نے اُن سے حضرت موسیٰ کی والدہ  
کا نام دریافت کیا تو انہوں نے فوراً جواب دیا۔ حضرت موسیٰ کی والدہ کے ۱۸ نام



کتابوں میں درج ہیں تم کون سا نام پوچھ رہے ہو۔

انہوں نے جن عنوانات پر مجلس پڑھی ہیں اور جو مسودے محفوظ ہیں اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر بلند علم کی مالک تھیں۔ عنوانات ملاحظہ ہوں۔

صبر، قصاص، دُعائے خلیلؑ، وعدہ، انگشتری، علم، موذت اور اجر رسالت، معاد، رجعت، اصحاب کہف، عقد، عبادت، نور، ذبح عظیم، ثوابِ گریہ، سخاوت، ماہِ رجب، مولودِ حرم، اسلام کی بھرپور جوانی، جبل اللہ، ذکر علیؑ عبادت ہے، جنگِ احد قرآن کی روشنی میں، میثاق، نصرت۔ جن آیات اور احادیث کو زیادہ تر سرنامہ کلام بناتی تھی وہ بھی ملاحظہ ہوں۔

۱۔ یُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا  
وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ط

(سورہ ہر آیت ۸ تا ۷)

۲۔ أَفَمَنْ يَغْلُمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ۔ (سورہ رعد آیت ۱۹)

۳۔ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ۔

(سورہ شوریٰ آیت ۲۳)

۴۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔

(سورہ آل عمران آیت ۱۰۳)

۵۔ وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔ (آل عمران آیت ۱۲۱)

۶۔ الَّذِينَ يَنْفُقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاطِمِينَ الْغَيْظَ  
وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ (سورہ آل عمران آیت ۱۳۴)

۷۔ اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ (سورہ آل عمران آیت ۱۹)

۸۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔ (سورہ الذاریات آیت ۵۶)

۹۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ

تَطْهِيراً۔ (سورہ احزاب آیت ۳۳)

ان کی مجالس کی سرنامہ کلام احادیث۔

۱۔ اِنِّیْ تَارَکْتُ فِیْکُمُ الثَّقَلِیْنِ کِتَابُ اللّٰهِ وَعِترَتِیْ اَهْلُ بَیْتِی۔ (ترمذی شریف)

۲۔ مِثْلُ اَهْلِ بَیْتِیْ فِیْکُمْ کَمِثْلُ سَفِیْنَةِ نُوْحٍ مِّنْ رَّکْبِهَا نَجِیٌّ وَمَنْ

تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ وَهَوٰی۔ (اربع المطالب)

۳۔ فَاطِمَةُ بَضَعَتْهُ مِنْیْ (بخاری اور مسلم)

۴۔ حَسِیْنٌ مِنْیْ وَاَنَا مِنْ الْحُسَیْنِ۔ (مسند احمد بن حنبل)

۵۔ الْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ جَنَّةٍ۔ (مسند احمد بن حنبل)

۶۔ اَنَا دَارُ الْحِکْمَةِ وَ عَلِیٌّ بَابُهَا وَاَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ عَلِیٌّ بَابُهَا۔

(ترمذی شریف)

۷۔ زَیْنُوْا مَجَالِسَکُمْ بِذِکْرِ عَلِیِّ بْنِ اَبِی طَالِبٍ لَاِنَّ ذِکْرَهُ ذِکْرِیْ

وَذِکْرِیْ ذِکْرُ اللّٰهِ وَذِکْرُ اللّٰهِ عِبَادَةٌ۔

مذکورہ آیات و احادیث جن پر انہوں نے تقاریر کی ہیں اور جن لوگوں کے ذہنوں

میں محفوظ ہیں۔ یا اُن کی مسودے کی کتاب میں موجود ہیں درج کی گئی ہیں اُن کی

ترتیب دی ہوئی دو حدیثوں کی کتابیں انشاء اللہ شیعہ خواتین کے لیے شائع کی جائیں گی۔

فن خطابت:

محسنہ بیگم نے اپنے مولوی صاحب کے لکھے ہوئے مسودوں سے حدیث پڑھنے کا

سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس کے علاوہ جواہر البیان، لوانج الاحزان، محافل و مجالس، معراج



الجالس سے مجالس پڑھتی رہیں۔ بعد میں خود مسودے لکھنے شروع کیے اور سینکڑوں مسودے اُن کے لکھے ہوئے محفوظ ہیں۔ جو اُن کی علمیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ ۱۹۵۷ء سے انہوں نے زبانی پڑھنا شروع کیا اور صرف مطالعہ کرنے کے بعد تقاریر کرتی تھیں۔ پھر مسودے تیار کرنا چھوڑ دیئے تھے اور ڈائری میں صرف نکات درج کر لیتی تھیں۔ کچھ عرصے بعد اس محنت و ریاضت کا یہ ثمر ملا کہ بغیر تیاری کے منبر پر پہنچ کر تقریر کا عنوان طے کرتی تھیں اور روانی سے تقریر کرتی تھیں۔ اُن کی مجالس میں مصائب کا حصہ زیادہ ہوتا تھا اور شروع ہی سے اُن کے مصائب پڑھنے کے انداز میں درد انگیزی تھی اور مجالس میں بے انتہا گریہ ہوتا تھا اور یہی مآل مجلس ہے۔ ذاکرین میں جو حضرات کم مصائب پڑھتے تھے۔ اُن کی شکایت اکثر کرتی تھیں کہ آنسو نکلنے والے ہوتے ہیں کہ ذاکرین مجلس ختم کر دیتے ہیں۔

لکھنؤ میں انہوں نے ذاکری اس وقت شروع کی جب وہاں خواتین میں ذاکری کا بالکل رواج نہیں تھا۔ عام طور سے مرثیے پڑھے جاتے تھے۔ یا پھر گھر کی بزرگ خواتین اپنے اپنے گھروں میں خود ہی ذاکری کر لیتی تھیں۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے لکھنؤ کے ہر امام باڑے میں مجلس پڑھی اور پورے سال تک پڑھتی رہتی تھیں اور خدمات کا کوئی صلہ نہیں ہوتا تھا۔ صرف ثواب!۔ اور مرتے دم تک یہی انداز رہا خواتین میں یہ فن خطابت کا پہلا نمونہ تھا اس لیے کہ ان کی ہم عصر خواتین جو ذاکری کرتی تھیں۔ کتاب دیکھ کر ہی پڑھ رہی تھیں۔ اُن کی شہرت پورے لکھنؤ میں ہو گئی اس لیے کہ انہوں نے بڑے معرکے کی مجلسیں پڑھیں۔

لکھنؤ سے اُن کی شہرت دوسرے مقامات پر پہنچی اور انہوں نے الہ آباد، کانپور، فیض آباد، ردولی، زید پور، اتار، رائے بریلی میں بھی مجلسیں پڑھیں۔ لیکن باہر جانے کے باوجود انہوں نے ذاکری کی اجرت لینا پسند نہیں کیا۔ اور یہی وجہ تھی کہ امام حسینؑ کے

دربار سے انہیں عزت اور شہرت ملی اور موت نے بتایا کہ یہ خدمت بھی قبول کر لی گئی۔

۱۹۵۸ء میں وہ اپنے بھائی کی شادی میں سیالکوٹ ہندوستان سے تشریف لائی تھیں اور تقریباً گیارہ مہینے پاکستان میں قیام رہا۔ اس قیام کے دوران انہوں نے سیالکوٹ کے علاوہ راولپنڈی، ناروال اور کراچی میں مجلسیں پڑھیں۔ ۱۹۶۷ء سے کراچی ہی میں قیام فرمایا اور یہاں کی مجالس میں آٹھ سال تک ذاکری کرتی رہیں۔

لکھنؤ میں انہوں نے ہر امیر غریب کے یہاں مجلس پڑھا۔ انہوں نے کبھی کسی عزا دار خاتون سے انکار نہیں کیا۔ اگر وہ اقبال منزل میں محمود آباد کی چھوٹی رانی صاحبہ کی فرمائش پر ان کے یہاں مجلس پڑھتی تھیں تو رانی صاحبہ کی ادنیٰ نوکرانی مٹن جس کا شوہر رکشہ چلاتا تھا۔ اس غریب کے عزا خانے میں جا کر بھی وہ ہر سال مجلس پڑھتی تھیں۔ ۷/ محرم کو مرحوم محمد مہدی صاحب ادیب کی کوٹھی پر حیدر گنج میں مجلس پڑھتی تھیں۔ سرکار سعید الملت، سرکار نصیر الملت، سرکار کلب حسین، خیر لکھنوی، نجم الحسن نثار کے سوئم اور چالیسویں کی مجلسیں پڑھیں۔ آقائے بروجردی اعلیٰ اللہ مقامہ کے ایصالِ ثواب کی مجلس جو خواتین لکھنؤ کی طرف سے منعقد ہوئی تھی اس میں بھی انہوں نے خواتین سے خطاب کیا۔

### عزا داری میں انسہاک:

محرم کا چاند دیکھ کر سیاہ لباس زیب جسم ہو جاتا، چوڑیاں بڑھادی جاتی تھیں۔ چاند دیکھ کر چیخ چیخ کر روتی تھیں اور عزا خانے کو سجا کر نوہ پڑھتی تھیں۔

ماہ غم نکلا بہتر زخم جب کھائے ہوئے!

فاطمہ نکلیں لحد سے بال بکھرائے ہوئے

محرم کی ۷/ تاریخ کو شربت پر نذر کرواتی تھیں اور سب کے گلے میں کلاوا پہناتی تھیں۔ تعز یہ میں گرد کرتی تھیں۔ شبِ عاشور عزا خانے میں رات بھر ماتم اور گریہ کرتی



تھیں۔ صبح عاشور سر بر ہنہ بال بکھرائے ہوئے رہتی تھیں۔ کہتی تھیں ”میں نے اپنے بچوں کو عاشور کے دن کبھی دودھ نہیں پلایا۔“ فاقہ شکنی کے وقت اپنا کہا ہوا نوحہ پڑھتی تھیں۔ اے شیعوں کے مہمان خدا حافظ و ناصر اے فاطمہؑ کی جان خدا حافظ و ناصر نذر کے بعد دسترخوان پر پانی رکھ کر اس قدر روتی تھیں کہ گریہ سن کر دل پر عجیب کیفیت ہوتی اور میرے بھی آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ یہی عالم شام غریباں میں بھی ہوتا تھا۔

صفر کے مہینے میں یکم سے ۱۳ صفر تک جناب سیکنہؑ کی شہادت کی مجالس شروع ہو جاتی ہیں۔ لکھنؤ میں یہ تابوت آدھی رات کے بعد اٹھتے ہیں اور اندھیرے میں اٹھائے جاتے ہیں۔ روشنیوں کو گل کر دیا جاتا ہے۔ لکھنؤ کی دو اہم مجالس شہادت جناب سیکنہؑ کی محسنہ بیگم کے ذمے تھیں اور ہمیشہ پڑھتی رہیں۔

مصطفیٰ آباد میں محسنہ بیگم کے خسر کی چھوٹی بہن اسیر فاطمہ مرحومہ (اسیرن بی بی) کے گھر پر جناب سیدہ کا تابوت اٹھتا تھا تین دن تک صبح و شام مجالس ہوتی رہتی تھیں۔ تین دن میں وہ کئی مجالس پڑھتی تھیں اور ایسی قیامت خیز ذاکری کرتی تھیں کہ الفاظ میں بیان کرنا دشوار ہے۔ بس میرے کانوں میں وہ آواز گونج رہی ہے۔

انجمن زینبیہؑ کی بنیاد انہوں نے رکھی اور شہادت جناب زینبؑ پر تین روز تک مسلسل مجالس کا انعقاد انہوں نے خود کیا تھا اور یہ مجالس اب تک ہوتی ہیں۔ ۸ ربیع الاول کو ابن علی وکیل کے یہاں شام کو ۵ بجے مجلس پڑھتی تھیں اور اس آخری مجلس کو بڑے اہتمام سے پڑھتی تھیں اور اہل حرم کی مدینے سے واپسی کچھ اس طرح بیان کرتی تھیں کہ بے حال ہو جایا کرتی تھیں۔ منبر پر سے سنبھال کر اُتار جاتا تھا۔ چہارہ معصومین کی ولادت اور وفات پر انہوں نے محافل اور مجالس کا اہتمام کیا تھا۔ یہ محافل و مجالس محسنہ بیگم نے پابندی سے جاری رکھیں اور ہمیشہ ڈپٹی محمد عظیم کے امام باڑے وزیر

کچ لکھنؤ میں کرتی رہیں اور اسی عزا خانے میں اُن کے انتقال پر ایصالِ ثواب کی مجلس ہوئی۔

قصائد کی محفلوں میں خاص طور سے اُن کو بلند مقام دیا جاتا اور زیادہ تر اُن کو سب سے آخر میں پڑھنے کی دعوت دی جاتی تھیں۔ قصائد زیادہ تر لُحْن سے پڑھتی تھیں وہ نوحہ بھی پڑھتی تھیں لیکن بہت کم۔ صرف اپنے گھر پر سوز خوانی اور نوحہ خوانی کے لیے وہ کسی اور کو مدعو کرتی تھیں۔

لکھنؤ میں دھاڑیں، مراٹھیں نوحہ خوانی خوب کرتی تھیں لیکن اس کے علاوہ بیگمات میں بھی بہت اعلیٰ پائے کی نوحہ خوان موجود تھیں۔ نواب تھن صاحب کی بیٹی ریاست بیگم، مجاہد لکھنوی کی بہن حسین فاطمہ، قاتل لکھنوی کی بیٹی جمیلہ بیگم، فضل لکھنوی کی صاحبزادیاں بہت اچھی نوحہ خوانی کرتی تھیں۔ محسنہ بیگم کو بھی ان کی نوحہ خوانی بہت پسند تھی۔

مردانی مجالس بھی وہ ضرور سنتی تھیں اور پرانے ذاکرین میں مولانا حافظ کفایت حسین مرحوم، مولانا ذوالفقار علی شاہ صاحب، مولانا کلب حسین صاحب، مولانا ابن حسن نونہروی صاحب اور ملا طاہر صاحب کی خطابت اُن کو بہت پسند تھی۔ نئے ذاکرین میں مولانا مظفر حسین طاہر جرولی صاحب، مولانا کلب عابد صاحب، مولانا کلب صادق صاحب، اطہر میاں اور اشفاق میاں اور مولانا غلام عسکری صاحب اُن کے پسندیدہ ذاکرین تھے۔

مولانا ذوالفقار علی شاہ صاحب محسنہ بیگم کے دادا سید مظہر حسین مرحوم کے دیسے کی مجلس پڑھنے ہر سال قیام پاکستان سے پہلے سلطان پور جاتے تھے۔ صفر کے مہینے میں لکھنؤ سے مولانا کلب حسین صاحب وغیرہ بھی سلطان پور مجالس پڑھنے کے لیے اُن کے والد کے دعوت نامے پر جایا کرتے تھے۔ سلطان پور کی عزاداری سید ظفر عباس



مرحوم کے دم سے تھی جب وہ پاکستان چلے آئے تو خطوط میں یہی لکھ کر آتا کہ آپ کے جانے کے بعد سلطان پور یتیم ہو گیا۔

لکھنؤ کی مردانی مجالس میں خاص کر غفر آفتاب کے امام باڑے اور ناظمیہ مدرسہ کی مجالس میں وہ ضرور شرکت کرتی تھیں اور جہاں پر خواتین کے بیٹھنے کا انتظام ہوتا تھا ان مقامات کے علاوہ کھلی جگہ پر بیٹھنا وہ معیوب سمجھتی تھیں جب کہ دیگر خواتین کھلی جگہوں پر بیٹھ جایا کرتی تھیں اور کلب حسین صاحب ہر سال اپیل کرتے تھے کہ آپ لوگ اندر بیٹھا کریں۔ محسنہ بیگم کے والد سید ظفر عباس بھی بہترین ذا کرتے اور ان کی مجالس بھی انہیں پسند تھیں۔

لکھنؤ کی خواتین میں محسنہ بیگم کا احترام بالکل اس طرح ہوتا تھا جس طرح ایک مجتہد اور عالم کا احترام کیا جاتا ہے۔ مجلس کے بعد خواتین ان کے ہاتھ چومتی تھیں۔ بزرگ خواتین بعد مجلس چٹا پٹ بلائیں لینا شروع کر دیتی تھیں اور ہزاروں دعائیں ان کو دیتی تھیں۔ محسنہ بیگم کے منع کرنے کے باوجود خواتین انہیں لینے آ جاتی تھیں اور بعد مجلس پہنچانے گھر تک آتی تھیں۔ رانی کٹوارہ مرحومہ سے بہت محبت فرماتی تھیں انہیں لینے کے لیے خود تشریف لایا کرتی تھیں۔ مسعود حسن ادیب کی بیگم صاحبہ مرحومہ مجلس کا وعدہ لینے خود آتی تھیں اور مجلس کے لیے لینے بھی خود ہی آیا کرتی تھیں۔ بڑی عظیم خاتون تھیں بیگم ادیب، ان کو انیس کے مرثیوں کے سینکڑوں اشعار زبانی یاد تھے۔ ضیا الحسن موسوی کی سلج وزیر جہاں کے یہاں کی تمام سالانہ مجالس خیرات خانے میں محسنہ بیگم پڑھتی تھیں۔ وزیر جہاں صاحبہ مجلس کا وعدہ لینے کے لیے خود آیا کرتی تھیں۔ موصوفہ پاکستان تشریف لائیں تو جب ان سے ملنے کے لیے آئیں تو بے قراری سے گلے لپٹ گئیں اور فرمایا کہ لکھنؤ آپ کے بغیر سونا ہو گیا ہے۔

لکھنؤ کے جس گھر میں بھی محسنہ بیگم تشریف لے جاتی تھیں میں نے دیکھا کہ

خواتین کے چہروں پر بے پناہ خوشی ہوتی تھی اور محاورہ بتائیں بلکہ حقیقتاً آنکھیں بچھا دیتی تھیں۔ لکھنؤ کے جن گھروں میں آنا جانا تھا اُن گھروں کی خواتین نے محسنہ بیگم کو ہمیشہ یاد رکھا اور ان میں کے جو لوگ پاکستان آ گئے ہیں اُن کے تعلقات میں اب تک کمی نہیں آئی۔ اور وہ وضع داریاں اب تک قائم ہیں۔

### احباب اور سہیلیاں:

محسنہ بیگم کے بچپن کی سہیلی سکینہ بیگم ہیں جو ڈپٹی محمد ہادی صاحب مرحوم سلطان پوری کی بہو ہیں اور عارف رضا و رونق رضا کی والدہ ہیں۔ اس کے علاوہ لکھنؤ کے احباب میں بیگم مفتی احمد علی اعلیٰ اللہ مقامہ اُن سے بہت محبت فرماتی تھیں اور جب پاکستان تشریف لائیں تو ملاقات کے لیے تشریف لائیں۔ محسنہ بیگم ہر شب جمعہ اُن کے یہاں لکھنؤ میں مجلس پڑھتی تھیں۔ بیگم شاہ علی وکیل اور بیگم عطا حسین وکیل یہ دونوں خواتین محسنہ بیگم سے انتہائی خلوص کا مظاہرہ کرتی تھیں اور اُن کا احترام فرماتی تھیں۔

ڈاکٹر رفیق حسین صاحب کی بیگم فیصر بیگم صاحبہ اور ڈاکٹر صاحب کی بڑی بیگم بھی اُن کی خاص دوست تھیں۔ نواب نور جہاں بیگم اور سات سو والی بیگم کی بہو بھی اُن کی عزیز دوست تھیں۔ پبلی کوشی والی بیوی جانی صاحبہ بڑی مذہبی خاتون ہیں۔ اُن سے بھی بہت دوستی تھی اور انتقال کے روز دوپہر سے اُن کے ساتھ تھیں۔ بیگم علی عباس حسینی، بیگم خواجہ اطہر حسین سابق پرنسپل شیعہ کالج لکھنؤ، ڈپٹی محمد عظیم صاحب کی نواسی بیگم باجی اُن کے حلقہ احباب میں داخل تھیں۔

### بہنوں سے محبت:

محسنہ بیگم سے چھوٹی چار بہنیں ہیں عسکریہ بیگم، مہدیہ بیگم، نقیہ بیگم، رضیہ بیگم، محسنہ بیگم کی بہنوں نے انہیں ماں کی طرح ہمیشہ سمجھا اور اُسی طرح احترام کیا۔ محسنہ بیگم نے



بھی بہن اور ماں دونوں کی محبت سے انھیں خوش رکھا۔ محسنہ بیگم اپنے والد کا بڑا احترام کرتی تھیں اس قدر احترام کہ باپ کے سامنے سر پر دوپٹہ پڑا ہوا۔ خاموش گفتگو، نہایت نیچی آواز سے۔ ان آداب کا احترام اُن کے والد کرتے اور وہ بھی محسنہ بیگم سے ہمیشہ ”آپ“ سے گفتگو کرتے تھے۔ اور خطوط کے ذریعے اُن سے اکثر مشورہ کرتے تھے۔ خاص کر محسنہ بیگم کی چھوٹی بہنوں کی شادی کے سلسلے میں اُن سے پوچھا۔ اور مہدیہ بیگم مرحومہ کی شادی محسنہ بیگم کی مرضی سے مرحوم قمر رضا نقوی سے ہوئی۔ مہدیہ بیگم مرحومہ سے محسنہ بیگم کو بہت محبت تھی۔ مہدیہ بیگم نے تقریباً تین سو نوے نظم کئے جو محرم میں بہت مقبول ہیں اور پڑھے جاتے ہیں۔ مہدیہ بیگم نے ۲۸ سال کی عمر میں جھنگ (پنجاب) میں انتقال فرمایا اور تین اولادیں یادگار چھوڑیں۔ بیٹی کی شادی ڈاکٹر سبط حسن کے چھوٹے بھائی یاور حسین سے ہوئی ہے۔ ایک بیٹا اپنے ماموں کے پاس راولپنڈی میں رہتا ہے۔ دوسرا سب سے چھوٹا بیٹا قاسم رضا عرف کشی محسنہ بیگم کے پاس تھا اور اس سے محسنہ بیگم کو بہت محبت تھی۔ اور اب تک اُس کا قیام محسنہ بیگم کے گھر میں ہے۔ مرحومہ بڑی مومنہ بی بی تھیں۔ میرائیس کا مرثیہ تحت اللفظ بہت عمدہ پڑھتی تھیں۔ ان کی شادی خاندان میں ہی ہوئی تھیں۔ اُن کے انتقال کے ایک سال بعد ان کے شوہر سید قمر رضا نقوی کا بھی انتقال ہو گیا۔

محسنہ بیگم کی چھوٹی بہن عسکریہ بیگم، مہدیہ بیگم اور نقیہ بیگم سے بڑی ہیں، اُن کا قیام لکھنؤ میں ہے۔ ابھی حال میں اچانک اُن کے شوہر سید مہدی حسن جعفری کا انتقال لکھنؤ میں ہو گیا۔ مرحوم سب انسپٹر پولیس تھے۔ عسکریہ بیگم کا سب سے بڑا بیٹا سید جاوید حسن جعفری ہندوستان آرمی میں کیپٹن ہے۔ عسکریہ بیگم کا قیام پہلے الہ آباد میں تھا۔ محسنہ بیگم بہن کی دعوت پر سال میں ایک بار مجلس پڑھنے الہ آباد ضرور جاتی تھیں۔ نقیہ بیگم کو مرحومہ نے بہت عزیز رکھا۔ اس لیے کہ ماں کے انتقال کے وقت بہت

کسمن تھیں۔ محسنہ بیگم نے بہنوں کو ماں جیسا پیار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ بہنوں نے بھی انہیں ہمیشہ ماں کی جگہ سمجھا۔ نقیہ بیگم کی شادی سید محمد حیدر زیدی (سادات مظفرنگر) میں ہوئی ہے اور اب اُن کا قیام راولپنڈی میں ہے۔ بہن کے انتقال کی خبر سنتے ہی فوراً راولپنڈی سے بذریعہ ہوائی جہاز تشریف لائیں۔

رضیہ بیگم سب سے چھوٹی بہن ہیں۔ ان کی شادی سادات امروہہ میں سید حسن مجتبیٰ نقوی سے ہوئی ہے اور ان کا قیام پشاور میں ہے۔

### بھائیوں سے محبت:

محسنہ بیگم کے ماشاء اللہ سے چھ بھائی ہیں۔ مظاہر عباس نقوی نے اردو، انگریزی میں ایم اے کیا۔ ابھی حال ہی میں ایل ایل بی بھی کیا ہے۔ حبیب اسکول میں اردو اور انگریزی کے استاد ہیں۔ بھائیوں میں سب سے بڑے اور چار بہنوں سے چھوٹے ہیں اس لیے محسنہ بیگم کو ان سے بڑی محبت تھی۔ اور فرماتی تھیں میں نے اپنے اس بھائی کے بڑے ناز اٹھائے ہیں۔

مظاہر عباس سے چھوٹے شاہد عباس ہیں۔ پاکستان آرمی میں میجر کے عہدے پر فائز ہیں۔ آج کل سیالکوٹ میں قیام ہے۔ جنگ اے میں محسنہ بیگم راولپنڈی میں تھیں اور روڈ آف فریادی نوحہ پڑھتی تھیں اور بھادج کی چوڑیاں چوم کر سہاگ کی دعائیں دیتی تھیں۔ منتظر عباس نے فلسفے میں ایم اے کیا ہے۔ راولپنڈی کی مجلسوں میں ان کی تقاریر سے رونق ہے۔ اپنے والد کی طرح ملازمت کے ساتھ ساتھ خدمتِ دین بھی کر رہے ہیں۔ محسنہ بیگم کے سفرِ آخرت کی آخری منزل یعنی قبر میں منتظر عباس نے اتارا تھا اور سوئم کی مجلس بھی انہوں نے ہی پڑھی تھی۔ اور ان کے تین بھائی ناظر عباس، کاظم عباس اور اشتر عباس ہیں۔



## سہاگ اور اولاد:

محسنہ بیگم کو شوہر سے بہت محبت تھی۔ مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آتا ہے۔ ایک بار تخت پر بیٹھی کپڑے سی رہی تھیں۔ وہاں پر سوئی رکھی تھی میں دوڑ کر تخت پر سے کودا تو میرے پاؤں میں سوئی چبھ گئی۔ خون نکل آیا اور اُن کے جمپر کے کپڑے میں لگ گیا۔ میں نے کہا اس پر میرا خون لگ گیا ہے اس لیے اس کپڑے کو پھینک دیجئے۔ آپ کا یہ نیا جمپر اب منحوس ہو گیا ہے۔ مسکرا کر جواب دیا..... کیوں پھینک دیں..... ہمارا جمپر سرخ رنگ کی چیز یا بن گیا..... یہ تو سہاگ کی نشانی ہے۔ انہوں نے ہمیشہ یہ دعا مانگی کہ میری موت شوہر کے سامنے ہو اور میں اس دنیا سے سہاگن جاؤں۔ ان کی دعا قبول ہوئی۔ بقول میرا نیس۔ ع

”عورت کی موت خوب ہے شوہر کے سامنے“

## اولاد کی تعلیم و تربیت:

محسنہ بیگم کے فرزند اکبر سید محسن اختر نقوی ہیں۔ ۱۳ سال کے سن میں جوہلی اسکول سے میٹرک پاس کیا۔ انٹر جوہلی انٹر کالج سے پاس کیا۔ یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تھا کہ اچانک کراچی آگئے اور والد صاحب کے حکم سے یہیں قیام کیا۔ ڈی جے سائنس کالج سے بی ایس سی کیا۔ ۱۹۶۵ء میں کراچی یونیورسٹی سے فزکس میں ایم ایس سی کیا اور فرسٹ پوزیشن حاصل کی۔ راجہ صاحب محمود آباد کی فرمائش پر کچھ دنوں سراج الدولہ کالج میں طلبہ کو فزکس اور انگریزی کی تعلیم بھی دی۔

محسنہ بیگم کا دوسرا فرزند میں ہوں۔ لوگ کہتے ہیں اتنی کم عمری میں مجھے جو شہرت حاصل ہوئی ہے۔ لوگوں کو ۲۵ سال میں بھی حاصل نہیں ہوتی۔ لیکن میں اپنی اس شہرت سے عاجز ہوں اس لیے کہ جس قدر مداح اور قدردان ہیں اتنے ہی حاسد اور دشمن بھی

ہیں اور اکثر میری یہ شہرت اور عزت میرے لیے باعثِ زحمت بھی بن گئی ہے اور بن جاتی ہے اس کا تذکرہ اکثر میں نے اپنی والدہ گرامی سے بھی کیا لیکن ان کی ہدایت پر میں نے دین کی خدمت سے منہ نہیں موڑا۔ جس زمانے میں میرا نپس پر تحقیقی کام جاری تھا اور رات دن کی محنت کے بعد ایک ہفتے میں میرا نپس کی سوانح حیات اور اشاریے میں نے ترتیب دیئے۔ میں نے اُس زمانے میں سارے کام کاج ملنا جلنا سب ایک ہفتے کے لیے ترک کر دیا تھا۔ ایک دن دوپہر کو میں لکھ رہا تھا۔ امی جان باورچی خانے میں کھانا پکا رہی تھیں۔ کھانا تیار ہو چکا تھا اور چٹنی کا سامان منگوانا چاہتی تھیں۔ لیکن یہ بھی اندازہ تھا کہ میں اپنی جگہ سے اٹھوں گا نہیں دیکھئے کس ترکیب سے بلایا..... آواز دی میرے پاس آؤ ایک ضروری بات ہے۔ میں جا کر باورچی خانے میں ان کے پاس بیٹھ گیا۔ کہنے لگیں ”بڑا عرصہ ہوا جب ہم نے ایک مرثیہ میرا نپس کا پڑھا تھا اس کے بند یہ ہیں تم کو سناتی ہوں ذرا بتاؤ یہ کون سا مرثیہ ہے۔

یارب یہ ہے سادات کا گھر تیرے حوالے رائنڈ ہیں کئی خستہ جگر تیرے حوالے  
 بیکس کا ہے بیمار پسر تیرے حوالے سب ہیں ترے دریا کے گہر تیرے حوالے  
 عالم ہے کہ غربت میں گرفتارِ بلا ہوں  
 میں تیری حمایت میں انہیں چھوڑ چلا ہوں

میں نے کہا ”یارب چمن نظم کو گلزارِ ارم کر“ کہنے لگیں اچھا یہ کون سا مرثیہ ہے۔ ع  
 گو، بافضایہ سردترائی ہے اب اٹھو ہم جاں بلب ہیں ختم لڑائی ہے اب اٹھو  
 زرخے میں فوجِ ظلم کے بھائی ہے اب اٹھو عباس دھوپ چہرے پہ آئی ہے اب اٹھو  
 غفلت کی تم کو نیند ہے شبیر کیا کرے  
 میری طرح کسی کو نہ بیکس خدا کرے

میں نے کہا یہ مرثیہ ہے۔ ”جب خاتمہ بخیر ہوا فوجِ شاہ کا“ فرمانے لگیں اچھا میں



نے بلایا اس لیے ہے کہ کھانا تیار ہے۔ چٹنی کے لیے ٹماٹر، دھنیا اور ہری مرچ لے آؤ پھر آکر کھانا کھاؤ پھر بیٹھ کر کام کرنا۔ تمہیں تو کھانے پینے کا ہوش ہی نہیں رہا ہے۔ میں خوب ہنسا۔ میں نے کہا آپ نے دراصل اس لیے بلایا تھا۔

جب میرا مقالہ شائع ہوا تو محرم کی دوسری تاریخ تھی۔ بعد چہلم انہیں پڑھنے کا موقع ملا اور پڑھ کر فرمایا۔ آج مجھے اندازہ ہوا کہ صحیح معنوں میں ضمیر نے کس قدر محنت کی ہے۔ اور کیسا اچھا کام کیا ہے۔ ان کی تربیت کا یہ انداز تھا جس کے لیے اب زندگی بھر ترسیں گے اور کسی کام کو کرتے وقت اب وہ لطف و اطمینان حاصل نہ ہوگا۔ علامہ رشید ترابی مرحوم کا انتقال ہوا۔ صبح نماز کے وقت مجھے بیدار کیا اور کہنے لگیں ابھی ابھی مسجد میں اعلان ہوا ہے کہ ترابی صاحب کا انتقال ہو گیا اٹھ کر مجھے اُن کے والد کا نام بتاؤ تاکہ ہدیہ میت کی نماز پڑھوں اور تم بھی ہدیہ میت کی نماز پڑھو اور اپنے باپ کو لے کر نصیر کے پاس جاؤ اور اسے پُرسہ دو۔ میں نے اٹھ کر ڈاکٹر مظہر علی خاں سے متعلق مجلے سے اُن کے والد کا نام بتایا انہوں نے فوراً نماز ہدیہ میت پڑھی۔ اکتوبر ۷۴ء میں راجہ صاحب محمود آباد کے انتقال کی خبر رات کو دس بجے کے قریب آئی تھی۔ میں جب گھر پہنچا تو وہ آرام فرمانے کے لیے لیٹ چکی تھیں۔ میں نے انہیں خبر سنائی وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں، اپنے سینے پر ہاتھ مارا اور رنج کا اظہار کیا اور اُسی وقت اٹھ کر نماز ہدیہ میت پڑھی۔ میں نے بچپن سے یہی انداز دیکھے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب ہم لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام تھا۔

محسنہ بیگم کے تیسرے فرزند تنویر اختر ہیں۔ کھانے کی میز پر روز آئے کوئی نہ کوئی مذہبی بحث چھڑ جاتی اور مرحومہ ایک ایک بات تفصیل سے سمجھاتی تھیں یہ بحث زیادہ تر تنویر اختر سے ہوتی تھی۔ تنویر اختر عوامی آٹوز میں ملازم ہیں۔ شرعی باتوں کے سختی سے پابند ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے سبزہ نمودار ہوا ہے اُس وقت سے اب تک چہرے پر

داڑھی برقرار ہے۔

محسنہ بیگم کے تینوں بیٹوں سے چھوٹی تین بیٹیاں ہیں۔ ایک بیٹی شہناز نقوی نے اردو میں ایم اے کیا ہے اور میر انیس پر کراچی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کر رہی ہیں۔ اور ذاکری بھی فرماتی ہیں۔ شہناز نقوی سے چھوٹی پروین ہیں جو بی اے کر چکی ہیں اور اس سال سوشالوجی میں کراچی یونیورسٹی سے ایم اے کر رہی ہیں اور ماشاء اللہ سے ذاکری امام حسین بھی خوب کر رہی ہیں۔

محسنہ بیگم کی سب سے چھوٹی اولاد نسرین نقوی ہیں۔ سرسید گرو کالج میں فرسٹ ایئر میں پڑھ رہی ہیں۔ نوحہ خوانی اور سوز خوانی سے خاص شغف ہے اور مجلسیں بھی پڑھتی ہیں۔

**محسنہ بیگم کی خالہ صاحبہ کا پیغام تعزیت:**

محسنہ بیگم کی سب سے بڑی خالہ جو حیات ہیں اور بہت ضعیف ہو چکی ہیں سیدہ وحی حیدر نقوی کی اہلیہ ہیں۔ مصطفیٰ آباد (بھارت) میں قیام ہے۔ ان کا پیغام تعزیت محسن اختر نقوی ٹیپ کر کے کراچی لائے تھے وہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔ فرماتی ہیں۔  
 ”محسنہ بی بی! تم ہم لوگوں سے کیوں روٹھ گئیں اللہ نے تم کو آل  
 اولاد، شہرت، دولت، منزلت سب کچھ دیا تھا۔ بی بی اپنی سلطنت  
 چھوڑ کر کیوں چلی گئیں۔!!؟“

**وجہ انتقال:**

ڈاکٹر شریعت اللہ صدیقی نے مکمل چیک کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ ایک گھنٹے کے اندر تین بار ہارٹ اٹیک ہوا اور حرکت قبل بند ہو جانے سے اچانک انتقال ہوا۔  
 ڈاکٹر یاور عباس صاحب اور بعد میں ڈاکٹر ذیشان حسین صاحب بھی تشریف لائے اور



انہوں نے بھی یہی فیصلہ کیا۔

یہ تو موت کی مادی وجہ ہے روحانی وجہ شاہد نقوی صاحب کی زبانی سنئے :-

اتنی شدت سے کیا محسوس غم شبیر کا!

جیسے اس کا فرض ہو رونا ، بجائے سیدہ

مدفن:

جنت البقیع میں آخری آرام گاہ کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اور وہیں مخو خواب ہیں۔ اس قبرستان کی اہمیت یہ ہے کہ روضہ جناب سیدہ کی شبیہ ہے اور روضے میں قبر سیدہ کی مٹی دفن کی گئی ہے۔

تاریخ وفات:

۸/ربیع الاول ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۲ اپریل ۱۹۷۴ء بروز منگل ۵ بج کر ۱۰ منٹ پر بمقام ۴۳ راج رضویہ سوسائٹی اپنے مکان کے عزراخانے میں فرش عزرا پر انتقال فرمایا۔ یہ دن ایام عزرا کا آخری دن ہے اور یوم شہادت امام حسن عسکری علیہ السلام ہے۔

برسی:

محسنہ بیگم کی برسی ۲۱ مارچ ۱۹۷۵ء مطابق ۸/ربیع الاول ۱۳۹۵ھ بروز جمعہ شام کو ۵ بجے رضویہ امام بارگاہ میں منعقد ہوئی۔ مجلس سید الشہداء میں شاہد نقوی صاحب نے اپنا مرثیہ بعنوان ”ماں کا دل“ پیش کیا۔ یہ مرثیہ خاصی طور پر اسی مجلس کے لیے تصنیف کیا گیا تھا۔ شاہد نقوی نے اس مرثیے میں عظیم ماؤں کے تذکرے کے ساتھ مصائب میں حضرت اُم البنین کا فاطمہ زہرا کی قبر (جنت البقیع) پر پہنچ کر جناب عباس کا پر سادینے کا تذکرہ بہت خوبصورت انداز سے کیا ہے۔

## محسنہ بیگم مرحومہ کی برسی

محسنہ بیگم مرحومہ کے انتقال کو تین برس ہو گئے، ”محسنہ عزا“ کے نام سے یہ کتاب تین برس پہلے شائع ہوئی تھی کتاب نایاب ہو گئی تھی، اب اُن کی مجالس شائع ہو رہی ہیں، اس لیے یہ کتاب ”محسنہ عزا“ مجالس کے مجموعہ ”راہِ نجات“ میں شامل کر دی گئی ہے۔ محسنہ بیگم کی برسی ہر سال امام بارگاہِ رضویہ سوسائٹی میں شام ۵ بجے ۸ ربیع الاول کو منعقد ہوتی ہے، سال بہ سال کے ذاکرین کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

محسنہ بیگم مرحومہ کی پہلی برسی..... ۱۹۷۵ء

کلیم آلِ عباد نقوی صاحب نے مرثیہ ”ماں کا دل“ پیش فرمایا

محسنہ بیگم مرحومہ کی دوسری برسی..... ۱۹۷۶ء

خطابت:-: علامہ طالب جوہری

محسنہ بیگم مرحومہ کی تیسری برسی..... ۱۹۷۷ء

خطابت:-: علامہ طالب جوہری

محسنہ بیگم مرحومہ کی چوتھی برسی..... ۱۹۷۸ء

خطابت:-: علامہ طالب جوہری

محسنہ بیگم مرحومہ کی پانچویں برسی..... ۱۹۷۹ء

خطابت:-: علامہ ضمیر اختر نقوی



محسنہ بیگم مرحومہ کی چھٹی برسی ..... ۱۹۸۰ء

خطابت:- علامہ ضمیر اختر نقوی

محسنہ بیگم مرحومہ کی ساتویں برسی ..... ۱۹۸۱ء

خطابت:- علامہ ضمیر اختر نقوی

محسنہ بیگم مرحومہ کی آٹھویں برسی ..... ۱۹۸۲ء

خطابت:- علامہ ضمیر اختر نقوی

محسنہ بیگم مرحومہ کی نویں برسی ..... ۱۹۸۳ء

خطابت:- علامہ ضمیر اختر نقوی

محسنہ بیگم مرحومہ کی دسویں برسی ..... ۱۹۸۴ء

خطابت:- علامہ ضمیر اختر نقوی

محسنہ بیگم مرحومہ کی گیارہویں برسی ..... ۱۹۸۵ء

خطابت:- علامہ ضمیر اختر نقوی

محسنہ بیگم مرحومہ کی بارہویں برسی ..... ۱۹۸۶ء

خطابت:- علامہ ضمیر اختر نقوی

محسنہ بیگم مرحومہ کی تیرہویں برسی ..... ۱۹۸۷ء

خطابت:- علامہ ضمیر اختر نقوی

محسنہ بیگم مرحومہ کی چودھویں برسی ..... ۱۹۸۸ء

خطابت:- علامہ ضمیر اختر نقوی

محسنہ بیگم مرحومہ کی پندرہویں برسی ..... ۱۹۸۹ء

خطابت:- علامہ ضمیر اختر نقوی

محسنہ بیگم مرحومہ کی سولہویں برسی..... ۱۹۹۰ء

خطابت:- علامہ ضمیر اختر نقوی

محسنہ بیگم مرحومہ کی سترہویں برسی..... ۱۹۹۱ء

خطابت:- مولانا سید سلمان حیدر زیدی مرحوم

محسنہ بیگم مرحومہ کی اٹھارہویں برسی..... ۱۹۹۲ء

خطابت:- علامہ ضمیر اختر نقوی

محسنہ بیگم مرحومہ کی انیسویں برسی..... ۱۹۹۳ء

خطابت:- شوکت رضا شوکت (ملتان)

محسنہ بیگم مرحومہ کی بیسویں برسی..... ۱۹۹۴ء

خطابت:- علامہ ضمیر اختر نقوی

محسنہ بیگم مرحومہ کی اکیسویں برسی..... ۱۹۹۵ء

خطابت:- علامہ ضمیر اختر نقوی

محسنہ بیگم مرحومہ کی بائیسویں برسی..... ۱۹۹۶ء

خطابت:- علامہ ضمیر اختر نقوی

محسنہ بیگم مرحومہ کی تیسویں برسی..... ۱۹۹۷ء

خطابت:- علامہ ضمیر اختر نقوی

محسنہ بیگم مرحومہ کی چوبیسویں برسی..... ۱۹۹۸ء

خطابت:- علامہ ضمیر اختر نقوی

محسنہ بیگم مرحومہ کی پچیسویں برسی..... ۱۹۹۹ء

خطابت:- علامہ ضمیر اختر نقوی



محسنہ بیگم مرحومہ کی چھیسویں برسی..... ۲۰۰۰ء

خطابت:- مولانا سید کمال حیدر رضوی

محسنہ بیگم مرحومہ کی ستائیسویں برسی..... ۲۰۰۱ء

خطابت:- علامہ ضمیر اختر نقوی

محسنہ بیگم مرحومہ کی اٹھائیسویں برسی..... ۲۰۰۲ء

خطابت:- علامہ ضمیر اختر نقوی

محسنہ بیگم مرحومہ کی انیسویں برسی..... ۲۰۰۳ء

خطابت:- علامہ ضمیر اختر نقوی

محسنہ بیگم مرحومہ کی تیسویں برسی..... ۲۰۰۴ء

خطابت:- علامہ ضمیر اختر نقوی

محسنہ بیگم مرحومہ کی اکتیسویں برسی..... ۲۰۰۵ء

خطابت:- علامہ ضمیر اختر نقوی

محسنہ بیگم مرحومہ کی بتیسویں برسی..... ۲۰۰۶ء

خطابت:- علامہ ضمیر اختر نقوی



## مصطفیٰ آباد

مصطفیٰ آباد ضلع رائے بریلی، یہ موضع قصبہ مانکپور سے جانب گوشہ شمال و مغرب بقاصلاً ۱۲ میل بالائے سڑک جو مانکپور سے رائے بریلی کو جاتی ہے واقع ہے۔

راجہ سید مصطفیٰ نے مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کے عہد میں اونچا ہار کو آباد کر کے اپنے نام سے معروف کیا تھا۔ راجہ سید مصطفیٰ، سید محمد شہاب الدین گردیزی کی نسل سے دسویں پشت میں ہیں۔ راجہ سید مصطفیٰ نے اپنے ایک بزرگ راجہ سید نور کا مقبرہ مانکپور میں بعد اکبر بادشاہ تعمیر کرایا تھا اور جب مصطفیٰ آباد کو آباد کیا یہاں ایک مسجد بھی اُن کے نام سے تعمیر کروائی۔ یہ مسجد ”بھتری گاؤں“ محلے میں مسجد میاں نور کے نام سے مشہور ہے۔

راجہ سید نور کے نام سے پہلے زمانے میں ایک میلہ بھی ہوا کرتا تھا جو ”میلہ شاہ نور“ کے نام سے مشہور تھا۔ راجہ سید مصطفیٰ کی اولاد میں سید یوسف علی عرف بڈا میاں، سید علی مقتدا، سید محمد علی عرف مٹا میاں، سید محمد عباس عرف بسئی میاں وغیرہ ممتاز و معروف شخصیات گزری ہیں۔ یہ خاندان راجہ زادگان کے نام سے تاریخ میں معروف ہے۔

مصطفیٰ آباد میں سادات کے دو محلے آباد ہیں۔ ایک ”بھتری گاؤں“ دوسرے ”چھانک بھیت“ یہ دونوں نام خالص پوربی ہیں۔ ”بھتری گاؤں“ یعنی گاؤں کا اندرونی مرکزی حصہ اور ”چھانک بھیت“ یعنی دروازے کے بعد کا اندرونی حصہ، یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ نام محلوں کے کب سے مشہور ہوئے اور چھانک سے کون سا چھانک مراد ہے،



ریلوے کا پھانک یا گاؤں کا کوئی پھانک تھا۔  
مصطفیٰ آباد میں کل ساداتِ گردیزی نقوی آباد ہیں۔  
ساداتِ گردیزی کا تعارف:

گردیز ایک قصبہ کا نام ہے جو شہر غزنی کے متصل افغانستان میں واقع ہے۔ اگلے زمانے میں یہ قصبہ ”زمر“ نام ایک دیوزاد مخلوق کا پایہ تخت تھا۔ حصار سنگین اس قصبہ کا اب تک موجود ہے۔ ایک حاکم امیر کابل کی طرف سے یہاں رہتا تھا۔ چند خاندانِ سادات اب بھی اس قصبہ میں آباد ہیں۔

افغانستان میں دریائے گردیز کے کنارے ایک چوکی کو امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یہاں پر ہر سال ۲۳ مارچ کو جشنِ نوروز منایا جاتا ہے اور پاکستان کے آزاد قبائل بھی بلا اجازت جشنِ نوروز کے میلے میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس مقام کی شہرت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس مقام پر حضرت علی علیہ السلام خود تشریف لائے تھے اور یہاں پر ایک کافر جو دیو قامت تھا جس نے علاقے کے لوگوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ لوگوں نے حلال مشکلات مظہر العجایب حضرت علی علیہ السلام سے فریاد کی، مولائے کائنات نے اعجازِ نمائی فرمائی اس ظالم دیونما انسان کو زخمی کیا۔ یہ کافر آج بھی زندہ ہے اور کالا کافر کے نام سے مشہور ہے۔ سال بھر میں دھیرے دھیرے اس کے زخم بھر جاتے ہیں اور پھر خود بخود بارش ہو جاتی ہے۔ اس کے زخم پھر کھل جاتے ہیں۔ بعض معتبر روایتوں میں یہ ہے کہ ”کالا کافر“ یہ سوال کرتا ہے کہ اب دنیا میں کس کی حکومت ہے۔ لوگ با آوازِ بلند کہتے ہیں ”علی کی حکومت ہے“۔ یہ سنتے ہی وہ ایک دل سوز نعرہ بلند کرتا ہے جس سے اس کے جسم کے زخم پھر سے ہرے ہو جاتے ہیں۔ افغانستان کے شیعہ سال میں ایک

(۲۶۰)

دفعہ یہاں حاضری دینا ثواب سمجھتے ہیں۔ یہ زندہ معجزہ حضرت علی علیہ السلام کا دنیا آج بھی دیکھ رہی ہے۔ (بحوالہ ”حضرت علیؑ کے معجزات“ صفحہ ۸۱، ۸۲)

اس واقعے کی وجہ سے بھی گردیز بہت مشہور ہے۔ مُلک عرب میں جب سادات پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا، سادات نے ہجرت کی۔ حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی اولاد میں ایک شاخ نے گردیز (افغانستان) میں سکونت اختیار کر لی۔

سُلطان اُتَمش (دورِ حکومت ۶۰۷ھ مطابق ۱۲۱۰ء تا ۶۳۳ھ مطابق ۱۲۳۵ء) کے عہد میں سید زین الدین حسن ابن سید عیسیٰ باقر عالم ربانی کے دو فرزند گردیز سے مُلک ہندوستان وارد ہوئے۔

۱۔ سید محمد شہاب الدین گردیزی۔

۲۔ سید احمد شمس الدین گردیزی۔

سید احمد شمس الدین نے اپنی سکونت دہلی میں رکھی۔ اُن کی اولاد دہلی، گوڑگاؤں، بھونکر، سُلطان پور ضلع گوڑگاؤں (دہلی) وغیرہ اور اُس کے قرب و جوار میں پھیلی۔

سید محمد شہاب الدین گردیزی نے اپنی سکونت قصبہ مانک پور ضلع پرتاب گڑھ (یوپی) میں رکھی جہاں اُن کا مزار بھی ہے۔ سید محمد شہاب الدین کی اولاد قصبہ مانک پور، رسول پور، مصطفیٰ آباد، سلون وغیرہ میں پھیلی۔ تینوں بھائیوں کی اولاد گردیزی سادات نقوی کے نام سے مشہور ہے۔

البتہ ملتان کے کچھ سادات زیدی اور جعفری بھی ہیں۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ سید جمال الدین یوسف شاہ گردیز رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ سید محمد شہاب الدین گردیزی کے سگے ماموں تھے۔ یہ سید محمد شہاب الدین گردیزی کا ناناہال ہے۔

یوسف شاہ گردیز کی خانقاہ خاص شہرت رکھتی ہے۔ شاہ گردیز کے نام کا ایک محلہ



شہر ملتان میں معروف ہے۔ اس خاندان میں خان بہادر سید حسن بخش رئیس ملتان ایک مشہور شخص گزرے ہیں۔ دیگر مقامات دہلی، گوڑگاؤں، فرخ آباد، ہردوئی، کانپور، الہ آباد، پرتاب گڑھ، رائے بریلی کے سادات نقوی بھی گردیزی مشہور ہیں۔

ریواڑی، رسولداراں مشرقی پنجاب میں پنگوڑ، موہنہ، رسول پور پنجاب وغیرہ میں بھی گردیز سادات نقوی آباد ہیں۔

اب زیادہ تر تمام علاقوں کے سادات گردیزی نقوی پاکستان میں آکر آباد ہیں۔ اکثریت کراچی اور لاہور میں ہے۔

اگر سروے کیا جائے تو پاکستان میں تقریباً ۲۵ ہزار گردیزی سادات نقوی آباد ہیں۔ نقوی سادات کا اصل مستقر سامرہ ہے۔ سامرہ سے ہجرت کر کے بغداد محلہ کاظمین میں قیام کیا۔ بغداد (عراق) سے سبزوار (ایران) آئے۔ درحقیقت نقوی سادات کی یہ شاخ سبزواری ہے۔ سبزوار سے ہجرت کر کے گردیز (افغانستان) میں قیام کیا اس لیے گردیزی مشہور ہوئے۔ گردیز سے ہجرت کر کے ملتان اور ملتان سے دہلی ہوتے ہوئے مانپور میں آکر آباد ہوئے۔ مانپور کی دو شاخیں مصطفیٰ آباد ضلع رائے بریلی میں ہیں۔

مانپور اور سادات گردیزی:

سادات گردیزی ملتان اور دہلی کے قیام کے بعد یوپی (اودھ) میں سب سے پہلے مانپور ضلع پرتاب گڑھ میں آکر آباد ہوئے۔

”تاریخ فرشتہ“، ”آئین اکبری“، ”آئینہ اودھ“ اور ”تاریخ کٹر مانپور“ میں درج ہے کہ یہ مقام قدیم ہندوؤں کا دارالحکومت تھا۔ مسلمان بادشاہوں نے بھی اس کو اپنا پایہ تخت قرار دیا تھا اور تاریخ کی کتابوں میں مانپور کو ”دہلی کوچک“ لکھا جاتا تھا۔

یہاں کے باشندے دُور دراز ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔ انقلاباتِ زمانہ سے متاثر ہو کر یہ لوگ جلا وطن ہو کر یہاں سے چلے گئے تھے۔

مانکپور کے جنوب میں دریائے گنگا ہے۔ اس قصبے میں ایک پختہ سڑک الہ آباد سے رائے بریلی کو جاتی ہے، دوسری سڑک پختہ مانکپور سے پرتاب گڑھ کو اور تیسری سڑک پختہ مانکپور سے سلون کو جاتی ہے۔ ریلوے اسٹیشن کا نام گوتی ہے۔ ۱۹۱۲ء میں ریلوے ٹرین اس قصبے میں جاری ہوئی تھی۔ یہ قصبہ پرتاب گڑھ سے گوشہ جنوب و مغرب میں ۴۲ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

مانکپور میں طرزِ معاشرت اودھ کا تھا۔ یہاں کی مادری زبان دیہاتی پوربی اور اُردو تھی، یہاں زمانہ قدیم میں ہندی بھاشا کے مشہور شاعر بابا ملوک داس گزرے ہیں۔ اُردو زبان کے شاعروں میں میر پرورش علی خاں، مولوی وحید الدین وحید، مولوی بشیر علی بشیر، جلیل مانکپوری (استاد السلطان) نامی گرامی شعرا گزرے ہیں شیخ امام بخش ناسخ بھی یہاں تشریف لائے تھے۔

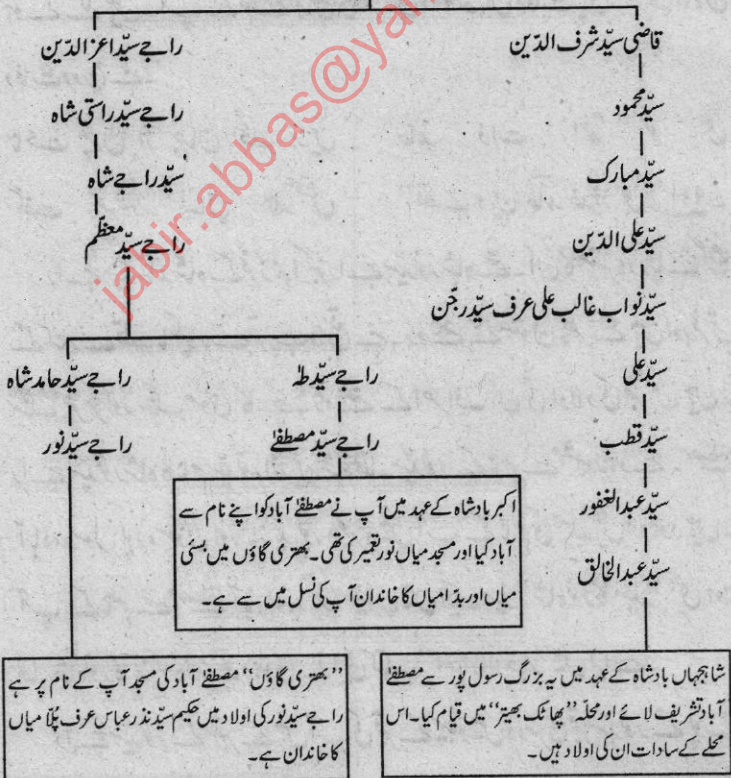
مانکپور کے نام کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ رائے مال دیو عرف رائے مان دیو جو رائے بلد یو کا بیٹا تھا۔ وہ قوم راجپوت سے تھا، دو آہ کار بننے والا تھا۔ ۶۴۱ء میں تقریباً ایک ہزار برس پہلے جب قنوج کا راجہ ہوا تو دریائے گنگا کے کنارے ایک بستی آباد کی جس کا نام اُس نے ”مانپور“ رکھا۔ راجہ مانک چند کے عہدِ حکومت میں ”مانپور“ کا نام تبدیل ہو کر ”مانکپور“ مشہور ہوا۔ عہدِ قدیم میں مانکپور بہار میں شامل تھا۔ عہدِ سلطنتِ اسلامیہ میں کٹر الہ آباد میں شامل کر لیا گیا اور اب تک کٹر مانکپور کے نام سے معروف ہے۔ مانک پور میں ہندوؤں کی کوئی یادگار موجود نہیں ہے۔ البتہ مسلمانوں کے مقبرے، مسجدیں، محل اور امام باڑے موجود ہیں لیکن عمارات کا کوئی پُرسانِ حال نہیں ہے۔



ساداتِ گردیزی میں راجے راستی شاہ کا مقبرہ تھاس گڑھ مانپور میں غیاث گنج سے  
جانبِ جنوب واقع ہے۔ راجے راستی شاہ خاندانِ ساداتِ گردیزی میں صاحبِ کمال  
درویش گزرے ہیں، شادی بیاہ کے کھانے میں اب تک ان کا حصہ لگایا جاتا ہے۔  
اولاد ان کی مانک پور اور مصطفیٰ آباد میں آباد ہے۔

مصطفیٰ آباد کے دو خاندان ”قاضی زادگان“ اور ”راے زادگان“ کا شجرہ نسب  
سید شہاب الدین ثانی گردیزی کے نام پر منتهی ہوتا ہے۔

سید شہاب الدین ثانی گرویزی



راجے سید حامد شاہ گردیزی کا مقبرہ مانکپور کے ایک باغ میں اب تک موجود ہے۔ آپ کی اولاد قصبہ مانکپور اور اطراف و جوانب خصوصاً مصطفیٰ آباد میں موجود ہے۔ درجہ فقر میں آپ شاہانِ جوہور کے عہد میں جوہور کے ”شاہِ ولایت“ تھے۔ سلاطینِ شرقیہ جوہور آپ کے معتقد تھے۔

آپ کی وفات کے سو برس کے بعد ایک درخت کی جڑ سینہ پاک پر آگئی تھی، اولاد کو بشارت ہوئی۔ صندوقِ قبر کھولا گیا اور جڑ کاٹی گئی، غسل و کفن دوبارہ دیا گیا، آپ کا عصا چوبی اب تک موجود ہے، ۱۹۰۳ء میں سنگِ مزار ٹوٹ گیا تھا، قبر دوبارہ بنوائی گئی، مقبرے کا دروازہ آہنی لگا دیا گیا تھا۔ آپ کی قبر کے متصل اب تعزیہ مدفون ہونے لگے ہیں۔ آپ نے نوے برس کی عمر میں ۹۰۱ھ میں وفات پائی۔ قطعہ تاریخ وفات درج ہے۔

تاخت چوں از جہاں بُخلد بریں حامد ذات احمد و علی  
گفت سرور بسالی تاریخش ”قطب دیں حامد خداد نبی“ ۹۰۱ھ  
راجے سید حامد شاہ کے فرزند اکبر راجے سید نور شاہ تھے۔ اُن کا مقبرہ دریائے گنگا کے کنارے قلعہ مانکپور سے قریب واقع ہے۔ روئے کے ستون پتھر کے ہیں اور فرش سنگِ مرمر اور سنگِ موہی کا ہے۔ روئے کے اطراف اُن کی اولاد کی قبریں ہیں۔ راجے سید نور شاہ کا نام سید نور الدین شاہ تھا۔ سید نور کے نام سے مشہور ہوئے۔ مصطفیٰ آباد، رسول پور، سلون اور بازید پور وغیرہ میں آپ کے نام کی مسجدیں موجود ہیں۔ آپ کے نام سے مصطفیٰ آباد اور دیگر بستیوں میں ایک میلہ ”شاہ نور کا میلہ“ بھی ہوتا تھا۔ شاہ نور کا تذکرہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب ”اخبار الاخیار“ میں کیا ہے۔

راجے سید نور کے مقبرے میں آپ کی قبر کے پہلو میں دوسری قبر سید نور کے پوتے



سید مبارک کی ہے۔

راجے سید نور کے مقبرے سے چالیس قدم کے فاصلے پر راجے سید ابراہیم کا مقبرہ ہے۔ راجے سید ابراہیم، راجے سید نور کی ساتویں پشت میں تھے۔ راجے سید ابراہیم درویش کامل مشہور ہیں۔ قوم جئات آپ کے تابع تھی۔ کہتے ہیں آپ جب وضو کرتے تھے تو کوئی خدمت گار نہیں ہوتا تھا۔ جئات وضو کراتے تھے اور پانی کا لوٹا معلق رہتا تھا۔ ہاتھوں پر پانی ڈالنے والا کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ موضع ابراہیم پور جو مشمولہ علاقہ ہریانواں ہے آپ کا آباد کردہ ہے۔ آپ کی اولاد مانکپور اور مصطفیٰ آباد میں موجود ہے۔ راجے سید حامد شاہ، راجے سید نور، راجے سید مبارک اور راجے سید ابراہیم کی اولاد میں مصطفیٰ آباد بھتری گاؤں کی مشہور شخصیت حکیم سید نذر عباس عرف پٹا میاں تھے۔ اُن کے پوتے سید محمد مہدی، سید حسین مہدی، سید مسرت حسین، سید سرور حسین، سید عشرت حسین، سید ثروت حسین اب تک مصطفیٰ آباد میں آباد ہیں۔

سید محمد شہاب الدین گردیزی:

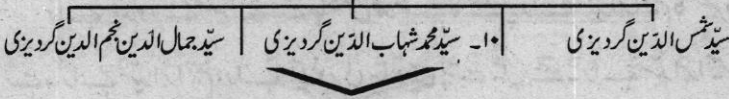
حضرت امام علی نقی علیہ السلام

- ۱۔ سید جعفر الذکی
- ۲۔ سید طاہر ابوالقاسم
- ۳۔ سید محمد ابوموسیٰ بغدادی
- ۴۔ سید ابوطالب حمزہ
- ۵۔ سید محمد عسکری
- ۶۔ سید امیر حمزہ بنزوری
- ۷۔ سید حسن نظام الدین غزنوی

(۲۶۶)

۸۔ سید عیسیٰ باقر عالم ربانی

۹۔ سید زین الدین حسن گردیزی



آپ حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی دسویں پشت میں ہیں۔ امام سے آپ تک تقریباً تین سو پچاس برس کا فاصلہ ہے۔

آپ کا اسم گرامی سید محمد اور لقب شہاب الدین ہے۔ آپ نے ۶۲۹ھ مطابق ۱۲۳۱ء در عہد سلطان التمش مانکپور میں رحلت فرمائی۔ سال وفات کا مادہ ”قدس سرہ“ ہے۔ آپ مانکپور میں گنگا کے کنارے مدفون ہوئے۔ جب وہ مقام دریا برد ہونے لگا تو وہ مقبرہ جدید جو محلہ شاہ آباد اندرون آبادی میں واقع ہے دفن کئے گئے۔

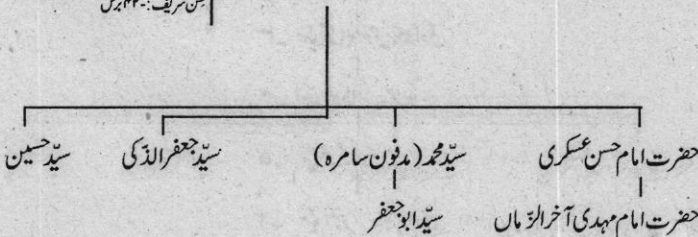
سید شہاب الدین گردیزی کا سلسلہ نسب:

سید شہاب الدین گردیزی دسویں امام حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی دسویں پشت میں ہیں۔ امام کے نام کے بعد سے آپ کے نام تک دس نام شمار میں آتے ہیں۔ آپ امام زادہ حضرت جعفر الذکی کی اولاد ہیں۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے چار فرزند تھے۔

ولادت: ۵۰ رجب ۲۱۳ھ / ۸۲۹ء  
وفات: ۳ رجب ۲۵۳ھ / ۸۶۸ء  
سن شریف: ۴۲۰ برس

حضرت امام علی نقی علیہ السلام





## امام زادوں کا تعارف

۱۔ فرزند اکبر گیارھویں امام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام ہیں آپ کا اسم گرامی محتاج تعارف نہیں۔

۲۔ سید محمد: آپ کا مزار اقدس مابین سامرہ کاظمین بلد کے مقام پر زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ بھی مثل حضرت عباس علیہ السلام اپنے غیظ و جلال کے لیے مشہور ہیں۔ آپ کے مزار پر کسی کی کوئی چیز گم نہیں ہوتی۔

۳۔ سید حسین: آپ کی اولاد اصفہان (ایران) میں آباد ہوئی۔ وہاں سے ہجرت کر کے ہندوستان میں وارد ہوئی۔ سادات نقوی اصفہانی منڈ و سادات ضلع فتح پور بنسوا میں آباد ہوئے۔

۴۔ سید جعفر الذکی: آپ حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے نام و فرزند ہیں۔ ۹۵ فیصد نقوی سادات آپ ہی کی نسل میں ہیں۔ برصغیر کی کم و بیش تمام سادات نقویہ کے سلسلے آپ ہی سے ملتے ہیں۔ آپ کی نسل میں مندرجہ ذیل نقوی سادات ہیں۔

۱۔ سبزواری نقوی

۲۔ گردیزی نقوی

۳۔ بغدادی نقوی

۴۔ واسطی نقوی

۵۔ بخاری نقوی

تعداد میں بخاری نقوی سادات کی اکثریت ہے۔ سید جلال الدین حیدر سرخ بخاری وہ بزرگ ہیں جن کی اولاد امجاد سے برصغیر پاک و ہند کا گوشہ خالی نہیں ہے۔ جنوبی ہند میں میسور ہو یا مدراس، دکن ہو یا احمد آباد، گجرات ہو یا بنگال، آسام ہو یا بہار،

یوپی ہو یا دہلی، کشمیر ہو یا سندھ، پنجاب ہو یا صوبہ سرحد غرضیکہ برصغیر کا وہ کون سا علاقہ ہے جہاں آپ کے اخلاف نے اپنے علم و فضل کا لوہا نہ منوایا ہو۔ (گلزارِ نقی صفحہ ۲۴)

حضرت جعفر الذکی کی اولاد کا ارتقاء یہ بتاتا ہے کہ آپ کی ذات گرامی کس قدر بلند، بزرگ اور عظیم الشان تھی۔

آپ کا نام جعفر، کنیت ابو عبد اللہ، آپ کے القاب ابوالکثرین، زکی، مہرِ ق، ابوالبنین مشہور ہیں۔ آپ کے پدر گرامی دسویں امام حضرت امام علی نقی علیہ السلام ہیں والدہ گرامی سلیلہ خاتون نہایت پاکیزہ اور صاحبِ تقویٰ خاتون تھیں۔ ”ان مخدّرہ کی جلالت کے لیے اتنا کافی ہے کہ شدت اور سختی کے زمانے میں یہی خاتون احکام کے نقل کرنے میں شیعوں کی پناہ گاہ تھیں“۔ (سوانح امام علی نقی تالیف علی محمد ذخیل)

حضرت جعفر الذکی کی ولادت ۲۴۶ھ میں قرار پائی ہے اور ۳۴۲ھ میں آپ نے ہجر چھیا نوے سال وفات پائی۔ آپ کی قبر حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے روضہ مبارک بمقام ”سامرہ“ ہے (منتہی الامال جلد دوم) اور تاریخ کی کتابوں میں اس روضے کی عظمت و جلالت کے سلسلے میں درج ہے کہ ”چمک دہک میں آسمان سے باتیں کرتی ہے، جس کے اوپر دنیا کا سب سے بڑا سونے کا قبة ہے۔ اس کی تعمیر میں بہتر ہزار سونے کی اینٹیں استعمال ہوئی ہیں۔ (بحوالہ دلیل سامرہ صفحہ ۲۷) سید جعفر بحر العلوم اپنی کتاب ”تحفۃ العالم“ میں صفحہ ۳۷ پر لکھتے ہیں کہ کتبوں اور حاشیوں کے علاوہ تعمیرِ قبة میں ۲۸۷۷ سونے کی اینٹیں استعمال ہوئی ہیں۔

اہل تاریخ حضرت جعفر الذکی کی اولاد کی تعداد ایک سو بیس بتلاتے ہیں۔ یعنی نوے صاحبزادے اور تیس صاحبزادیاں۔ انیس فرزندوں سے آپ کا سلسلہ نسب اب تک باقی ہے۔



آپ کے چھ فرزندوں کا سلسلہ نسب برصغیر پاک و ہند میں موجود ہے۔ وہ چھ فرزند یہ ہیں۔

(۱) سید اسماعیل حریف۔ (۲) سید طاہر (۳) سید یحییٰ الصوفی (۴) سید ہارون (۵) سید علی اشغر (اصغر) (۶) سید اوریس۔

حضرت جعفر الذکی کی ایک صاحبزادی برنیہ نامی سید محمد بن موسیٰ مبرقع ابن حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو منسوب تھیں۔

حضرت جعفر الذکی پر یہ الزام ہے کہ انھوں نے اپنے بھائی امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد دعویٰ امامت کیا تھا۔ اس لیے اُن کو ”کذاب“ یعنی جھوٹے کا لقب تاریخ نے عطا کر دیا اور چونکہ بعد میں تو بہ کر لی اس لیے ”تو آب“ مشہور ہوئے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ نے بنی عباس کے ظالم و جابر حکمرانوں سے امامت کو محفوظ رکھنے کے لیے یہ دعویٰ کیا تھا جس طرح حضرت رسول اکرم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا سارا منصوبہ صرف حضرت ابوطالب علیہ السلام کے اظہار ایمان نہ کرنے سے خاک میں مل گیا۔ بس جس طرح رسول اکرم کے چچا حضرت ابوطالب نے اپنے بھتیجے کی زندگی اپنے تقیہ میں مضمر فرمائی بالکل اسی طرح حضرت امام مہدی علیہ السلام کے چچا حضرت جعفر الذکی نے اپنے بھتیجے کی زندگی اپنے انکار امامت میں مضمر پائی اور آخری امام کی حفاظت میں وہ کامیاب بھی ہوئے۔ مسلمانوں کی تاریخ کی تاریکی ہے۔ ان حضرات کی عظیم شخصیات پر ان الزامات سے سیاهی نہیں چھا سکتی۔

عہد بنی امیہ اور عہد بنی عباس میں زرخیز مورخین و محدثین نے ایسے تصورات کی تشہیر کی جن سے آل محمد کی توقیر و احترام پر کاری ضرب لگا کر ان کے ہر شرف کو غیر اہم قرار دیا جائے۔ یہ سلسلہ دراصل حضرت رسول اکرم کے بعد سے حصول جاہ و منصب کی

خاطر شروع ہوا تو آج تک جاری و ساری ہے۔ عامۃ المسلمین کو آلِ رسولؐ کے کردار سے گمراہ کرنے کے لیے بدکردار اشخاص نے یہ گھناونی سازش شروع کی۔ ظاہر ہے آلِ رسولؐ ہونے کا شرف حاصل کرنا تو کسی انسان کے بس کی بات نہیں البتہ اس شرف کی قدر و منزلت کم کرنے پر تو ہر شخص قادر ہے۔ حضرت جعفر الذکی امام زادے تھے اُن کے کردار میں خامی نکالنا، گویا تربیتِ امام پر اعتراض ہے۔

ایران میں دورِ حاضر کے جید عالم اور اعلم الانساب آیت اللہ العظمیٰ سید شہاب الدین المرعشی نجفی رضوان اللہ حضرت جعفر الذکی سے منسوب من گھڑت روایت کو غلط قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں تفرقہ و اختلاف پیدا کرنے کی خاطر دشمنانِ آلِ محمدؐ نے یہ روایت پھیلائی ہے آقائے مرعشی کی تحریر کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔

”سید جعفر الذکی سید جلیل نے دعویٰ امامت نہیں کیا تھا اور کچھ دشمنانِ آلِ رسولؐ نے تفرقہ و اختلاف کی غرض سے ضعیف الاعتقاد شیعوں میں یہ افواہیں پھیلا دی تھیں اور ناحیہ مقدسہ سے صادر ہونے والی توقیعات میں سے ایک توقیع میں خود حضرت ولیٰ عصر علیہ السلام فرماتے ہیں ”میرے چچا جعفر کے بارے میں اپنی زبانوں کو لگام دو کہ وہ تائب مرے ہیں“۔ اور رعیت کو حق نہیں ہے کہ وہ معصومین کے فرزندوں کے سلسلے میں جسارت کرے کیوں کہ متکلمین کے عقیدے کے مطابق یہ بزرگوار دو پہلوؤں کے حامل ہیں ایک بشری دوسرا الہی اور اپنے بشری پہلو میں کوئی بھی اپنی اولاد کے سلسلے میں خوش نہیں ہے کہ اُن کی اولاد کی توہین ہو کیونکہ اُن کی اولاد کی توہین خود ان حضرات کی توہین ہے۔“

حضرت جعفر الذکی کی نسل میں ایسے ایسے جید عالم، صوفی، شعراء، ادیب اور خطیب پیدا ہوئے ہیں کہ آسمانِ علم و ادب آج اُن کی ضوفشانی سے جگمگا رہا ہے۔ ایسے عظیم



اشخاص کی ایک طویل فہرست ہے، ہم چند کے نام یہاں درج کر رہے ہیں۔  
 سید عیسیٰ باقر عالم ربانی، سید شہاب الدین گردیزی، سید نظام الدین اولیا، سید  
 جلال الدین حیدر سرخ بخاری، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، قطب العالم سید  
 برہان الدین بخاری گجراتی، شاہ موج دریا بخاری، سید محمد ہاشم (اتالیق اور نگ زیب)  
 سپہ سالار سید نجم الدین سبزواری قاضی سید شرف الدین گردیزی، (بمعہ قاضی سلطان محمد  
 تغلق) راجے سید عبدالقادر گردیزی (میر عدل شاہجہاں بادشاہ) سید محمد رحیم گردیزی  
 (میر عدل در عہد شاہجہاں) راجے سید محمد گردیزی عرف دیوان راجے (دیوان صوبہ  
 بہار عہد فرخ سیر بادشاہ) سیف الدولہ نواب عبدالصمد خان گردیزی دلیر جنگ بہادر  
 (صوبہ دار لاہور کشمیر در عہد محمد شاہ عدلی بادشاہ مغل) خان بہادر سید عبدالغفار گردیزی  
 (سپہ سالار صوبہ الہ آباد، در عہد محمد شاہ عدلی بادشاہ)

شاہ ولایت راجے سید حامد شاہ گردیزی (شاہ ولایت در عہد شاہان شرقیہ راجہ پور)  
 شاہ ولایت راجے سید نور رحمۃ اللہ علیہ، غفران مآب مولانا سید دلدار علی مجتہد العصر وغیرہ۔  
 سید طاہر ابوالقاسم: سید طاہر نام اور ابوالقاسم کنیت ہے۔ آپ سید جعفر الذکی  
 کے فرزند ہیں۔ آپ کا قیام سامرہ (عراق) میں تھا اور وہیں آپ کی وفات ہوئی۔  
 سید محمد ابو موسیٰ: آپ کا نام سید محمد اور ابو موسیٰ کنیت ہے۔ آپ کو طاہر ثانی بھی  
 کہتے ہیں۔ آپ سید طاہر ابوالقاسم کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کا قیام بھی سامرہ  
 (عراق) میں تھا اور وہیں آپ نے وفات پائی۔

سید حمزہ ابوطالب: آپ کا نام سید حمزہ اور ابوطالب کنیت ہے۔ آپ سید محمد  
 ابو موسیٰ کے صاحبزادے ہیں۔

سید محمد عسکری: سید محمد عسکری، سید حمزہ ابوطالب کے صاحبزادے ہیں۔ آپ

عراق سے ہجرت کر کے سبزوار وارد ہوئے۔

سید امیر حمزہ سبزواری: سید امیر حمزہ، سید محمد عسکری کے صاحبزادے ہیں۔ آپ نے سبزوار سے ہجرت فرمائی اور افغانستان تشریف لائے۔ چونکہ سبزوار سے آئے تھے اس لیے سبزواری مشہور ہوئے۔

سید نظام الدین حسن غزنوی: سید نظام الدین حسن غزنوی ابن سید امیر حمزہ سبزواری قصبہ گردیز مضافات غزنی میں آکر اقامت گزریں ہوئے اور اپنے عالی نسب۔ وجاہت و شجاعت کی وجہ سے سلطان محمود غزنوی کے مقرب خاص اور غم گسار ساتھیوں میں شمار ہوئے اور اس کی فوج میں فوجی سپہ سالار کی حیثیت سے غزوات ہندوستان میں شریک ہوئے۔ سید نظام الدین حسن غزنوی کا روضہ گردیز (افغانستان) میں ہے۔

سید عیسیٰ باقر: سید عیسیٰ باقر، سید نظام الدین حسن غزنوی کے صاحبزادے ہیں۔ آپ اپنے وقت کے جید عالم تھے، آپ کا لقب ”عالم ربانی“ ہے۔ آپ کی قبر بھی گردیز میں ہے۔

سید زین الدین حسن: سید زین الدین حسن، سید عیسیٰ باقر عالم ربانی کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کا نام زین العابدین بھی ہے۔ آپ کی شہادت فتنہ چنگیز خاں کے سبب مقابلہ کرتے ہوئے ہوئی۔ آپ کا روضہ مبارک بھی گردیز میں مرجع خلائق ہے۔

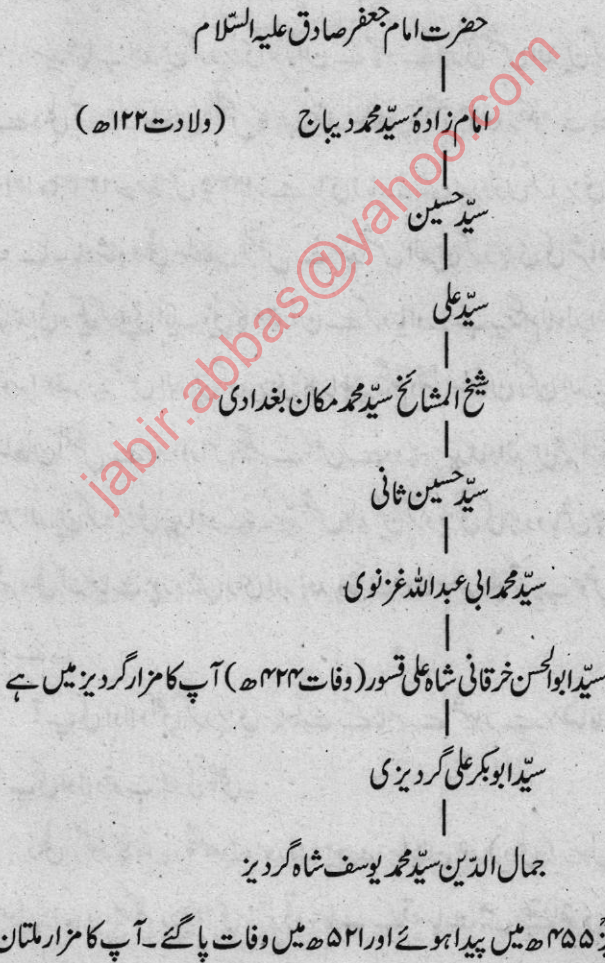
سید شہاب الدین گردیزی اپنے والد سید زین الدین حسن کی شہادت کے بعد اپنے دونوں بھائیوں کے ساتھ گردیز سے ہجرت کر کے اپنے ماموں سید جمال الدین یوسف شاہ گردیز کی خدمت میں ملتان (ہندوستان) تشریف لائے۔ شاہ گردیز جب تک حیات رہے اپنے بھانجوں کی پرورش اور تربیت خاص فرماتے رہے۔



(۲۷۳)

سید شہاب الدین گردیزی کے ماموں  
سید جمال الدین یوسف شاہ گردیز:

آپ کا پورا نام حضرت ابوالفضل سید جمال الدین سید محمد یوسف گردیزی ہے۔  
”شاہ گردیز“ کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی نسل  
میں ہیں۔ شجرہ حسب ذیل ہے۔



کے محلہ شاہ گردیز میں ہے۔ آپ کی والدہ کا نام عقیفہ بی بی تھا۔  
 سید شہاب الدین گردیزی، ننھیال کی طرف سے جعفری سادات گردیزی ہیں۔  
 آپ کی نانی عقیفہ بی بی ہیں اور نانا سید ابوبکر علی گردیزی ہیں۔

سید شہاب الدین گردیزی کے چھوٹے بھائی

سید شمس الدین کے حالات:

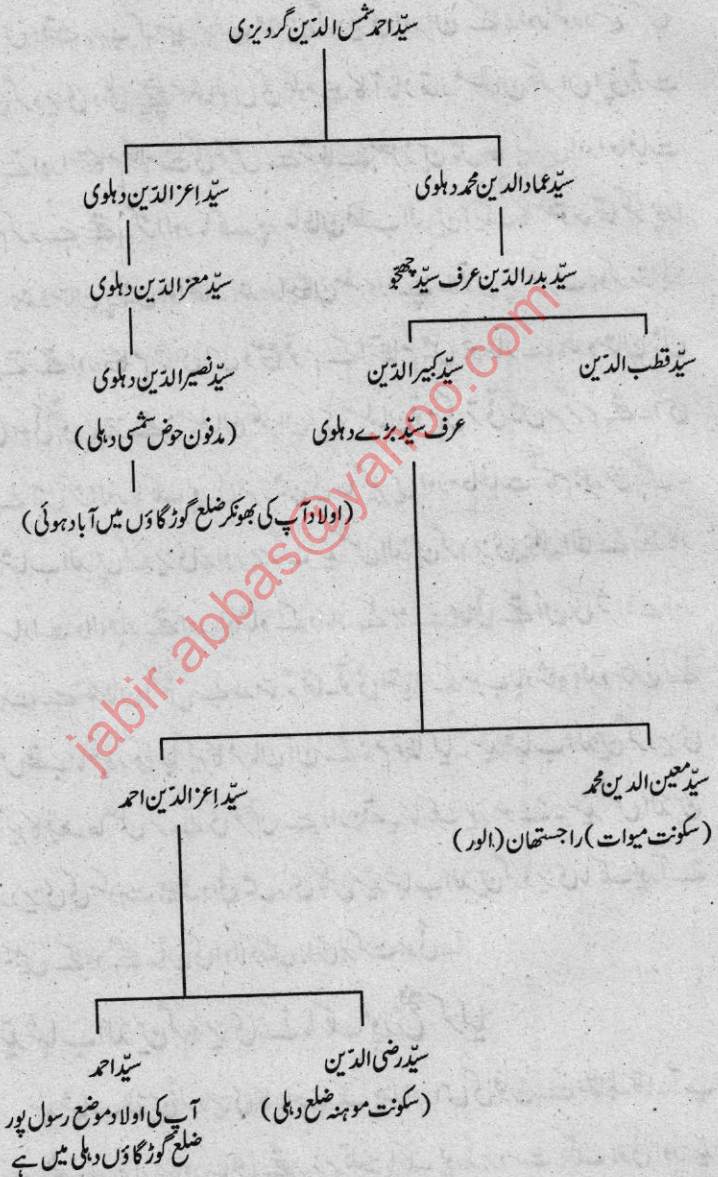
سید شہاب الدین گردیزی اور اُن کے چھوٹے بھائی شمس الدین گردیزی ملتان سے دہلی آئے۔ سلطان التمش کا عہد تھا۔ سلطان التمش کا دور حکومت ۶۰۷ھ مطابق ۱۲۱۰ء تا ۶۳۳ھ مطابق ۱۲۳۵ء ہے۔ اسی زمانے میں یہ دونوں گردیزی سید دہلی وارد ہوئے۔ بادشاہ دہلی سلطان التمش نے سید شمس الدین گردیزی کی شرافت و نجابت خاندانی دیکھ کر اپنی ایک بیٹی کا عقد اُن سے کر دیا اور جب یہ بیگم لا ولد انتقال کر گئیں، دوسرا عقد سید شمس الدین گردیزی کا راضیہ بیگم دختر سلطان رکن الدین فیروز ابن سلطان التمش سے ہوا اور اس بیگم کے بطن سے دو پسر سید عماد الدین محمد گردیزی اور سید اعز الدین گردیزی پیدا ہوئے۔ سید شمس الدین گردیزی کی بود و باش تازمان حیات شہر دہلی کنہ غیاث پورہ میں رہی اور بعد وفات بمقام مہرولی قریب حوض شمس مدفون ہوئے۔

آپ کی اولاد بھی گردیزی سادات کے نام سے مشہور ہے۔ مضافات دہلی میں آپ کی اولاد خوب پھولی پھلی۔

دہلی، گوڑ گاؤں، پنگھوڑ، مورانہ، موہنہ، سلطان پور (دہلی)، رسول پور (دہلی)  
 رسول داران، بھونکر، ریواڑی، مشرقی پنجاب کے قصبات میں جتنے نقوی سادات ہیں



اکثریت سید شمس الدین گردیزی کی نسل ہے۔ آپ کی اولاد کا مختصر شجرہ مندرجہ ذیل ہے۔



سید شہاب الدین گردیزی کا مانک پور میں ورود:

اُس وقت جب کہ سید شہاب الدین گردیزی اور اُن کے برادرِ خورد سید شمس الدین گردیزی دہلی پہنچے مسلمانوں کی حکومت کا آغاز تھا۔ مسلمان حکمران اپنی قوت بڑھانے اور استحکامِ حکومت کی غرض سے شرفائے معززین میں جاگیریں اور معافیات تقسیم کر رہے تھے۔ کڑا اور مانک پور سلطان قطب الدین ایک کا مفتوحہ تھا مگر پورا تسلط ہندوستان پر نہیں ہوا تھا۔ ہندو راجگانِ مفرو را اپنے علاقوں پر متصرف ہو کر مقابلہ کرتے تھے اور حکامِ شاہی اس وسیع قوم کے انتظام میں جو سارے ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی عاجز تھے۔ مسلمان حکمران اپنی مسلمان قوم کی ترقی میں سرگرم تھے۔ اُسی زمانے میں کڑا اور مانک پور کی سرزمین کی جاگیریں اور معافیات تقسیم ہو رہی تھیں۔ سید شہاب الدین گردیزی برادرِ بزرگ سید شمس الدین گردیزی چونکہ اتفاقاً روزگار اور ساداتِ والا تبار تھے اور بادشاہ کے داماد کے بڑے بھائی تھے اُن کی شرافت اور نجابت سے سلطانِ التمش بے حد متاثر تھا۔ قومی امتیاز کے سبب بادشاہِ ہندوستان نے خاص قصبہ مانکپور کی جاگیر کا فرمان اُن کے نام عطا کیا۔ سید شہاب الدین گردیزی جاگیر کا قبضہ حاصل کرنے کی غرض سے واردِ قصبہ مانک پور ہوئے۔ سید شمس الدین گردیزی کی سکونت ہمیشہ دہلی میں رہی لیکن سید شہاب الدین گردیزی مانک پور آئے تو یہیں کے ہو گئے۔ اُن کی اولاد میں بڑی برکت ہوئی۔

سید شہاب الدین گردیزی نے مانک پور فتح کر لیا:

سید شہاب الدین گردیزی کا راجہ مانک چند اور اس کی فوج سے مقابلہ تھا۔ آپ کے ساتھ چار ہزار بہادر سپاہی تھے۔ زیرِ قلعہ مانک پور زبردست جنگ ہوئی اور سید شہاب الدین گردیزی نے قلعہ مانک پور فتح کر لیا۔ راجہ مانک چند بھاگ کر بنارس



کی طرف چلا گیا۔ اس وقت سے سید شہاب الدین گردیزی اور ان کی اولاد کی بود و باش مانک پور میں ہو گئی۔ سید شہاب الدین گردیزی اُس وقت صاحبِ اولاد تھے۔ آپ کے فرزند سید جلال الدین گردیزی بھی ہمراہ آئے تھے۔ سادات گردیزی آپ ہی کی اولاد ہیں۔

سادات گردیزی خاص قصبہ مانک پور، بازید پور، اونچا گاؤں، رسول پور اور مصطفیٰ آباد ضلع رائے بریلی میں آباد ہیں۔ ایک شاخ سلون میں آباد ہوئی۔ یہ چھ بستیاں ہیں جس میں سید شہاب الدین گردیزی کی اولاد آباد ہوئی تھی۔ ان سادات کے قلمی شجروں میں تحریر ہے کہ سید شہاب الدین گردیزی، سلطان التمش بادشاہ ہند کے عہد میں جہاد کی غرض سے مانک پور آئے اور راجہ مانک چند کا قلع قمع کر کے یہاں کے جاگیردار ہوئے اور یہاں سکونت اختیار کی۔ ایک غلط روایت مشہور ہے کہ راجہ مانک چند نے اپنی بیٹی کا عقد سید شہاب الدین گردیزی سے کر دیا تھا۔ یہ بات اس لیے قابلِ اعتبار نہیں ہے کہ سید شہاب الدین گردیزی اور سید شمس الدین گردیزی دونوں بھائیوں کا عقد نکاح دہلی میں ہو چکا تھا اور دونوں بھائی صاحبِ اولاد ہو چکے تھے۔ سید شہاب الدین گردیزی کے اکلوتے فرزند سید جلال الدین گردیزی وُرد مانک پور سے قبل پیدا ہو چکے تھے۔

مولانا سید محمد ابوالحسن شاہ مانک پوری آئینہ اودھ“ میں لکھتے ہیں:-

”سید شہاب الدین گردیزی بحکم باطن ساکن مانک پور ہوئے۔ بروایت بعض ثقافت گردیزی، سید صاحب موصوف منصب دارِ سلطانی ہو کر جاگیردار مانک پور کیے گئے۔ بُرور ایام ایسے کثیر الاولاد ہوئے کہ بہت سے مواضع اُن کی اولاد سے آباد ہوئے اور بعہدِ سلطنتِ سلاطین جون پور بہت کچھ اس قوم کو حاصل ہوا..... سچ تو یہ ہے

کہ ایسا اقتدار ظاہری و باطنی دوسرے سادات کو حاصل نہیں ہوا۔ پہلے مزار سید شہاب الدین گردیزی قدس سرہ کا لب دریا تھا، جب وہ مقام دریابرد ہونے لگا تب اُن کی اولاد نے متواتر خواب دیکھا کہ نقلِ نعش مبارک کر کے دوسرے مقام پر مدفون کرنا چاہیے آخر بہ خوف دریابرد اُن کی لاش کو نکال کر اراضی شہاب الدین آباد میں دفن کیا گیا۔ مشہور ہے کہ لاش و کفن بچنہ نکلا تھا کہیں بوسیدہ نہ تھا۔ ایک روضہ سنگین و حصین اب قبر پر قائم ہے۔ (بحوالہ ”آئینہ اودھ“ مطبوعہ نظامی پریس کانپور ۱۳۰۳ھ صفحہ ۶۷، صفحہ ۶۸)

### گردیزی سادات کی ترقی اور خوش حالی:

سید شہاب الدین گردیزی کی اولاد مانک پور میں بود و باش رکھتی تھی۔ کچھ عرصے کے بعد یہاں بد عملی ہو گئی۔ رائے دگی نے قلعہ کالجبر سے سر اٹھایا اور کٹر امانک پور پر اپنا قبضہ کر لیا۔ اس خلفشار میں سادات گردیزی خاندان کی نسلیں متفرق مقامات میں مانک پور سے جلا وطن ہو کر آباد ہوئیں اور مانک پور یا اس کے قرب و جوار مثلاً چھاچھا میو میں کچھ لوگ آباد بھی رہے تو وہ صاحب اقتدار نہ تھے اور ایک عرصے تک سادات گردیزی معمولی حالت میں رہے۔ اگرچہ ناصر الدین محمود بادشاہ دہلی نے ۶۳۵ھ میں رائے دگی کو کڑھ مانک پور میں شکست دی اور از سر نو تسلط ہوا تو دوسری اقوام شیوخ صدیقی دامغانی کو عروج ہوا اور ان شیوخ کا زمانہ سلطنت غلامان اور خلجیان میں بڑی ترقی پر تھا۔ خاندان تغلق کے دور حکومت میں جب شیوخ کو زوال ہوا تو پھر سادات گردیزی خاندان کو ترقی ہوئی۔

سید شہاب الدین گردیزی ثانی جو سید شہاب الدین گردیزی کی اولاد ہیں اور ان کی چھٹویں پشت میں ہیں، اُن سے سلسلہ نسل مانک پور اور اُس کے قرب و جوار میں زیادہ ہے۔ اس وقت سے اُن کی اولاد کو ترقیات اور حالاتِ ثروت بخوبی ظاہر ہوتے ہیں۔



۲۷۹

در عهد بادشاہ المتعش..... سید شہاب الدین گردیزی (وفات ۶۲۹ھ)

(دور حکومت ۶۰۷ھ تا ۶۳۳ھ)  
۱۲۱۰ء ۱۲۳۵ء

سید جلال الدین گردیزی

سید حسام الدین گردیزی

سید شمس الدین نقی گردیزی

سید ضیاء الدین گردیزی

سید شہاب الدین ثانی گردیزی

راجہ سید اعز الدین (راجہ در عهد سلطان محمد تغلق)

قاضی سید شرف الدین (قاضی در عهد سلطان محمد تغلق)

(دور حکومت سلطان محمد تغلق ۷۲۵ھ تا ۷۵۲ھ)  
۱۳۲۱ء ۱۳۵۲ء

راجہ راتی شاہ راجہ قطب الدین

سید حمزہ

سید شمس الدین

سید سیف الدین

سید مبارک

سید علی الدین

سید نواب غالب علی خاں عرف سید رجح

سید علی

سید قطب

(در عهد شہنشاہ جہاں ۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۸ھ)  
۱۶۲۷ء ۱۶۵۷ء

سید عبدالغفور

مورث اعلیٰ  
مصطفیٰ آباد

سید عبدالخالق

آپ کی اولاد سے مصطفیٰ آباد، آباد ہوا۔

## قاضی سید شرف الدین گردیزی اور سادات گردیزی کا عروج:

سادات گردیزی سے اقوام سوم بنیان پر تاب گڑھ ہمیشہ برسرِ پیکار رہتے تھے۔ اس وقت سے سادات گردیزی اپنی زندگی بطور سپاہیانہ اور بہادرانہ بسر کرتے تھے۔ بعض اکابر قوم کا مقولہ ہے کہ ”از گردیزیان بوئے خون می آید“ شاید یہ مقولہ اس وجہ سے مشہور ہوا کہ اول سادات گردیزی ”قوم گہوار“ سے برسرِ جنگ رہے۔ ”قوم گہوار“ میں مانک پور کا راجہ جے چند گہوار اور راجہ مانک چند گہوار تھا۔ مانک پور کے قدیم اہل ہنود باشندے نہایت سرکش تھے۔ اُن کی سرکوبی کے لیے مسلمان حکمران ہمیشہ سادات گردیزی کے دستِ نگر رہتے تھے۔ سادات گردیزی نے انھیں زیر کر لیا تھا۔ قوم سوم بنیان پر تاب گڑھ سے بھی سادات گردیزی نہایت شجاعت سے لڑے اور آخر اُن کو بھی زیر کر دیا۔

تمام تر تحقیقات کے بعد اس وقت مانک پور اور اس کے اطراف میں سادات گردیزی کے دو گروہ زیادہ ہیں۔ یعنی قاضی زادگان، اور ”راجے زادگان“ اور ایک تیسرا گروہ اس نسل سے ”چھ موئے“ کہلاتا ہے۔ اس گروہ کے لوگ اب کہاں آباد ہیں یہ تحقیق طلب مسئلہ ہے لیکن اُن کی وصلت اور مصاہرت دونوں گروہ اول کے ساتھ ہے۔ یہ لوگ بھی گردیزی ضرور ہیں لیکن اولادِ سید شہاب الدین ثانی میں نہیں ہیں کہ جس نسل کو بعدِ زوالِ اقوامِ دامغانی عروج ہوا بلکہ ان کے اوپر کی شاخ سے اُن کا سلسلہ نسل ہے۔ ”چھ موئے“ چھا چھا موئے میں آباد ہو گئے تھے۔ یہ سادات گردیزی سید شہاب الدین ثانی کے چھوٹے بھائی سید حسام الدین ثانی ابنِ سید ضیاء الدین گردیزی کی اولاد ہیں۔ یہ شاخ پرگنہ چائل ضلع الہ آباد میں جا کر آباد ہو گئی تھی۔



”قاضی زادگان“ اولاد قاضی سید شرف الدین اور ”راہے زادگان“ اولاد راہے سید اعز الدین ہیں اور یہ دونوں بھائی حقیقی، پسران شہاب الدین ثانی ہیں۔ دونوں بھائیوں کی اولاد مانک پور، رسول پور، مصطفیٰ آباد، اونچا گاؤں میں آباد ہے۔ قیام پاکستان کے بعد اکثریت اب دور دراز کے ملکوں تک پہنچ گئی ہے۔

تمام تحقیق کے بعد ساداتِ گردیزی مانک پور کے دوبارہ عروج کا باعث یہی دو برادرانِ حقیقی قاضی سید شرف الدین اور راہے سید اعز الدین ہیں۔

کتاب ”آئینہ اودھ“ اور تاریخ مانک پور کے مصنفین تحریر کرتے ہیں کہ:-

”حضرت مخدوم سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت (سادات بخاری نقوی) بزمانِ سلطان محمد تغلق قریب ۷۵۸ھ میں مانک پور تشریف لائے تھے۔ آپ خاندانِ ساداتِ گردیزی میں مدعو ہوئے تھے۔ سید شرف الدین اور سید اعز الدین برادرانِ حقیقی کو دیکھ کر کہ لباس اُن کا درویشانہ تھا اور سپاہانہ اسلحہ بدن پر آراستہ کیے ہوئے تھے۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے سوال کیا کہ درویشی راہا اسلحہ چکار؟ تب دونوں بھائیوں نے عرض کی کہ قوم سوم بنسیناں پر تاب گڑھ ہماری زمینداری کو تباہ و تاراج کرتے ہیں اس لیے ہم اُن کے برسرِ مقابلہ و مجادلہ رہتے ہیں۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے فرمایا کہ ”مرحبا شرف الدین غازی ہمیشہ ہر کفار غالب خواہد شد“ اور اے اعز الدین راجی یعنی امیدوار غرویہ بعد چند روز کے سرکارِ دہلی سے سید شرف الدین کو عہدہ قاضی عطا ہوا اور سید اعز الدین کے علاقہ زمینداری کو ترقی ہوئی اس باعث سے اُن کو خطاب راہے بیائے مجہول عنایت ہوا۔

مولانا سید محمد ابوالحسن شاہ مانک پوری ”آئینہ اودھ“ میں لکھتے ہیں:-

”جب خبر رونق افروزی مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی قوم ساداتِ گردیزی کو

معلوم ہوئی اس وقت سید شرف الدین و سید اعز الدین فرزند ان و سجادہ نشینان سید شہاب الدین گردیزی بہ کمال زہد و تقویٰ و علم ظاہر و باطن آراستہ و پیراستہ تھے مع اپنی قوم کے مخدوم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ باعزاز و اکرام تمام اپنے مکان پر لا کر شرائط مہمان داری و نیاز مندی جیسا کہ چاہیے بجالائے۔ کوئی امر فرو گزاشت نہ کیا بہ وادید اس حسن خدمت کے مخدوم صاحب بہ درجہ خوش ہوئے اور استفسار فرمایا کہ تم لوگ قوم سادات عظام سے ہو تم لوگوں میں بعض کو مسلح باسلام حرب سپاہ اور بعض کو باخرقہ درویشاں دیکھتا ہوں اس کا کیا باعث ہے۔ سید شرف الدین و سید اعز الدین نے بہ کمال ادب عرض کیا کہ بہ وجہ طائف الملوکی زمینداری و تعلق داران قوم ہنود بہ حالت غفلت مسلمانوں پر تاخت لاتے ہیں اور نہایت اذیت پہنچاتے ہیں لہذا مجرم احتیاط ہر ایک شخص کو ہماری قوم میں ہتھیار بند رہا کرتا ہے۔ مخدوم صاحب نے دونوں صاحبوں کو اپنی طرف مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ آج کے روز سے اے اعز الدین تم کو راجہ کیا اور اے شرف الدین تم کو عہدہ قضا عطا کیا، اب کسی متمر و کا ہاتھ تم لوگوں پر نہ پہنچے گا مگر شرط یہ ہے کہ جب تک تم اور فرزند ان تمہارے بہ مذہب و ملت آباؤ اجداد خود رہ کر اتباع کتاب اللہ و رسول کی کرو گے تو یہ دونوں خدمت تمہاری انتزاع نہ ہوگی بقول مولوی معنوی

آں دعا از ہفت گردوں در گذشت

اور وقت رخصت مخدوم صاحب کے تا سرحد پر گئے پرتاب گڑھ دونوں برادران موصوفین ہمراہ گئے جس وقت مخدوم صاحب سے رخصت ہونے لگے اس وقت مخدوم صاحب نے فرمایا کہ یہی سرحد تمہارے راج کی ہے۔ اس تاریخ سے برکت انفاس مخدوم صاحب ترقی قوم گردیزیان کی شروع ہوئی۔ بعد زوال سلطنت خاندان شمسہ بہ



وجہ بعدِ مسافت مانک پور کے مقامِ دہلی سے کوئی سلاطین متوجہ حالاتِ ساداتِ مانک پور کا نہ ہوا تھا جب کہ سلطنتِ مجددی جو پور بہ وجہ عظمت و لیاقتِ ساداتِ متوجہ حالاتِ ساداتِ گردیزی کے زیادہ ہوئے اوّل زمینداری و جاگیر و معافی و متروکہ و مملوکہ قومِ دامغانیان بوجہ تباہی اُن لوگوں کے عطا ہوئی اس کے بعد بعدہ ہائے جلیلہ علیٰ قدر مراتب ممتاز ہوتے گئے یہاں تک نوبت پہنچی کہ تھوڑے عرصے میں تمام تحصیل گوئدہ پر جس میں چار پرگنہ نصف تحصیل سلون جس میں دو پرگنہ تھے بطور زمینداری و جاگیر و معافی کے قابض ہوتے گئے اور تازمانِ سلطنتِ فرخ سیر بادشاہ برابر ترقی پاتے رہے اور کثرتِ اس قوم کی اس درجہ ہوئی کہ پانچ بستیاں ان سے آباد ہو گئیں۔ مانک پور، بازید پور، رسول پور، مصطفیٰ آباد، اونچا گاؤں، اب ان بستیوں میں ویسی کثرتِ ساداتِ گردیزی نہیں ہے جیسے پہلے تھی اور جیسے نامی گرامی سادات ان بستیوں میں گزرے وہ اپنی مثال آپ تھے۔

(”آئینہ اودھ“ صفحہ ۱۷۸ و ۱۷۹)، مطبوعہ نظامی پریس کانپور ۱۳۰۳ھ)

مانک پور میں شیوخِ صدیقی دامغانی کثرت سے آباد تھے لیکن زمانہ گزرا کہ اب اُن کا وہاں نام و نشان نہیں ملتا۔ علاء الدین خلجی بادشاہِ دہلی کے عہدِ حکومت میں شیوخِ صدیقی شہرِ دامغان (ایران) سے آکر مانک پور میں آباد ہوئے تھے لیکن جہانیاں جہاں گشت کی بددعا سے اُن کا زوال ہوا۔ اُن کا زوال ہی سادات کے عروج کا سبب ہوا۔ مثنیٰ عبد اللہ قیس مانک پوری ”تاریخِ کڑا مانک پور“ میں لکھتے ہیں۔

”حضرت جہانیاں جہاں گشت نے شیوخِ دامغانی مانک پور کو بد دعا دی تھی اسی لیے وہ قوم تباہ ہو گئی۔ خلجی بادشاہوں نے مانک پور میں انہیں بڑی بڑی جاگیروں سے نوازا تھا اور حکومت میں وہ بڑے

بڑے عہدوں پر ممتاز ہوئے اور اکثر پایہ وزارت پر پہنچ گئے تھے۔  
 قوم دامغانی شیوخ صدیقی کی ثروت کا ایک نمونہ یہ تھا کہ نوسو نو ای  
 پانچ لکھ نیشن ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے کہ جہانیاں جہاں گشت  
 وارد مانک پور ہوئے، شیوخ میں سے کسی نے گستاخی کی تھی، اُن کا  
 جاہ و جلال دیکھ کر حضرت مخدومؒ نے فرمایا کہ ملک الموت کا گزر اس  
 قوم میں نہیں ہوا، یہ کلمہ گویا پیغام اجل تھا، دیکھتے ہی دیکھتے موت کا  
 بازار گرم ہو گیا جس کی قضا دامن گیر تھی وہ لقمہ اجل ہو گیا بقیہ لوگ  
 اپنی جانیں لے کر مانک پور کو خیر باد کہہ کر رخصت ہو گئے۔ ان  
 بیانات کی صداقت قوم شیوخ صدیقی دامغانی کے دستور العمل سے  
 ہوتی ہے کیونکہ یہ لوگ اب مانک پور میں بود و باش نہیں رکھتے ہیں۔  
 اتفاقاً بیر و نجات سے یہاں آ بھی جاتے ہیں تو دن بھر یہاں رہتے  
 ہیں اور شام کو حدود قصبہ مانک پور سے چلے جاتے ہیں اور کہتے ہیں  
 کہ شب باش ہونا ہمارا باعثِ ہلاکت ہے عارضۂ در و سرائق ہو جاتا  
 ہے۔ علاوہ اس کے خاندانِ ساداتِ گردیزی قصبہ مانک پور میں  
 آباد ہے ان بیانات کی تصدیق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بعد تباہی  
 شیوخ صدیقی دامغانی، مخدوم جہانیاں جہاں گشت خاندانِ سادات  
 گردیزی میں مدعو ہوئے تھے اور بہ برکت دعا عہدہ قاضی سید شرف  
 الدین اور راجے کا خطاب سید اعز الدین کو حکومتِ دہلی سے عطا ہوا تھا۔

(بحوالہ تاریخ کڑا مانک پور صفحہ ۱۹۷ مطبوعہ قیصر ہند پریس الہ آباد ۱۹۱۶ء)

ساداتِ گردیزی ”قاضی زادگان“ رسول پوری:

موزنیں اس بات پر متفق ہیں کہ ساداتِ گردیزی مانک پور کے دوبارہ عروج کا



باعث یہی دو برادران حقیقی قاضی سید شرف الدین جو عہدہ قضا (عدالت) پر بادشاہ سلطان محمد تغلق (دور حکومت ۷۲۵ھ تا ۷۵۲ھ بمطابق ۱۲۲۱ء تا ۱۲۵۲ء) کی طرف سے مامور تھے۔ قاضی صاحب موصوف سید محمد شہاب الدین گردیزی کی ساتویں پشت میں تھے۔ قاضی سید شرف الدین کی اولاد ”قاضی زادگان“ کے نام سے مشہور ہوئی۔

قاضی سید شرف الدین کی اولاد کو رسول پور میں جاگیرات و معافیات حاصل ہوئیں اس لیے ”قاضی زادگان“ مانک پور سے منتقل ہو کر قصبہ رسول پور میں مسکن گزریں ہو گئے۔ عہد شاہجہاں بادشاہ (دور حکومت ۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۸ھ بمطابق ۱۶۲۷ء تا ۱۶۵۷ء) میں جب خاندان ”راجے زادگان“ کا اقتدار زیادہ ہوا تو انھوں نے ”قاضی زادگان“ کی ملکیت خرید کر کے اُن کو مانک پور سے رخصت کر دیا۔

منشی عبداللہ قیس مانک پوری لکھتے ہیں:-

”قاضی شرف الدین اور اُن کی اولادِ قریب تر کا کوئی مقبرہ معروف مانک پور میں نہیں ہے شاید قاضی صاحب کو یا اُن کی اولادِ قریب تر کو جاگیر موضع رسول پور یا دیگر مقامات میں عطا ہوئی ہے اور یہی باعثِ علیحدگی مانک پور سے ہوا۔“ (بحوالہ ”تاریخ کڑا مانک پور“)

رسول پور ضلع رائے بریلی، قصبہ مانک پور سے جانبِ شمال بارہ ۱۲ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ سلطنتِ شرقیہ بجنور کے عہدِ حکومت میں قاضی سید شرف الدین گردیزی کی اولاد مانک پور سے منتقل ہو کر یہاں آباد ہوئی ہے اور قاضی سید عبدالرسول بن سید شمس الدین بن قاضی سید شرف الدین کے نام سے اس آبادی کا نام معروف ہوا ہے کیونکہ سب سے پہلے ”قاضی زادگان“ مانک پور سے ہجرت کر کے رسول پور میں آباد ہوئے اور بعد میں دوسرا گروہ ”راجے زادگان“ اور تیسرا گروہ ساداتِ گردیزی ساکنانِ موضع چھا

چھامیو یہاں آباد ہوئے۔ ان تینوں گروہوں کی اولاد اب تک رسول پور میں موجود ہے۔  
قاضی سید شرف الدین کے چار فرزند تھے:-

(۱) سید سیف الدین (۲) سید شمس الدین ثالث (۳) سید محمود (۴) سید حمزہ

سید مبارک

سید علی الدین

نواب سید غالب علی خاں عرف سید رجن

نواب سید غالب علی خاں عرف سید رجن:

(بعہد اکبر بادشاہ ۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ)

نواب سید غالب علی خاں عرف سید رجن رسول پور کی معروف شخصیت ہیں۔ آپ سید علی الدین کے صاحبزادے ہیں ”قاضی زادگان“ میں آپ مقتدر ہستی تسلیم کئے جاتے ہیں۔ آپ نے مانک پور کی جاگیریں ”راجے زادگان“ کے حوالے کر دی تھیں اور اپنا مستقر رسول پور کو بنالیا تھا۔ آپ کے چھ صاحبزادے تھے۔

نواب سید غالب علی خاں عرف سید رجن (قاضی زادگان رسول پور) (بعہد اکبر بادشاہ ۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ)  
۱۵۵۵ء ۱۶۰۵ء

سید نظام سید جمال سید محمود سید علی سید آدم سید پنجتن

سید قطب

سید عبدالغفور (بعہد جہانگیر بادشاہ ۱۰۱۴ھ تا ۱۰۳۶ھ)  
۱۶۰۵ء ۱۶۲۷ء

مورث اعلیٰ

گوردیزی سادات مصطفیٰ آباد

سید عبدالملک (بعہد شاہجہان بادشاہ ۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۸ھ)  
۱۶۲۷ء ۱۶۵۷ء



سید عبدالحق مورث اعلیٰ مصطفیٰ آباد:

بعد شاہجہاں بادشاہ ۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۸ھ:

سید عبدالحق صاحبزادے ہیں۔ سید عبدالغفور کے، آپ ”قاضی زادگان“ کی مشہور و معروف شخصیت ہیں۔ آپ شاہجہاں بادشاہ کے عہد میں منصب شاہی پر فائز تھے۔ رسول پور سے منتقل ہو کر مصطفیٰ آباد تشریف لائے۔ سید عبدالحق منصب دار شاہی تھے، انھیں مصطفیٰ آباد میں حکومت وقت کی طرف سے بڑی بڑی جاگیرات عطا کی گئی تھیں۔ انھوں نے مصطفیٰ آباد میں ایک حویلی اور مسجد تعمیر کروائی تھی۔ آپ کے دو فرزند تھے:-

(۱) سید معین الدین۔

(۲) سید نجم الدین۔

دونوں صاحبزادے تحصیل علوم کی غرض سے شہر دہلی میں تشریف لے گئے، دہلی میں سید نجم الدین نے شاہی مغل خاندان کی ایک خاتون سے عقد نکاح کر لیا۔ سید نجم الدین جب بعد اکتساب علوم مصطفیٰ آباد واپس آئے ان کے ہمراہ ان کی زوجہ ”ماہ پرور“ بھی وار مصطفیٰ آباد ہوئیں۔ کہتے ہیں کہ وہ اپنے ہمراہ بہت مال و دولت لائی تھیں۔ ”ماہ پرور“ کا مقبرہ مصطفیٰ آباد میں اب تک موجود ہے۔ اسی مقبرے میں بعض ان کی رشتہ دار خواتین اور سہیلیوں کی قبریں بھی ہیں ”ماہ پرور“ کے مقبرے سے متصل سید نجم الدین کا مقبرہ بوسیدہ ہو کر گر چکا ہے اور مقبرہ کا خوبصورت گنبد زمین پر بلے کی صورت میں پڑا ہوا ہے۔

سید نجم الدین نے ایک وسیع محل سرا اور اسی سے ملحق ایک وسیع عمارت ”دیوان خانہ“ تعمیر کروائی تھی، کہتے ہیں ”دیوان خانہ“ میں ان کا دربار لگتا تھا۔ یہ عمارت عرصے

سے عز خانہ ”دربارِ حسینی“ سے موسوم ہے۔ سید نجم الدین لا ولد وفات پا گئے۔ لیکن اس عز خانہ کی وجہ سے اُن کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا

سید معین الدین:

(بعہد اورنگزیب عالمگیر ۱۰۶۸ھ تا ۱۱۱۸ھ)

سید معین الدین صاحبزادے ہیں سید عبدالخالق کے آپ کی نسل مصطفیٰ آباد میں خوب پھولی پھلی۔ آپ کا عہد بادشاہ اورنگزیب عالمگیر دورِ حکومت ۱۰۶۸ھ تا ۱۱۱۸ھ بمطابق ۱۶۵۷ء تا ۱۷۰۷ء کا ہے۔ مصطفیٰ آباد کے محلہ ”پھانک بھیت“ کے کل سادات آپ کی نسل میں ہیں۔

سید معین الدین کا مقبرہ تالاب کے کنارے باغ سید محمد تقی کے سامنے آج بھی موجود ہے۔ اب یہاں پر اسکول تعمیر ہو چکا ہے۔ قبرستان کی زمین کسی حد تک محفوظ ہے۔ سادات مصطفیٰ آباد اگر تعلق رہے، زمین پر قبضہ ہو جائے گا۔ سید معین الدین کے مقبرہ پر اسکول کے عملہ نے قبضہ کر رکھا ہے۔ یہ قبرستان سید معین الدین کی اولاد میں سید حضرت بخش کی ملکیت میں شامل ہے۔ سید حضرت بخش کے صاحبزادے سید بخش حسین عرف کٹو میاں کی قبر، سید معین الدین کے مقبرے کے سامنے اب بھی موجود ہے۔

سید عظیم الدین:

سید عظیم الدین صاحبزادے ہیں۔ سید معین الدین کے۔

سید معین الدین کے دو صاحبزادے تھے۔

(۱) سید عظیم الدین۔

(۲) سید دولائی میاں۔

سید دولائی میاں لا ولد رہ کر وفات پا گئے۔ ان کا مقبرہ لبِ سڑک بازار میں آج



بھی موجود ہے۔ اس مقبرے پر کچھ لوگوں نے قبضہ کر کے دوکانیں اور ہوٹل بنالیے ہیں۔ یہ ساداتِ مصطفیٰ آباد کی غفلت کا نتیجہ ہے۔ بزرگوں کی یادگاروں کو محفوظ نہ رکھ سکے۔

سید عظیم الدین کے فرزند سید امین الدین تھے اور سید امین الدین کے فرزند سید محمد عیسیٰ تھے۔

سید محمد عیسیٰ کے دو نامور فرزند تھے۔

(۱) سید محمد یلین۔ (۲) سید غلام میر علی عرف بابو میاں۔

دونوں برادرانِ حقیقی کی اولاد سے مصطفیٰ آباد کے محلہ ”بھانک بھیت“ میں آٹھ خاندان کا سلسلہ قائم ہوا۔ سید محمد یلین کے چار فرزند تھے اور سید غلام میر علی عرف بابو میاں کے بھی چار فرزند تھے۔

اس سلسلہ خاندانِ گردیزی میں نامی گرامی اشخاص گزرے ہیں۔ خصوصاً حسن صورت و ذکاوت اور خاندانی شجاعت و تہور اس خاندان کی مشہور و معروف ہے۔ عہدِ شاہانِ اودھ میں بھی یہ خاندان مشاہیر روزگار سے تھا۔ علم و ادب میں بھی یہ سادات پورے اودھ میں مشہور و معروف تھے۔

آصف الدولہ نوابِ اودھ کے عہد میں سید محمد یلین اور سید غلام میر علی عرف بابو میاں دو برادرانِ حقیقی کی اولادِ مصطفیٰ آباد کے محلہ ”پھانک بھیت“ میں پروان چڑھی۔

سید محمد یلین کے چار فرزند تھے۔

۱۔ سید فرزند محمد عرف بابو میاں ۲۔ سید بر علی ۳۔ سید امام بخش ۴۔ سید علی بخش

سید غلام میر علی بابو میاں کے چار فرزند تھے:-

۱۔ سید غلام مخدوم ۲۔ سید حضرت بخش ۳۔ سید الہی بخش ۴۔ سید قدرت علی

دونوں خاندانوں کا سلسلہ نسب اور اولاد کی تفصیلات درج کی جاتی ہیں۔

## حضرت امام علی نقی علیہ السلام

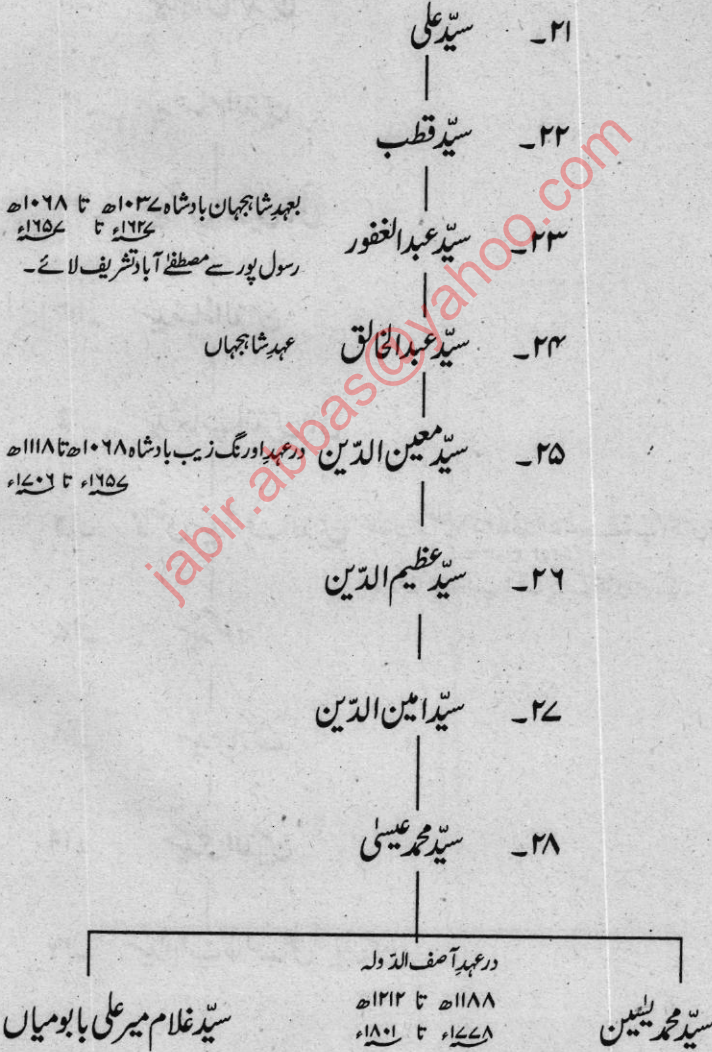
- ۱۔ سید جعفر الذکی ————— مدفون بہ ارض سامرہ (عراق)
- ۲۔ سید طاہر ابوالقاسم ————— مدفون بہ ارض سامرہ (عراق)
- ۳۔ سید محمد ابو موسیٰ بغدادی ————— مدفون بہ ارض بغداد (عراق)
- ۴۔ سید ابوطالب حمزہ ————— مدفون بہ ارض بغداد (عراق)
- ۵۔ سید محمد عسکری ————— انقلاب زمانہ کی وجہ سے بغداد سے ہنزوار ہجرت کر گئے۔
- ۶۔ سید امیر حمزہ ہنزواری ————— ہنزوار سے ہجرت کرتے ہوئے افغانستان میں قیام پذیر ہوئے، ہنزوار سے آنے کی وجہ سے ہنزواری کہلائے
- ۷۔ سید حسن نظام الدین غزنوی ————— قصبہ گردیز مضافات غزنی میں آکر اقامت گزریں ہوئے اور اپنے عالیٰ نبی، وجاہت و شجاعت کی بناء پر سلطان محمود غزنوی کے مقرب خاص اور غمگسار ساتھیوں میں شامل ہوئے اور اس کی فوج میں فوجی سپہ سالار کی حیثیت سے غزوات ہند میں شریک ہوئے اور لشکر کے ہمراہ ہندوستان آتے جاتے رہے۔ آپ کی درگاہ گردیز میں ہے۔
- ۸۔ سید عیسیٰ باقر عالم ربانی
- ۹۔ سید زین الدین حسن ————— آپ کی شہادت فتنہ چنگیز خاں کے سبب مقابلاً کرتے ہوئے ہوئی۔ آپ کی درگاہ گردیز میں مرجع خلافت ہے۔
- ۱۰۔ سید محمد شہاب الدین گردیزی ————— والد کی شہادت کے بعد اپنے دو بھائیوں کے ساتھ گردیز سے ہجرت کر کے اپنے ماموں سید جمال الدین یوسف شاہ گردیز کی خدمت میں ملتان تشریف لائے۔ ماموں کے زیر نگرانی تعلیم ہوئی بعد میں ہجرت کر کے مائیک پور تشریف لائے۔ آپ کا مقبرہ مائیک پور میں ہے۔



## سید محمد شہاب الدین گردیزی

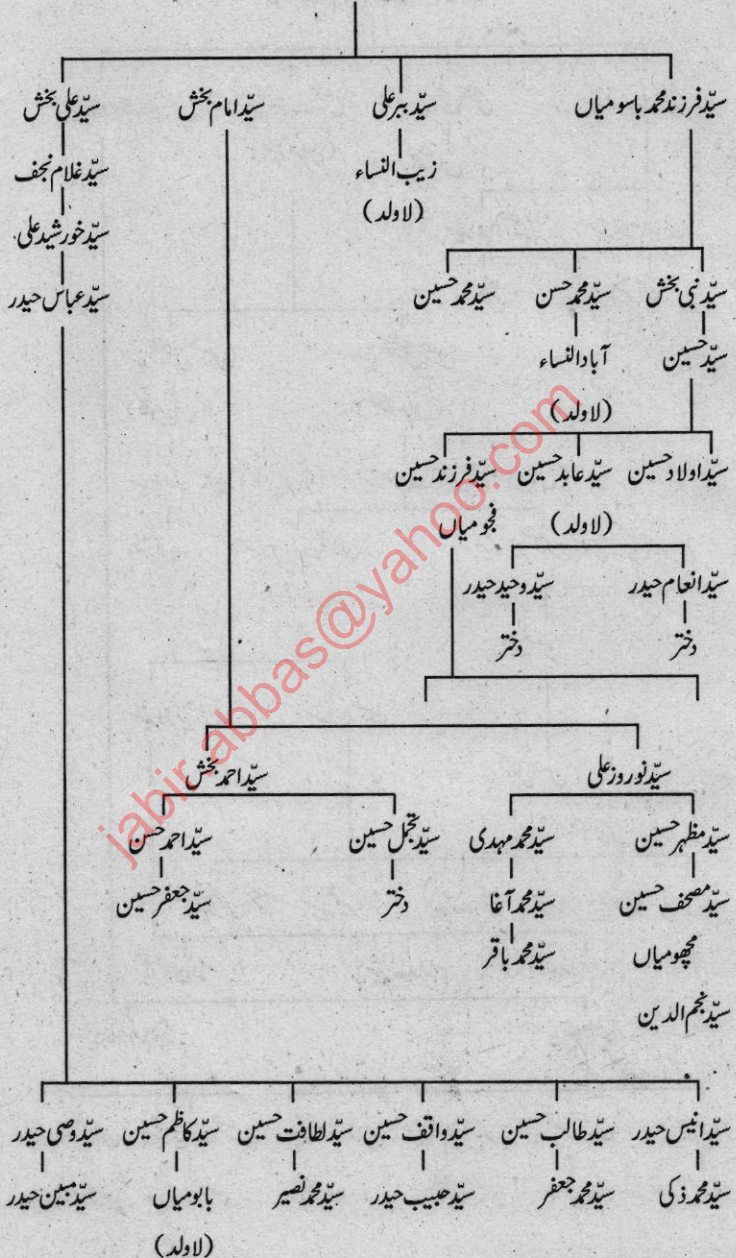
- ۱۱۔ سید جلال الدین
- ۱۲۔ سید حسام الدین
- ۱۳۔ سید شمس الدین ثانی
- ۱۴۔ سید ضیاء الدین
- ۱۵۔ سید شہاب الدین ثانی
- ۱۶۔ قاضی سید شرف الدین سلطان محمد تعلق (۷۲۵ھ تا ۷۳۲ھ) نے آپ کو قاضی کا عہدہ عطا کیا اور آپ مائتک پور کے قاضی ہوئے۔  
(۱۲۲۵ء تا ۱۲۵۲ء)
- ۱۷۔ سید محمود
- ۱۸۔ سید مبارک
- ۱۹۔ سید علی الدین
- ۲۰۔ سید نواب غالب علی سید رجن

## سید نواب غالب علی عرف سید رحمن





سید محمد حسین



سید غلام مخدوم

سید حضرت بخش (چیتو میاں)

سید الہی بخش

سید قدرت علی

سید بخش حسین (گلو میاں)

سید بخش حسن (نچکو میاں)

سید امداد حسین

دختران

دختر

سید ذاکر حسین (ذکا میاں)

سید عنایت حسین (انتو میاں)

دختران

سید دیانت حسین (دو میاں)

سید اکبر حسین

سید وزیر حسن

سید ظہیر حسن

سید صغیر حسن

سید شہناز پروین نسرین

سید تنویر اختر

سید حسن اختر

سید عابد امام

سید حسن امام

سید غلام حیدر

سید غلام امام

سید علی عباس

سید غفر حسین

سید محمد جانی حسین

سید صغیر حسین

سید علی حجاج

سید لیاقت حسین

سید جاوید حسین

سید خدام حسین

(نچکی میاں)



سید بخشش حسین عرف گلو میاں

سید بخشش حسن عرف چنگو میاں

سید ذاکر حسین عرف دکا میاں

سید عنایت حسین عرف انتو میاں

امام باندی عرف اتابی بی

سید وزیر حسن

سید غلام امام

سید عابد امام

سید حسن امام

سید علی عباس (کراچی)

سید قائم رضا (کراچی)

سید ناصر عباس (کراچی)

سید حیدر مہدی (کراچی)

سید عاصم امام (کراچی)

سید ظہیر حسن

سید موسیٰ عباس (کراچی)

سید محمد حسن اختر

سید تنویر اختر

سید ظفر عباس (لندن)

کرن (امریکہ)

سید علی محمد (امریکہ)

شمن (امریکہ)

ایمن (امریکہ)

<http://fb.com/ranajabirabbas>



خاندانِ سید حضرت بخش ابن سید غلام میر علی عرف بابو میاں ابن

سید محمد عیسیٰ ابن سید امین الدین

تفصیلی حالات:

سید حضرت بخش نقوی الگردیزی، سید غلام میر علی عرف بابو میاں کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ کی عرفیت چیتو میاں تھی۔ غالباً چیت کے مہینے میں ولادت ہوئی تھی اس لیے یہ عرفیت قرار پائی ہندی مہینوں میں چیت کا مہینہ موسم بہار کا مہینہ ہوتا ہے۔ ٹیسو اور ڈھاک، کنیت اور گسمیان کے زرد زرد پھول اسی مہینے میں کھلتے ہیں۔ گلاب کے پھولوں پر بھی مکمل بہار آ جاتی ہے۔ آم کی ڈالیوں پر بھی کوئل کو کے لگتی ہے:-

گیا پھاگن اب آیا چیت کا ماس مہینا چیت کا دن پھول کا باس  
کلی گلاب پھولی ہے چمن میں پھرے بن توڑتا مالی پھولن میں  
ہے چمن کے بیج مالی

لیے دوو ہاتھ میں پھولن کی ڈالی

سید حضرت بخش کی مبارک ولادت، آنے والی نسلوں کے لیے ایک بشارت تھی  
ماشاء اللہ بہار آئی اور یوں آئی کہ بقول میر انیس:-

”جو عنایاتِ الہی سے ہوا نیک ہوا

نام بڑھتا گیا جب ایک کے بعد ایک ہوا

سید حضرت بخش کا شجرہ نسب حضرت امام علی نقی علیہ السلام تک ۳۱ پشتوں پر منتہی ہوتا ہے۔ سید حضرت بخش ابن سید غلام میر علی ابن سید محمد عیسیٰ ابن سید امین الدین ابن سید عظیم الدین ابن سید معین الدین ابن سید عبدالحق ابن سید عبد الغفور ابن سید قطب

- لعل الله استجاب لي في كل ما اريد من الخير والبر  
- انما هو خير مما يظن به الانسان ولا يعلم الا الله اعلم  
- انما هو خير مما يظن به الانسان ولا يعلم الا الله اعلم

الحمد لله رب العالمين



دروازے پر سیاہ رنگ کیا گیا تھا۔ صدر دروازے کے بالمقابل ایک نیم کا چھتنا درخت تھا۔ درخت کی شاخیں آسمان سے باتیں کرتی تھیں۔ ایک ایک ڈالی کئی کئی من کی رہی ہوگی۔ تین ڈالیں مکان کے اوپر تک چھا گئی تھیں۔ دوسری جانب بقیہ ڈالیں ہندو بنیوں کے مکان تک چلی گئی تھیں۔ ہندوؤں کی پوری پوری برائیاں اس درخت نیم کے نیچے پڑاؤ ڈالتی تھیں۔ درخت کا اب نام و نشان موجود نہیں ہے۔ مکان کے دروازے کی شان اس نیم کے درخت سے دوبالا ہو گئی تھی۔ آج سے تیس<sup>۳</sup> برس قبل خاندان کے ایک فرد نے چند روپوں کی خاطر درخت کٹوا کر بیچ ڈالا تھا۔ درخت کٹنے کا افسوس بستی کے ہر شخص کو ہوا تھا۔

نیم کے درخت کے نیچے ایک کنواں بھی تھا، پہلے یہ پختہ کنواں بہت اچھی حالت میں تھا، پائپ لائن آنے کے بعد کنوئیں کی اہمیت ختم ہو گئی اس لیے اب بالکل کھنڈر ہو کر گر گیا ہے۔ یہ کنواں بھی حضرت بخش نے تعمیر کروایا تھا۔ مکان کے پچھواڑے دور تک کھیتوں کا سلسلہ تھا۔

صدر دروازے کے سامنے جو سڑک گزرتی ہے اس کے بعد بھی ایک زمین کا ٹکڑا سید حضرت بخش کی ملکیت تھا۔ صدر دروازے کے بالکل سامنے سے ایک سڑک تھانے تک جاتی تھی۔ مصطفیٰ آباد میں سادات کی بستی میں داخل ہوتے ہی یہ مکان سب سے پہلے ملتا ہے۔ گویا ”پھاٹک بھیت“ کا یہ پہلا مکان ہے جو دروازے سے نظر آتا ہے۔ ریل گاڑی پر بیٹھے ہوئے مسافر کو بھی یہ مکان ریل سے اُس وقت نظر آتا ہے جب ریل گاڑی اسٹیشن سے رائے بریلی کے لیے روانہ ہوتی ہے۔ سفید رنگ کے دو<sup>۲</sup> درمیانی ستون مکان کے حسن میں اضافہ کرتے ہیں۔

کہتے ہیں سید حضرت بخش کا مانجھا اسی مکان میں ہوا تھا۔ بعد میں انھوں نے آبائی

مکان چھوڑ کر اسی مکان کو آباد کر لیا تھا۔ آبائی مکان سید عبدالخالق کا بنوایا ہوا مکان سنگین تھا۔  
سید حضرت بخش کے صرف دو فرزند تھے:-

(۱) سید بخش حسین عرف کلو میاں اور (۲) سید بخش حسن عرف چھلو میاں

سید بخش حسین عرف کلو میاں:-

سید فرخ حسین (منڈوا سادات) سید عترت حسین (کراچی) کے تحریر کردہ  
شجروں میں آپ کا یہی نام اور عرفیت تحریر ہے۔

آپ کی پہلی شادی سید فرزند محمد کے خاندان میں آباد النساء بی بی بنت سید محمد حسن  
سے ہوئی تھی لیکن وہ لا ولد رہ کر انتقال کر گئیں۔ آپ کی دوسری شادی فرحت النساء  
عرف فرحت بی بی بنت سید دوست محمد عرف داس میاں (منڈوا سادات) سے ہوئی تھی۔  
آپ کی اولاد میں ایک فرزند سید ذاکر حسین اور دو صاحبزادیاں سیدہ بی بی اور چندرما  
بی بی تھیں۔

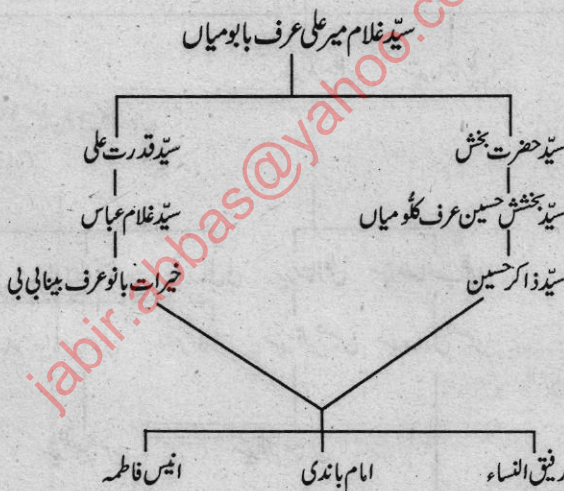
سید ذاکر حسین عرف ذکا میاں:

سید ذاکر حسین عرف ذکا میاں، سید بخش حسین عرف کلو میاں کے فرزند تھے۔  
آپ سید عنایت حسین کے سگے چچا زاد بھائی تھے۔ آپ کی صرف دو بہنیں سیدہ بی بی  
اور چندرما بی بی تھیں۔ دونوں بہنوں نے جائیداد کا حصہ نہیں لیا بلکہ بھائی کے نام ”ہبہ“  
کر دیا تھا۔ اس لیے سید حضرت بخش کی کل جائیداد اور مکان میں سید ذاکر حسین آدھے  
کے حق دار قرار پائے۔ آپ کے اولادِ مزینہ نہ ہونے کے سبب تمام جائیداد آپ کی منجھلی  
دختر امام باندی عرف اتابی بی کے حصے میں آئی۔

سید ذاکر حسین نہایت وجیہ، دراز قامت، خوبصورت اور پُر وقار انسان تھے، گورا  
رنگ، کتابی چہرہ، بڑی اور روشن آنکھیں، ابرو کشیدہ، چوڑی پیشانی، فنِ سوز خوانی میں



ماہر تھے۔ پیراک بھی بہت کمال کے تھے۔ آپ کے نواسے سید نہال حسین (منڈوا سادات) بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ مجھے لے کر منڈوے سے مصطفیٰ آباد آرہے تھے۔ میں چھوٹا سا تھا گنگا کے کنارے پہنچے تو پانی چڑھا ہوا تھا کشتی والے پار اُتارنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ اُنھوں نے مجھے کاندھے پر بٹھالیا اور پیرتے ہوئے دریا گنگا کے پاٹ کو پار کر لیا۔ سید ذاکر حسین کی شادی سید غلام عباس کی صاحبزادی خیرات بانو عرف مینا بی بی سے ہوئی تھی۔ دونوں کا شجرہ حسب ذیل ہے۔

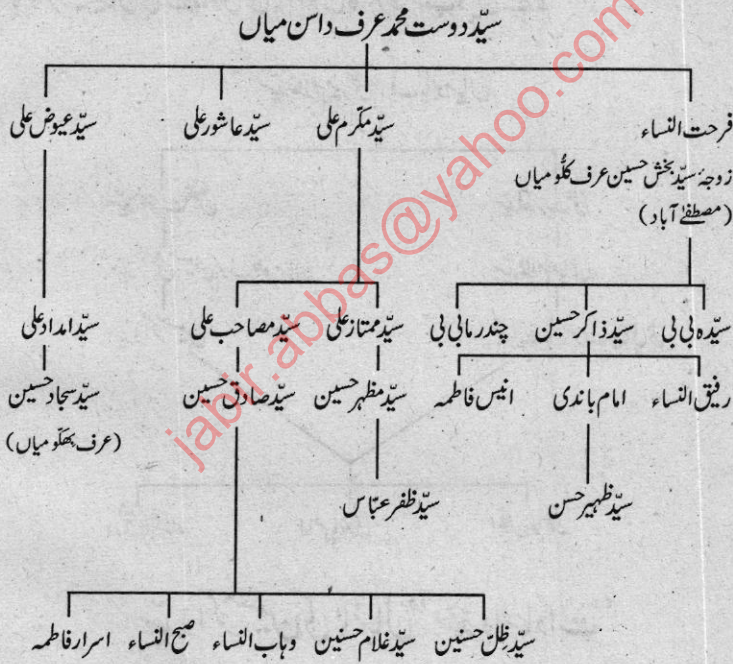


### سید ذاکر حسین کی نانہال ”منڈوا سادات“

سید ذاکر حسین دادھیال کی طرف سے خالص سادات مصطفیٰ آباد گردیزی ہیں لیکن نانہال کی طرف سے اصفہانی ہیں۔ آپ کی والدہ سید دوست محمد عرف داس میاں کی صاحبزادی تھیں۔ قدیم رشتے داریوں میں یہ پہلی قرابت داری ہے جو مصطفیٰ آباد اور منڈوا سادات میں قائم ہوئی تھی۔ سید ذاکر حسین کا نانہالی شجرہ حسب ذیل ہے:-

(۱) حضرت امام علی نقی علیہ السلام۔ (۲) سید حسین۔ (۳) سید قاسم۔ (۴)

سید ابراہیم - (۵) سید محمود - (۶) سید فخر الدین - (۷) سید جعفر - (۸) سید احمد  
 (۹) سید محمد - (۱۰) سید حسین - (۱۱) سید جان شاہ - (۱۲) سید احمد - (۱۳) سید  
 راجے بڑے - (۱۴) سید رجن - (۱۵) سید ملوک - (۱۶) سید احمد - (۱۷) سید  
 پیارے - (۱۸) سید نور محمد - (۱۹) سید شاہ محمد - (۲۰) سید کریم الدین - (۲۱) سید  
 ثناء اللہ - (۲۲) سید دوست محمد عرف داسن میاں -



سید ذاکر حسین کی اولاد میں صرف تین صاحبزادیاں تھیں۔ فرزند کوئی نہیں تھا۔

۱۔ رفیق النساء عرف رہٹا بی بی (زوجہ سید محمد علی عرف متا میاں) مصطفی آباد

۲۔ امام باندی عرف اتا بی بی (زوجہ سید دیانت حسین عرف دتو میاں)

۳۔ انیس فاطمہ عرف اچھوا بی بی (زوجہ سید ظن حسین عرف ظلو میاں)



## منڈ واسادات

سید ذاکر حسین کے چار نواسے ہوئے:-

۱۔ سید محمد حسن عرف ننھے میاں (رفیق النساء عرف رپٹھالی بی کے صاحبزادے)

۲۔ سید وزیر حسن

۳۔ سید ظہیر حسن { (فرزند ان امام باندی عرف ایتابی بی)

۴۔ سید نہال حسین (انیس فاطمہ عرف اچھو بی بی کے صاحبزادے)

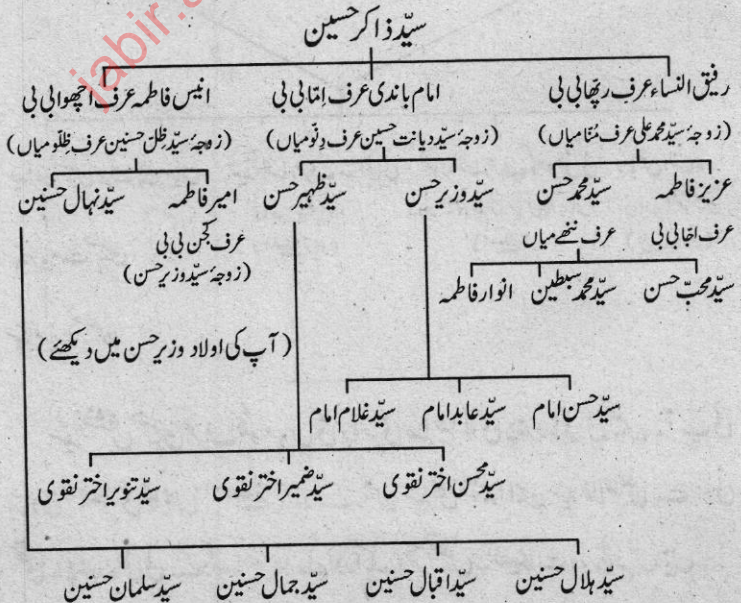
سید ذاکر حسین کی دو نوایاں تھیں:-

۱۔ امیر فاطمہ (انیس فاطمہ عرف اچھو بی بی کی صاحبزادی)

۲۔ عزیز فاطمہ (رفیق النساء عرف رپٹھالی بی کی صاحبزادی)

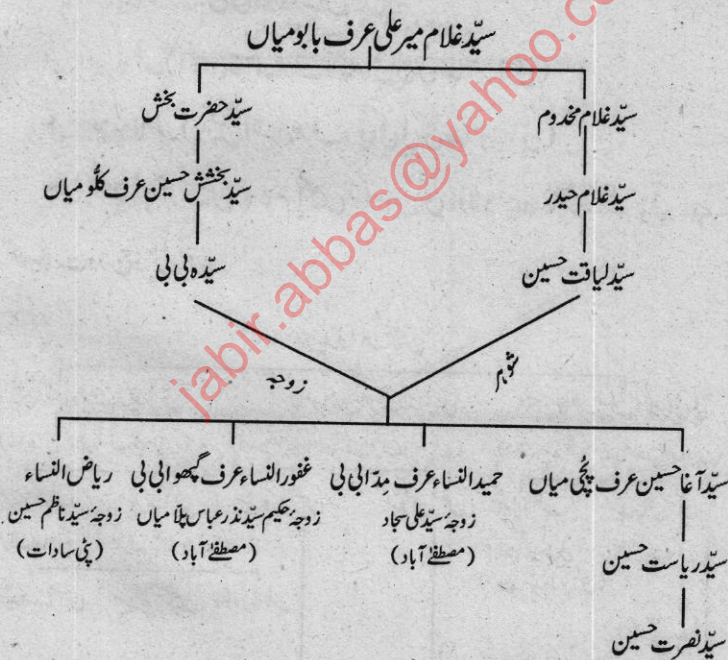
۳۔ سید ذاکر حسین کا نام انھیں نواسوں کی اولاد سے ماشاء اللہ باقی ہے۔

تفصیلات درج ذیل ہیں۔



سید بخش حسین عرف کلو میاں کی دو صاحبزادیاں تھیں۔

سیدہ بی بی کی شادی سید بخش حسین عرف کلو میاں نے اپنے سگے چچا زاد بھائی سید غلام حیدر کے فرزند سید لیاقت حسین سے کی تھی۔ یہ چھ بھتیہا کے مغلے بھائی تھے۔ سیدہ بی بی کی تین دختران اور ایک فرزند تھے۔ تفصیلات درج ذیل ہیں:-



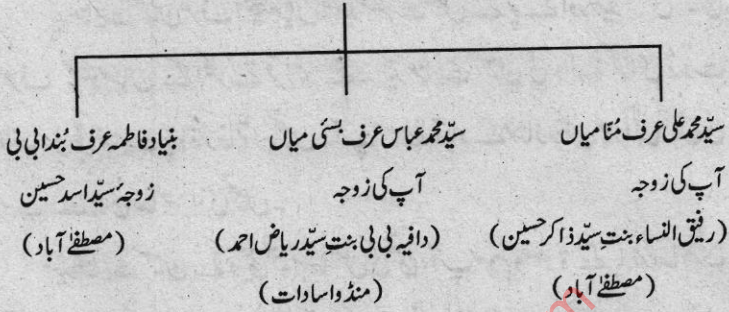
سید بخش حسین عرف کلو میاں کی دوسری صاحبزادی چندر مانی بی بی تھیں۔ آپ کی شادی ”بھتری گاؤں“ مصطفیٰ آباد کے رئیس سید علی مقتدا ابن سید غلام علی سے ہوئی تھی۔ چندر مانی بی بی کے دو صاحبزادے اور ایک دختر تھیں۔ تفصیلات درج ذیل ہیں:-



۳۰۵

## چندر مانی بی

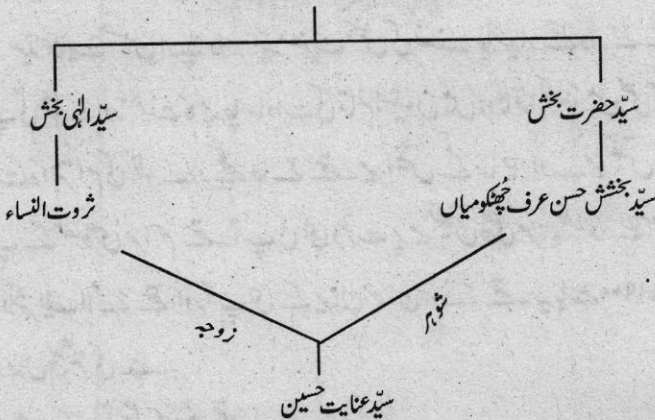
(زوجہ سید علی مقتدا بھڑی گاؤں مصطفیٰ آباد)



## سید بخش حسن عرف چٹکومیاں:

سید بخش حسن عرف چٹکومیاں سید حضرت بخش کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔  
آپ کی شادی سگے چچا سید الہی بخش کی بیٹی ثروت النساء بی بی کے ساتھ ہوئی تھی۔  
سید بخش حسن کے صرف ایک فرزند سید عنایت حسین عرف انتومیاں پیدا ہوئے  
سید حضرت بخش کی نسل سید عنایت حسین سے اب تک ماشاء اللہ باقی ہے۔

## سید غلام میر علی عرف بابومیاں



### سید عنایت حسین عرف انٹو میاں:

سید عنایت حسین عرف انٹو میاں، سید حضرت بخش کے پوتے اور سید بخش حسین عرف ٹھکومیاں کے اکلوتے فرزند تھے۔ سید عنایت حسین کی والدہ گرامی ثروت النساء بی بی نہایت پُر وقار خاتون تھیں۔ آپ مصطفیٰ آباد کے ممتاز رئیس میرا لہی بخش کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔

سید عنایت حسین نے دینی تعلیم حاصل کی تھی، آپ صوم و صلوٰۃ کے پابند صاحب تقویٰ اور نیک کردار تھے۔ اس لیے آپ کو احتراماً مولوی سید عنایت حسین کہا جاتا تھا۔ آپ نے پوری زندگی شرعی حدود میں رہ کر گزاری، ناچ گانے و دیگر عیش و عشرت اور لہو لعب سے آپ کو ہمیشہ نفرت رہی۔ اولاد کو وصیت کی تھی کہ ہمارے دروازے پر یا گھر میں کبھی ڈھول بجے اور نہ گانا بجانا کیا جائے، رقص و سرود کی محفل کبھی منعقد نہ کی جائے کہ یہ سب اسباب نحوست ہیں۔

سید عنایت حسین بلند قامت، سُرخ و سفید رنگ کے مالک تھے، نہایت شکیل، وجیہ اور خوبصورت انسان تھے۔ کشیدہ ابرو، آنکھیں بڑی بڑی اور نیل گول تھیں۔ مشہور ہے کہ گردیزی سادات کی یہ خاص پہچان تھی، گورارنگ اور نیل گول آنکھیں!!

سید عنایت حسین اپنے دادا سید حضرت بخش کی نصف جائیداد کے وارث تھے۔ آپ کی شہرت اور عظمت کا چرچا سادات کی تمام بستیوں میں ہوتا تھا، لکھنؤ میں بھی آپ عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ میرائیس کے صاحبزادے میر نفیس سے آپ کے خصوصی مراسم تھے۔ آپ کی ہی دعوت پر میر نفیس پہلی مرتبہ لکھنؤ سے مصطفیٰ آباد شریف لائے تھے، اور آپ ہی کے یہاں مہمان ہوئے تھے۔ یہ بات ۱۹۰۰ء سے چند برس پیشتر کی ہے۔

آپ کی چار سگی خالائیں تھیں:-



صحت النساء بی بی، فیاض النساء بی بی، سراج النساء بی بی اور بنی فاطمہ بی بی۔

آپ کے چار سگے خالہ زاد بھائی تھے:-

۱۔ سید مجتبیٰ حسین ۲۔ سید امیر حسین ۳۔ سید ناظم حسین ۴۔ سید احسان حسین۔

آپ کی نو سبکی خالہ زاد بہنیں تھیں:-

۱۔ ولی النساء عرف ولین بی بی ۲۔ آمنہ بی بی ۳۔ خدیجہ الکبریٰ عرف بھجوا بی بی

۴۔ سرفراز النساء عرف سقوا بی بی ۵۔ افضل النساء ۶۔ خیرات بانو عرف مینا بی بی

۷۔ بدر النساء ۸۔ علیم النساء ۹۔ غفور النساء۔

پٹی سادات کے امیر و کبیر شخصیت اور ممتاز رئیس میر خادم حسین کی صاحبزادی آباد

النساء بی بی سے عنایت حسین کی شادی ہوئی۔ جہیز میں خاصی بڑی جائیداد پٹی میں

میلی، خاصی بڑی رقم سالانہ آتی تھی۔

آباد النساء بی بی زوجہ سید عنایت حسین:

آباد النساء بی بی پٹی سادات کے رئیس سید خادم حسین کی سب سے بڑی

صاحبزادی تھیں۔ آپ کی دو بہنیں نیاز النساء اور امتیاز النساء تھیں، ایک بھائی واجد

حسین عرف وجامیاں لا ولد انتقال کر گئے۔ امتیاز النساء نے اپنے والد سید خادم حسین

کی حیات ہی میں انتقال کیا۔ سید خادم حسین کی وسیع جائیداد صرف دو بہنوں میں تقسیم

ہوئی۔ نصف کی مالک آباد النساء قرار پائیں اور نصف کی حصہ دار نیاز النساء ہوئیں۔

اس جائیداد کی تقسیم نے تینوں بہنوں کی اولاد میں رنجش پیدا کر دی تھیں۔ ان رنجشوں

کا سلسلہ عرصے تک قائم رہا۔

سید خادم حسین نے پٹی میں گنگا کے کنارے ایک شبیہ روضہ امام حسین علیہ السلام

”کربلا“ کے نام سے تعمیر کروائی تھی۔ یہ کربلا وقف تھی اور جائیداد کا کچھ حصہ کربلا کے

اخراجات سے متعلق تھا۔ سید عنایت حسین چونکہ سید خادم حسین کے بڑے داماد تھے اس لیے وہ ہی اوقاف کے متولی قرار پائے۔ سید عنایت حسین کی وفات کے بعد اُن کے فرزند اکبر سید دیانت حسین متولی ہوئے وہ سید خادم حسین کے نواسوں میں سب سے بڑے تھے اور ان کی انتظامی صلاحیت نہایت مستحکم تھی۔ سید دیانت حسین کے دیگر خالہ زاد بھائیوں کو یہ بات پسند نہ آئی، دلوں میں ایک طرح کی کدورت نے جگہ لے لی تھی۔ لیکن سید دیانت حسین صلح پسند کردار کے مالک تھے، ہمیشہ چھوٹے بھائیوں پر شفقت فرماتے رہے۔

سید عنایت حسین کی زوجہ آباد النساء بی بی زیادہ عرصے حیات نہ رہ سکیں، اُن کی اولاد ابھی کم عمر تھی کہ وہ ۲۸/۷/۱۸۸۷ء کو وفات پا گئیں۔

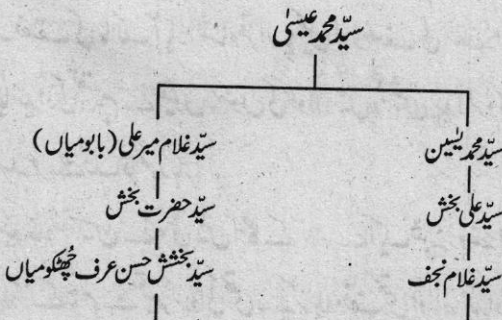
سید عنایت حسین کے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں:-

۱۔ سید دیانت حسین ۲۔ سید اکبر حسین ۳۔ اکرم النساء عرف اکا بی بی ۴۔

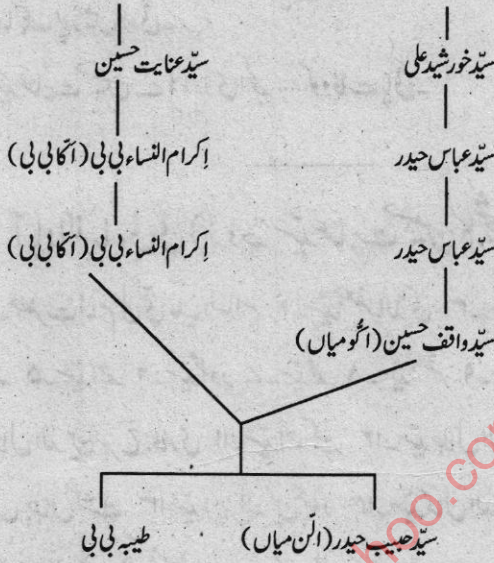
اسیر فاطمہ عرف اسیرن بی بی۔

سید عنایت حسین کی سب سے بڑی اولاد اکرام النساء عرف اکا بی بی تھیں۔ آپ بہت مدبر، عقل مند اور حسین و جمیل، نہایت پروقار اور بلند قامت خاتون تھیں۔ آپ کا

عقد سید واقف حسین عرف اگومیاں سے ہوا۔ شجرہ مندرجہ ذیل ہے:-







شادی کے بعد اکرم النساء عرف اگابی بی زیادہ عرصے زندہ نہ رہ سکیں دو چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر راہی ملکِ عدم ہوئیں۔ ایک فرزند سید حبیب حیدر عرف اگن میاں اور ایک بیٹی طیبہ بی بی۔

طیبہ بی بی بڑی اولاد تھیں، اُن کی پرورش نانہال میں ہوئی اور چچا سید انیس حیدر عرف اچھو میاں کے صاحبزادے سید محمد ذکی میاں سے شادی ہوئی۔

سید عنایت حسین کی دوسری اولاد سید دیانت حسین عرف دتومیاں تھے۔ ان کی شادی بھی خود والد نے کی اور ویشے میں میر نفیس کو لکھنؤ سے بلوا کر مجلس پڑھوائی تھی۔ سید دیانت حسین کی شادی سید عنایت حسین نے اپنے چچا زاد بھائی سید ذاکر حسین کی صاحبزادی امام باندی سے کی تھی۔

سید عنایت حسین کی آخری اولاد سید اکبر حسین تھے۔ ان کی سرپرستی بڑے بھائی سید دیانت حسین نے فرمائی اور ان کی شادی بھی بڑے بھائی نے کی۔ اکبر حسین کی

شادی مانگ پور میں ہوئی۔

سید عنایت حسین نے ۱۶ ذی الحجہ ..... کو وفات پائی۔

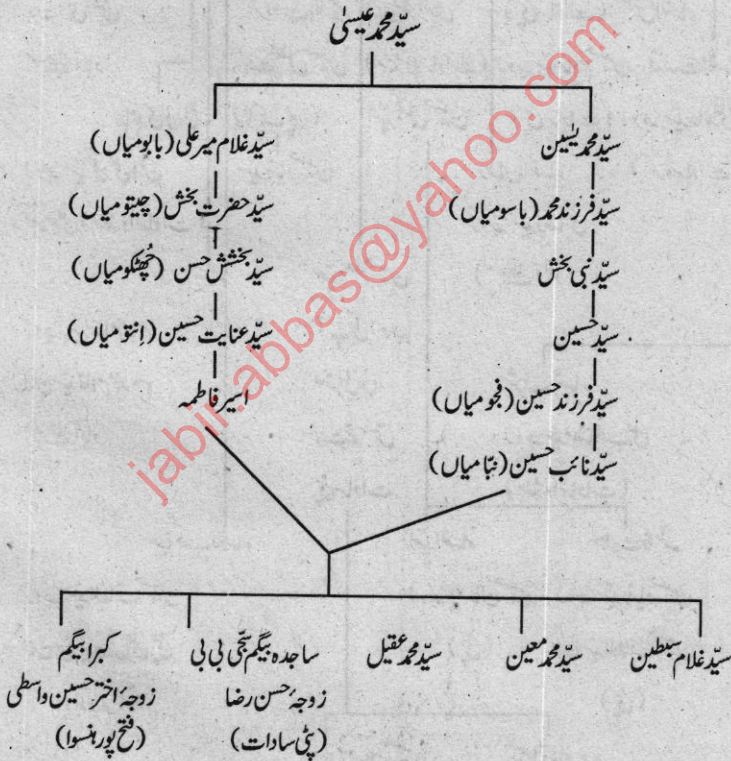
### آباد النساء بی بی (زوجہ سید عنایت حسین کا شجرہ نسب)

- ۱۔ حضرت امام علی نقی علیہ السلام ۲۔ سید جعفر الذکی ۳۔ سید علی اصغر ۴۔ سید  
عبد اللہ ۵۔ سید احمد ۶۔ سید محمود ۷۔ سید محمد ۸۔ سید جعفر ۹۔ سید علی ابوالموید ۱۰۔  
سید جلال الدین سرخ بخاری ۱۱۔ سید احمد کبیر ۱۲۔ سید جلال الدین حسین میر مخدوم  
جہانیاں جہاں گشت ۱۳۔ سید امیر الدین محمود ۱۴۔ سید کمال الدین ۱۵۔ سید سید محمد  
۱۶۔ سید عبدالوہاب (بانی پٹی سادات) ۱۷۔ سید عبداللہ ۱۸۔ سید سعد اللہ ۱۹۔ سید  
علاء الدین ۲۰۔ سید عماد ۲۱۔ سید غلام مرتضیٰ ۲۲۔ سید علی (سید علی نے دو شادیاں کی  
تھیں زوجہ اولیٰ سے آٹھ فرزند اور زوجہ ثانی سے چار فرزند تھے پٹی سادات میں یہی  
آٹھ گھر اور چار گھر آباد ہیں) ۲۳۔ سید تراب علی ۲۴۔ سید منگرے میاں ۲۵۔  
سید شاکر علی (آپ کی زوجہ فہم النساء بی بی بنت رکن الدین حسین اجوا تھیں) ۲۶۔  
سید بشیر علی (آپ کی شادی دھیابی بی بی بنت محمد ہاشم سادات کرہ سے ہوئی تھی)



[illegible]

سید عنایت حسین کی دوسری صاحبزادی اسیر فاطمہ کی شادی بھی سید دیانت حسین نے دھوم دھام سے کی تھی۔ بہت عظیم الشان جہیز، پاکلی اور گھوڑے سمیت دیا تھا۔ اسیر فاطمہ کی شادی سید نائب حسین عرف نبامیاں کے ساتھ ہوئی۔ دونوں کی مائیں سگی خالہ تھیں۔ آباد النساء کی بیٹی اسیر فاطمہ تھیں اور نیاز النساء کے فرزند سید نائب حسین تھے، دونوں کا دودھیالی شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے:-



### سید دیانت حسین عرف نبامیاں

سید دیانت حسین نے ۱۹۶۵ء میں وفات پائی۔ وفات سے ۲۵ برس قبل جب سید



واقف حسین عرف اٹو میاں اور سید مصحف حسین عرف چھو میاں کا انتقال ہوا تو مصطفیٰ آباد میں سید دیانت حسین پوری بستی کے بزرگ ترین شخصیت قرار پائے۔ مصطفیٰ آباد کے مسائل حل کرنے کے لیے تمام سادات اور دیگر قوموں کے افراد آپ کو اپنا بزرگ سمجھتے ہوئے اُن کے فیصلے کو حتمی فیصلہ قرار دیتے تھے۔ مصطفیٰ آباد کے اہم ترین واقعات کے موقع پر آپ کی ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی تھی اور اپنے مسائل لے کر سبھی اُن کے پاس آتے تھے۔ انھوں نے مصطفیٰ آباد کی سکونت کبھی ترک نہیں کی اگر کبھی بستی سے باہر گئے بھی تو چند دنوں کے لیے جاتے تھے۔ زیادہ تر پر تاب گڑھ رائے بریلی، لکھنؤ جایا کرتے تھے۔ قریب کی بستیوں میں پر یا نواں اور پٹی کے علاوہ کہیں اور نہیں جاتے تھے۔ آخر عمر میں مستقل قیام لکھنؤ میں تھا۔ اپنے چھوٹے فرزند سید ظہیر حسن کے پاس وزیر گنج میں رہے اور وفات سے دو تین برس پیشتر اپنے بڑے فرزند سید وزیر حسن کے اصرار پر کراچی (پاکستان) تشریف لے گئے۔ یہ سفر ملکِ عدم کا سفر ثابت ہوا اور یکم رجب ۱۲۷۱ھ کو اسی سرزمین پر انتقال کیا۔ کورنگی کے قبرستان میں تدفین ہوئی۔

سید دیانت حسین تقریباً ۱۷۵۷ء کو مصطفیٰ آباد میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سید عنایت حسین کی دوسری اولاد تھے۔ سید دیانت حسین سے بڑی اُن کی بہن اکرام النساء بی بی اکا بی تھیں۔ سید دیانت حسین کے بعد دوسری بہن اسیر فاطمہ عرف اسیرن بی بی تھیں، اُن سے چھوٹے ایک بھائی سید اکبر حسین تھے۔

سید دیانت حسین کی والدہ آباد النساء بی بی پٹی سادات ضلع فتح پور ہنسوا کے رئیس سید خادم حسین کی بیٹی تھیں۔ والدہ کا انتقال اُس وقت ہوا جب دیانت حسین کا بچپن تھا۔ والد کے زیرِ نگرانی تعلیم و تربیت ہوئی۔

(۳۱۴)

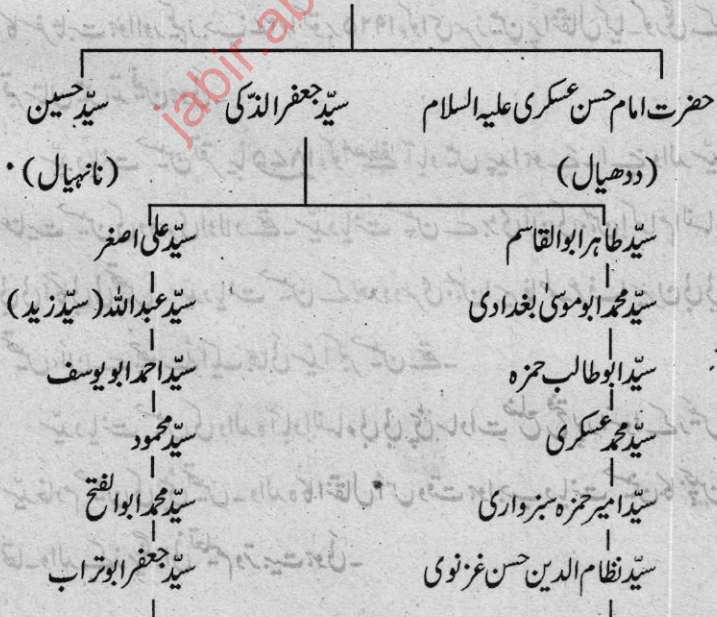
سید دیانت حسین کے نانا سید خادم حسین:

سید خادم حسین پٹی سادات ضلع فتح پور ہنسوا کے اکابرین میں ایک برگزیدہ ہستی اور تنہا ایک بڑی جائیداد کے وارث تھے جو نسلاً بعد نسل ان کے حصہ میں آئی تھی۔ آپ سید مظفر علی کے صاحبزادے ہیں۔

والدہ رحم النساء بی بی کوتلہ کے ایک رئیس کی دختر تھیں۔ میر خادم حسین صاحب کی شادی چچا سید نواز ش علی کی دختر نیک اختر شمس النساء بی بی سے ہوئی تھی۔ آپ کے ایک فرزند سید واجد حسین عرف وجامیاں نے لاؤدرہ کرا انتقال کیا۔ آپ کی وارث تین بیٹیاں تھیں۔ آباد النساء، نیاز النساء اور امتیاز النساء۔

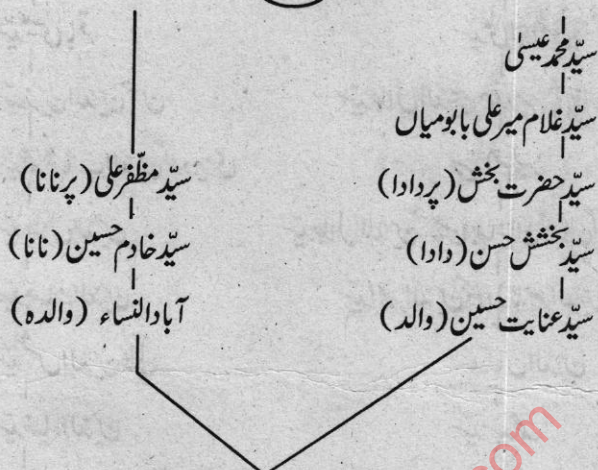
سید دیانت حسین، آباد النساء بی بی کے فرزند تھے۔ سید دیانت حسین کے دادا اور نانا کا شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے:-

حضرت امام علی نقی علیہ السلام





|                                      |                            |
|--------------------------------------|----------------------------|
| سید علی ابوالموید                    | سید عیسیٰ باقر             |
| سید جلال الدین حیدر سرخ بخاری        | سید زین الدین حسن          |
| سید احم کبیر                         | سید محمد شہاب الدین گردیزی |
| سید جلال الدین حسین جہانیاں جہاں گشت | سید جلال الدین             |
| سید امیر الدین محمود (ناصر الدین)    | سید حسام الدین             |
| سید کمال الدین                       | سید شمس الدین ثانی         |
| سید سید محمد                         | سید ضیاء الدین             |
| سید عبدالوہاب (بانی پی سادات)        | سید شہاب الدین ثانی        |
| سید سعد اللہ                         | قاضی سید شرف الدین         |
| سید عبداللہ                          | سید محمود                  |
| سید علاء الدین                       | سید مبارک                  |
| سید عماد الدین                       | سید علی الدین              |
| سید غلام مرتضیٰ                      | سید نواب غالب علی خاں رجن  |
| سید علی                              | سید علی                    |
| سید تراب علی                         | سید قطب                    |
| سید منگرے میاں                       | سید عبدالغفور              |
| سید شاکر علی                         | سید عبدالحق                |
| سید بشیر علی                         | سید معین الدین             |
|                                      | سید عظیم الدین             |
|                                      | سید امین الدین             |



۳۴۔ سید دیانت حسین

سید دیانت حسین کے نانا میر خادام حسین نے پٹی میں ایک مقدس عمارت ”کربلا“ کے نام سے ۱۲۶۶ھ مطابق ۱۸۴۹ء میں تعمیر کرائی تھی۔ یہ کربلا دریا گنگا کے کنارے اب بھی موجود ہے۔ اس عمارت کی تعمیر کو ایک سو تیس برس گزر چکے ہیں:-

عمارت کی تعمیر مکمل ہو چکی تھی، صرف پھانک رہ گیا تھا کہ میر خادام حسین دفعتاً انتقال کر گئے اور باقی کام آپ کی زوجہ (اور سید دیانت حسین کی نانی) شمس النساء بی بی نے پایہ تکمیل کو پہنچایا میر خادام حسین حسب وصیت پھانک کی ڈیوڑھی سے متصل اندرونی صحن میں دفن کئے گئے جس کے اوپر سے ہر سال علم اور تبرکات گزرتے ہیں۔ کربلا کی تاریخ روضہ خاص کی دیوار پر کچھ اس انداز سے کندہ ہے:-

صدقہ بتولِ پاک و شہِ مشرقین کا  
 خادمِ قدیم ہوں جو مزارِ حسینؑ کا  
 رکھنا عدوے دیں پہ مظفر علی مجھے!  
 سلطانِ کربلا کی زیارت نصیب ہو!

1244

سید دیانت حسین کی دعوتِ ولیمہ میں شرکت کے لیے جب میر نفیس لکھنؤ سے مصطفیٰ



آباد تشریف لائے تو سید عنایت حسین کی فرمائش پر میر نفیس نے پٹی کی اس کر بلا میں ایک مجلس پڑھی۔ میر نفیس نے کر بلا کے اطراف میں گھوم کر فی البدیہہ یہ شعر پڑھا تھا:-

اس کر بلا کو دیکھ کے ہوتا ہے یہ یقین!

خادم حسین واقعی خادم حسین تھا

کر بلا کی عمارت میر خادم حسین کی کمال عقیدت اور ذات حسین ابن علی علیہ السلام سے خصوصی لگاؤ کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اس کی زیارت کے لیے لوگ دور دراز سے آتے ہیں اور گو ہر مراد سے دامنوں کو بھر کے واپس جاتے ہیں۔ کوئی سائل آج تک اس آستانے سے خالی ہاتھ نہیں واپس ہوا۔

یہ کر بلا پٹی سادات کی بستی سے نصف میل کے فاصلے پر لب دریا گنگا واقع ہے۔ اس کی بنیاد دریا کی سطح سے تقریباً چاس فٹ کی بلندی پر واقع ہے اور اس کا رقبہ تینا دو ہزار مربع گز ہے۔ اس کی تعمیر میں استعمال ہونے والا تمام پتھر دریائے گنگا کی آبی شاہراہ کے ذریعے مرزا پور سے لایا گیا تھا۔ عمارت کے اندرونی برآمدے کی چوڑی اور طویل شہتیریں، سنگین ستون، چوکھٹ اور آستانے اور ان کی تراش خراش آج بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔

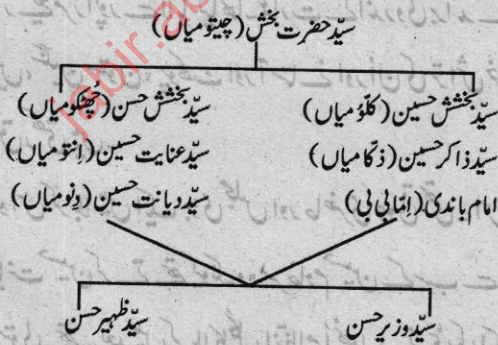
۸ محرم کو اس کر بلا میں ایک بڑی مجلس اور حاضری ہوتی تھی۔ اس مجلس کا تمام اہتمام سید دیانت حسین کرتے تھے کیونکہ وہ میر خادم حسین کے سب سے بڑے نواسے اور کر بلا کے متولی تھے۔ بعد میں کر بلا کا کل انتظام انھوں نے پٹی کی ایک انجمن کے سپرد کر دیا تھا۔ غالباً اسی انجمن کے زیر نگرانی اب بھی مجالس کا سلسلہ قائم ہے۔ سید دیانت حسین نقوی (عرفِ دو میاں) کے حالاتِ زندگی:

سید دیانت حسین ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بارہ برس کے بعد ۱۸۷۷ء میں پیدا

ہوئے تھے یہ وہ عہد تھا کہ بادشاہ اودھ واجد علی شاہ کو انگریزوں نے معزول کر دیا تھا وہ  
میاں برج کلکتہ میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے۔ سلطنت اودھ پر  
انگریزوں کا غاصبانہ قبضہ ہو چکا تھا۔ دہلی کی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور بہادر شاہ ظفر  
۱۸۶۲ء میں رنگون کے قید خانے میں وفات پا چکے تھے۔ ہندوستان میں انگریزی  
حکومت کا تسلط ہو چکا تھا۔

دنیاے شعر و ادب شباب پر تھی۔ میر انیس نے ۱۸۷۴ء میں اور مرزا دبیر نے  
۱۸۷۵ء میں وفات پائی۔ اب میر نفیس اور مرزا آج میدان مرثیہ گوئی کے شہسوار  
تھے۔ زمینداری اور تعلقہ داری قائم تھی۔

سید دیانت حسین ۲۲ برس کے ہوئے تو اُن کے والد نے اپنے سگے چچا زاد بھائی  
سید ذاکر حسین کی صاحب زادی امام باندی بی بی کے ساتھ اُن کی شادی کر دی مختصر  
شجرے میں یہ رشتے داری واضح ہو جاتی ہے:-



سید دیانت حسین کے کوئی سگے چچا یا سگی پھوپھی نہیں تھیں۔ قریبی رشتے دار قدیم  
وضع داریوں کی روشنی میں سگے سے بڑھ کر سمجھے جاتے تھے۔ برسوں ایک ہی گھر میں دو  
بھائیوں کی اولاد پروان چڑھتی رہتی تھی الگ ہونے کا تصور عیب سمجھا جاتا تھا۔ سید ذاکر



حسین اور سید عنایت حسین ہم جدی تھے۔ یہ سگے چچا زاد بھائی تھے۔ دیکھنے والے دونوں کو سگے بھائی سمجھتے تھے، ایک ہی گھر میں قیام تھا۔ سید ذاکر حسین کی بیٹیاں سید عنایت حسین کو چچا میاں کہتی تھیں۔ مکان کا آدھا حصہ سید ذاکر حسین کا تھا اور آدھے کے مالک سید عنایت حسین تھے۔

سید ذاکر حسین کے اولاد زینہ نہ تھی۔ تین بیٹیاں تھیں۔ نصف مکان کی حصہ دار تینوں برابر، برابر تھیں لیکن مکان کو بیچنا یا دیوار اٹھا کر حصے کر دینا اُس وقت کے تہذیبی معاشرے میں معیوب تھا۔ سید ذاکر حسین کے حصے کا نصف مکان امام باندی کے حصے میں آ گیا اور یوں پورا مکان سید دیانت حسین کا قرار پایا۔ باغات کی فصل کے موقع پر تینوں بہنوں کے حصے لگائے جاتے تھے۔ سید دیانت حسین کو اپنے نانا سید خادم حسین کی جائیداد کا نصف ترکہ بھی ملا۔ اُولو العزى کا اندازہ اُس زمانے میں جائیداد ہی سے لگایا جاتا تھا۔ اس لحاظ سے سید دیانت حسین مصطفیٰ آباد کے بڑے زمیندار اور رئیس سمجھے جاتے تھے۔

سید دیانت حسین کی ڈیوڑھی پر دو خصوصی خدمت گار ہمیشہ موجود رہتے۔ اُن کا وفادار اور سختی ملازم حسن اشرف اور اُس کا چھوٹا بھائی شکور جو ذات کے بھیجنا تھے عرصے تک اُن کی خدمت میں رہے۔ جوانی میں ملازم ہوئے اور بڑھاپے تک ڈیوڑھی سے وابستہ رہے۔ سید دیانت حسین کبھی بازار نہیں گئے اور نہ کسی دکان پر کسی قسم کا سودا سلف لینے گئے یہ باتیں رئیسوں کی شان کے خلاف تھیں۔ یہ تمام کام ملازمین انجام دیتے تھے۔ شکور کنویں سے پانی بھرتا تھا۔ گھر کی صفائی کرتا اور بازار سے سودا سلف لاتا تھا۔ جب گھر کے افراد مجالس میں جاتے تو یہ لاٹھی ہاتھ میں پکڑے ہوئے پیچھے پیچھے محافظت کرتا ہوا چلتا۔ مجالس میں باہر بیٹھ کر جو توں اور چپلوں کی رکھوالی کرتا تھا۔

گھر میں کھانا پکانے کے لیے ایک ملازمہ ٹھپٹکی نام کی تھی۔ گھر کے ایک ایک فرد کے لیے اُس کے دل میں جانے کہاں کی محبت تھی جس کا اظہار اُس کی خدمات اور زبان سے ہوتا رہتا تھا۔ اُس کے ہاتھ کی پکائی چپاتی روٹی کے لیے یہ جملہ مشہور تھا کہ ”کوئے کے کان میں باندھ دو تو لے کر اڑ جائے“ اتنی ہلکی روٹی ہوتی تھی۔

مصطفیٰ آباد والے بیٹیوں کی بہت قدر کرتے تھے۔ اُن کا رُعب اور دبدبہ شادی کے بعد بھی میکے میں برقرار رہتا تھا۔ جہیز دل کھول کر دیتے تھے لیکن جائیداد و جاگیر میں حصہ دار نہیں بناتے تھے۔ سید دیانت حسین نے بھی قدیم روایت کے مطابق اپنی چھوٹی بہن اسیر فاطمہ عرف اسپرن بی بی کی شادی اپنے خالہ کے بیٹے سید نائب حسین عرف نبا میاں کے ساتھ کی تو یہ شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ جہیز میں ضروریاتِ زندگی کی ہر شے دی تھی حد ہے کہ سجا ہوا گھوڑا اور گائے بھی جہیز میں دی گئی تھی لیکن شادی کے وقت یہ طے ہو گیا تھا کہ جیب خرچ دیا جائے گا لیکن جائیداد میں سے حصہ نہیں دیا جائے گا۔

اسیر فاطمہ عرف اسپرن بی بی جب خالہ کے گھر بہو بن کر پہنچیں تو وہاں غربت و عسرت کا عالم تھا۔ اُن کے سگے خالو اور خسر سید فرزند حسین عرف فوجو میاں اپنی ساری جائیداد اپنے چھ بیٹوں کی تعلیم کے سلسلے میں رہن رکھوا چکے تھے۔ زندگی گزارنے کے لیے رقم کی ضرورت تھی۔ سید نائب حسین اپنے بڑے بھائی سید عطا حسین کے بعد سب سے بزرگ تھے۔ دوسرے چھوٹے بھائی ابھی زیرِ تعلیم تھے۔ تمام بھائیوں نے مل کر بھابھ سے تقاضا کیا کہ اپنے باپ سید عنایت حسین کی جائیداد کا حصہ اپنے بڑے بھائی سید دیانت حسین سے طلب کرو۔ مجبوراً انھوں نے اپنے بڑے بھائی سے دریافت کیا۔ بھائی نے انکار کیا نوبت کورٹ کچہری تک پہنچی اور آخر ایک دلچسپ اور زوردار مقدمے



کا آغاز ہوا۔ مقدمہ دلچسپ اس لیے تھا کہ دو سنگے بھائی اور بہن یہ مقدمہ لڑ رہے تھے، جائیداد، زمین اور باغات کے لیے۔ سید دیانت حسین کے گواہوں میں نواب پریانواں احمد حسین خان بھی شامل تھے۔ مصطفیٰ آباد کے تمام سادات اُلجھن میں گرفتار تھے، کچھ افراد بھائی کے ساتھ اور کچھ بہن کے ساتھ تھے۔ اسیر فاطمہ عرف اسیرن بی بی مقدمہ ہار گئیں لیکن انھوں نے اپیل دائر کی اور دوسری مرتبہ وہ جیت گئیں۔ مقدمہ جیت کر انھوں نے سب سے پہلے اپنے خسر کی رہن رکھی ہوئی جائیداد چھڑوائی پھر اپنا مکان الگ تعمیر کروایا۔ جب تک مقدمہ چلتا رہا دونوں خاندانوں میں میل ملاقات ترک تھی۔ کچھ عرصے کے بعد بھائی اور بہن میں پہلے جیسی محبت قائم ہو گئی اور دونوں خاندان مقدمے کی تلخیاں بھول گئے۔ دونوں ایک دوسرے سے اتنی محبت کرتے تھے کہ بغیر ملے رہ بھی نہیں سکتے تھے۔

تمام رشتے داروں کے لیے سید دیانت حسین کی محبت اور شفقت بے پناہ تھی۔ اپنے چھوٹے بھائی سید اکبر حسین کو وہ بے انتہا چاہتے تھے۔ اسی طرح اپنے خالہ زاد بھائیوں میں سید عطا حسین، سید نائب حسین، سید محمد تقی اور دیگر بھائیوں سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ فیاض النساء عرف چھدا بی بی کی صاحبزادی ہاجرہ عرف جی بی بی اور سید محمد تقی کی صاحبزادی حبرن النساء عرف بہابی بی بی کو مثل بیٹیوں کے چاہتے تھے۔ اسیر فاطمہ کی دونوں بیٹیاں ساجدہ بیگم اور کبرا بیگم سگی بھانجیاں تھیں اور بھتیجی کلثوم بیگم بنت سید اکبر حسین کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ تمام بھتیجے اور بھتیجیاں اُن کو بڑے چچا کہتی تھیں۔ بھانجیاں اور بھانجے ماموں جان کہتے تھے۔ سید دیانت حسین کے دونوں فرزند اور چھوٹے بھائی کی اولاد، پوتے اور پوتیاں اُن کو بہتا کہتے تھے۔

سید دیانت حسین نقوی (عرفِ دو تومیاں) کی اولاد:

سید دیانت حسین کے تقریباً ۱۱۲ اولادیں پیدا ہوئیں لیکن صغریٰ میں سب نے انتقال کیا۔ ۱۲ میں صرف دو فرزند حیات رہے جن سے اُن کی نسل ماشاء اللہ سے باقی ہے۔ سب سے پہلے ایک فرزند سید الفت حسین تھے جنہوں نے صغریٰ میں انتقال کیا۔

بڑے بیٹے سید وزیر حسن ۱۵ اپریل ۱۹۰۵ء میں بمقام مصطفیٰ آباد پیدا ہوئے۔ چھوٹے بیٹے سید ظہیر حسن ۲ صفر ۱۹۱۰ء بمقام مصطفیٰ آباد پیدا ہوئے۔ دونوں بیٹوں کو تعلیم کی غرض سے رائے بریلی بھیجا پھر لکھنؤ میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھجوا دیا۔

سید دیانت حسین نے بڑے فرزند سید وزیر حسن کی شادی سید ظنِ حسین کی صاحبزادی امیر فاطمہ عرف کچن بی بی (منڈ واسادات) کے ساتھ جمعہ ۲۳ رجب ۱۹۲۹ء میں کی تھی۔ اُس وقت سید وزیر حسن کی عمر تقریباً ۲۵ برس کی تھی۔ بارات بہت دھوم دھام سے گئی تھی۔ بارات میں ہاتھی بھی گیا تھا۔ راستے میں دریائے گنگا کو کشتیوں کے ذریعے عبور کیا گیا۔ دعوتِ ولیمہ میں مولانا سید سبط حسن اعلیٰ اللہ مقامہ نے محفل پڑھی تھی۔

دوسرے بیٹے سید ظہیر حسن کی شادی سید ظفر عباس نقوی ایڈووکیٹ کی سب سے بڑی بیٹی محسنہ بیگم سے ۱۷ شعبان ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۳۵ء کو ہوئی۔ یہ بارات مصطفیٰ آباد سے سلطان پور گئی تھی۔ دعوتِ ولیمہ مصطفیٰ آباد ہوئی جس میں مولانا ابنِ حسن نونہروی اعلیٰ اللہ مقامہ نے محفل پڑھی تھی۔

سید دیانت حسین نے کل پوتے اور پوتیوں کو دیکھا بلکہ پر پوتے کو دیکھنے کے بعد



اُن کی وفات ہوئی۔

سید دیانت حسین کی اہلیہ امام باندی بی بی:

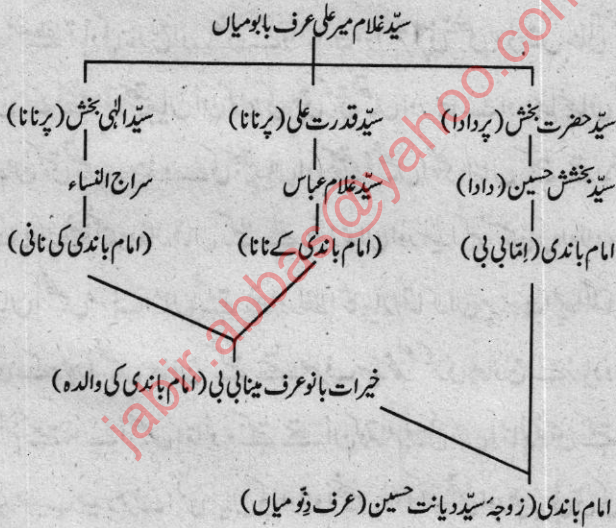
سید دیانت حسین انتہائی خوش قسمت انسان تھے۔ بیوی ملیں تو ایسی کہ پوری بستی میں اُن کا جواب نہ مل سکا۔ سید ذاکر حسین کی صاحبزادی امام باندی عرف اُمّابی بی نہایت نیک سیرت خاتون تھیں۔ حافظہ کمال کا تھا۔ مصطفیٰ آباد، منڈوا، پٹی، مانک پور، رسول پور، اونچا گاؤں اور سلون تک کے شجرے اور تمام رشتہ داریاں اُن کو زبانی یاد تھیں۔ مصطفیٰ آباد کی تاریخ اور ماضی کے واقعات وہ اکثر اپنی پیٹھی بولی میں سناتی تھیں۔ اُن کے بھتیجے اور بھتیجیاں اُن کو بڑی چچی کہتی تھیں اور بھانجے اور بھانجیاں اُنھیں میاں جان کہتی تھیں۔ منڈوے کی بھتیجیاں اور بھتیجے اُنھیں اچھی اماں کہتے تھے۔ خود ان کے سگے بھانجے اُنھیں خالہ اماں کہتے تھے۔ فرزند ان اور سید اکبر حسین کی اولاد، پوتے اور پوتیاں اُنھیں صرف اماں کہتے تھے اور لفظ اتا پیا را تھا کہ ان پر بہت اچھا لگتا تھا۔ اُن کے دیور اُنھیں بھالہ بھالہ کہتے تھے۔ صرف سید محمد عسکری بھالہ سے زیادہ بہن کا رشتہ مستحکم سمجھتے ہوئے اُنھیں اُمّابو بُو کہتے تھے۔ اُن کو تمام بھائی بہن اُمّابو بُو ہی کہتے تھے۔ سید حبیب حیدر عرف اَلن میاں کی اولاد اُنھیں دَدّا کہتی تھی اور طیبہ بی بی کی اولاد اُنھیں ننا کہتی تھی۔

قریبی رشتے دار ہو یا دور کا ہر ایک کے لیے اُن کے دل میں پر خلوص جگہ تھی۔ اُن کی محبت اور شفقت کا بیان تحریر میں بہت مشکل ہے کہ بیان کیا جاسکے۔ خاندان کی لڑکیوں کو جب وہ بڑی کہہ کر پکارتی تھیں تو ایسا محسوس ہوتا کہ شفقتوں کے بادل برس رہے ہیں گویا برشگال کی چندری فضا میں چن دی گئی ہے اور خاندان کے لڑکوں کو وہ چٹا کہہ کر مخاطب کرتی تھیں تو اُس وقت رحمت کے معنی سمجھ میں آ جاتے تھے۔ کیا میٹھا لہجہ تھا۔

(۳۲۲)

امام باندی کا دادھیال اور نانہیالی شجرہ نسب دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ خالص مصطفیٰ کی تھیں۔

لیکن اُن کی پھوپھیوں اور خالائوں اور ماموؤں کی طرف سے رشتے داریاں منڈوا سادات اور مانک پور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ انھیں پرانی سے پرانی رشتے داری بھی یاد تھی اور تمام رشتے دار اُن سے ملنے ضرور آتے تھے اب اُن کا شجرہ ماں اور باپ کی طرف سے ملاحظہ ہو:-



زیارت کر بلائے معلیٰ:-

سید دیانت حسین اور امام باندی بی بی کے چھوٹے فرزند سید ظہیر حسن کی شادی کے بعد تقریباً ۵۵ برس تک اولاد نہ ہوئی تو امام باندی بی بی نے طے کیا کہ کر بلائے معلیٰ جا کر حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضے پر بیٹے کے لیے اولاد طلب کروں گی۔

۱۹۳۹ء میں کر بلا جانے کے لیے ایک قافلہ تیار ہوا، سید ارتضیٰ حسین ابن سید مرتضیٰ



حسین (منڈ واسادات) اور اُن کی زوجہ حسینی بیگم بنت سید اشفاق حسین عرف گھوری میاں اور دیگر افراد مصطفیٰ آباد اور منڈ واسادات کے زیارات کے لیے روانہ ہوئے۔ اسی قافلے میں امام باندی بی بی اپنی دلی مراد لے کر قافلے کے ہمراہ ہوئیں۔ کربلا پہنچ کر انھوں نے صریح پکڑ کر امام حسینؑ سے اپنی دلی مراد مانگی۔ روضے سے واپسی پر جب قیام گاہ پر واپس آئیں شب میں آپ نے خواب دیکھا کہ ایک نورانی بزرگ فرماتے ہیں کہ ”فرزند ہوگا اُس کا نام طیب و طاہر رکھنا“۔ ایک سُرخ رنگ کا گنینہ اُن کو دیا کہ یہ اُس بچے کے گلے میں پہنا دینا“۔

دوسرے دن امام باندی بی بی روضہ امام حسین علیہ السلام پر حاضری دے کر باہر نکلیں تو زمین پر انھوں نے ایک سُرخ رنگ کا گنینہ پڑا ہوا دیکھا جیسا کہ خواب میں دیکھا تھا، وہ سُرخ گنینہ انھوں نے قافلے کے ایک بزرگ کو دے کر فرمایا کہ اعلان کروا دیجئے اگر یہ کسی کا گر گیا ہے آکر لے جائے۔ اعلان ہوا، ہر ایک نے یہی کہا کہ یہ ہمارا نہیں ہے، روضے کے خدام نے کہا کہ یہ سُرخ گنینہ انھیں خاتون کو دے دیا جائے جنھیں راستے میں پڑا ہوا ملا ہے، یہ امام حسینؑ نے اُن کو عطا کیا ہے۔ زیارت سے واپسی پر اُن کے فرزند سید ظہیر حسن کے فرزند اکبر سید محسن اختر ۱۹۴۰ء میں پیدا ہوئے۔ وہ سُرخ گنینہ انھوں نے تعویذ کے ساتھ پوتے کے گلے میں پہنا دیا۔ عرصے تک وہ سُرخ گنینہ خاندان میں موجود رہا اور بعد میں جو اولادیں پیدا ہوئیں سب کے گلے میں پہنایا جاتا تھا، اُس کے بعد وہ سُرخ گنینہ کہاں گیا پتہ نہ چلا۔

رشتے داری کی پہچان:

امام باندی نے حافظہ خدا داد پایا تھا۔ اُن کے زمانے میں عام طور سے لڑکیوں کو پڑھایا لکھایا نہیں جاتا تھا۔ انھیں نماز، چند سورہ، دعائیں اور چند مناجات و مناقب یاد

تھے۔ اُنھوں نے پڑھا نہیں تھا لیکن حافظے میں مصطفیٰ آباد کی پوری تاریخ محفوظ تھی۔ اب افسوس ہوتا ہے کہ کاش اُنھوں نے جو جو کچھ بتایا تھا سب لکھ لیا جاتا، اُنھیں مصطفیٰ آباد کے ہر خاندان کی قدیم سے قدیم رشتے داریاں اور اُن کی اولاد کے نام یاد تھے۔ مانک پور، رسول پور، بازید پور، کڑا، سلون، اونچا گاؤں، منڈ واسادات، فتح پور ہنسوہ، کرہ، کرولی، ایرایاں، بہیرہ، کہرا، تیننی، اور بنی، پرشدے پور، تنک کی رشتے داریاں یاد تھیں۔ سادات کی بستیوں میں جہاں جہاں مصطفیٰ آباد کی رشتے داری تھی نام بنام رشتے داروں کا تعارف اُن کے سامنے اور اُن کی عدم موجودگی میں اپنی اولاد سے بار بار کرتی رہتی تھیں۔

اُن کی دادھیالی رشتے داری میں خود اُن کا اپنا پورا سسرال تھا۔ یوں کہیے ”آدھا آنگن سسرال اور آدھا آنگن میکا“ امام باندی بی بی چچا کے گھربیاہی تھیں، خسر کو چچا میاں کہتی تھیں، سید عنایت حسین اُن کے والد سید ذاکر حسین کے سگے چچا زاد بھائی تھے۔ اکثر چچا میاں کی باتیں کرتی رہتی تھیں۔ امام باندی بی بی کی دو سگی پھوپیاں تھیں۔ ایک پھوپی سیدہ بی بی ”پھانک بھیتر“ میں بیاہی تھیں، سید لیاقت حسین (چھ بھیا) کو۔ پھوپھی کی اولاد میں سگے پھوپ پی زاد بھائی سید آغا حسین عرف ”بچی میاں“ سگی پھوپ پی زاد بہنیں حمید النساء عرف ”مدا بی بی“، غفور النساء عرف ”گھو ابی بی“، ریاض النساء عرف ”ریاض بی بی“ کی باتیں اکثر اپنی اولاد کو سناتی تھیں اور اُن کی اولاد کا ذکر نہایت محبت سے کرتی تھیں۔ دوسری پھوپھی چندر مانی بی ”بھتری گاؤں“ میں سید علی مقتدا کو بیاہی تھیں۔ اُن کے بیٹوں میں سید محمد علی عرف ”مٹا میاں“، سید علی عباس عرف ”بسی میاں“ اور پھوپ پی زاد بہن بنیاد فاطمہ عرف ”بندا بی بی“ کا تذکرہ بار بار کرتی تھیں۔ اکثر کہتی تھیں ”بندو بو“ ہم سے تیرا برس بڑی ہیں“ رائے بریلی میں جب ”بندا بی بی“ کا انتقال ہوا۔



اطلاع ملتے ہی رائے بریلی روتی ہوئی روانہ ہو گئیں۔

اتفاق سے دونوں پھوپھیوں کے انتقال کے بعد سید لیاقت حسین نے امجد النساء بی بی سے اور سید علی مقتدا نے مٹی بی بی (سلون) سے دوسرا عقد کر لیا۔ امام باندی بی بی نے تاحیات وضع داری نبھائی اور پھوپھیوں کے انتقال کے بعد بھی دونوں خواتین کو پھوپھی کی جگہ سمجھتی رہیں۔ مہینہ یا ڈیڑھ مہینے بعد پھوپھی کے گھر ”بھتری گاؤں“ ڈولی پر تشریف لے جاتی تھیں لیکن کبھی تنہا نہیں بلکہ ہمیشہ چار خواتین ساتھ میں جاتی تھیں۔ اسیر فاطمہ عرف اسیرن بی بی، سیکہ نیگم عرف پھندن بی بی، نظیر بانو زوجہ سید اکبر حسین، تقریباً ایک بجے یہ چاروں خواتین ”بھتری گاؤں“ سید علی مقتدا کے یہاں پہنچتی تھیں اور بعد مغرب واپس آتی تھیں۔ ”بھتری گاؤں“ میں اس گھر کے علاوہ امام باندی بی بی کسی اور خاندان میں نہیں جاتی تھیں۔ اس گھر سے دوسری رشتے داری یہ بھی تھی کہ ان کی سگی بڑی بہن رفیق النساء عرف رپھابی بی بی اس گھر کی بہو تھیں، وہ سید محمد علی عرف منٹا میاں کو بیاہی تھیں۔ امام باندی بی بی کی دو بہنیں تھیں جو ان سے پہلے ہی انتقال کر گئیں، چھوٹی بہن انیس فاطمہ عرف اچھوا بی بی کی شادی ظن حسین منڈ واسادات سے ہوئی تھی۔ چھوٹی بہن سے بے پناہ محبت کی ہی وجہ سے اپنے بڑے فرزند سید وزیر حسن کی شادی بھانجی کینر فاطمہ عرف کجا سے کی تھی۔

رفیق النساء عرف رپھابی بی بی اور انیس فاطمہ عرف اچھوا بی بی کے فرزند ان سید محمد حسن عرف ننھے میاں اور سید نہال حسین دونوں بھانجوں پر جان چھڑکتی تھیں۔ رفیق النساء عرف رپھابی بی بی کے فرزند ننھے میاں تو مصطفیٰ آباد میں رہتے تھے اور روزانہ صبح کو خالہ اماں کی مزاج پرسی کو آ جاتے۔ انیس فاطمہ عرف اچھوا بی بی کے فرزند سید نہال حسین کا مستقل قیام لکھنؤ میں رہتا تھا اپنے وطن منڈ واجاتے تھے تو پہلے مصطفیٰ آباد میں

خالہ اماں کی قدم بوسی کرتے پھر منڈوا جاتے تھے۔ ماں کی محبت اُن سے حاصل ہوتی تھی کہاوت مشہور ہے ”ماں مرے خالہ جیے“! دونوں بھانجوں کی اولاد کو بھی انھوں نے ہمیشہ حقیقی پوتے اور پوتیاں سمجھ کر سینے سے لگائے رکھا۔

امام باندی بی بی کی دُونندیں تھی اور وہ نندوں کو سگی بہن سمجھتی تھیں جبکہ وہ چچا زاد بہن تھیں۔ بڑی چچا زاد بہن اکرام النساء عرف اکا بی بی نے بہت جلد ہی وفات پائی لیکن دوسری بہن اسیر فاطمہ عرف اسیرن بی بی عرصے تک حیات رہیں۔ امام باندی بی بی نے کبھی اُن کا نام نہیں لیا ہمیشہ ”بی بی“ کہتی تھیں۔ اُن کی اولاد کو مثل اپنی اولاد کے سمجھتی تھیں۔ اُن کی وفات پر امام باندی بی بی ہفتوں بین کر کے روتی رہیں۔

اکرام النساء عرف اکا بی بی کے انتقال کے بعد اُن کے صاحبزادے سید حبیب حیدر عرف الن میاں اور اُن کی صاحبزادی طیبہ بی بی کم سنی کے عالم میں ممانی کی گود میں پلے اور بڑھے۔ طیبہ بی بی کو وہ بہت چاہتی تھیں اور اُن کی اولاد کو مثل سگے نواسوں کے سمجھتی تھیں۔

امام باندی بی بی کی نانھیالی رشتے داریاں دور دور تھیں۔ خاص طور سے منڈوا سادات قابل ذکر ہے۔ امام باندی بی بی کی والدہ خیرات بانو عرف ینا بی بی پانچ بہنیں تھیں۔ امام باندی بی بی اپنے نانا سید غلام عباس رئیس مصطفیٰ آباد اور نانی سراج النساء بی بی کا ذکر بڑے احترام سے کرتی تھیں۔ فرماتی تھیں ہمارے نانا کی دو شادیاں ہوئی تھیں، دو بیٹیاں پہلی بیوی سے چھٹان بی بی اور صغریٰ بی بی تھیں اور سراج النساء بی بی سے تین بیٹیاں خیرات بانو، افضل النساء اور بدر النساء تھیں۔ امام باندی بی بی کے تین خالہ زاد بھائی تھے، سید مظہر حسین عرف مجومیاں (چھٹان بی بی کے اکلوتے فرزند) سید اشفاق حسین عرف گھوری میاں (فرزند صغریٰ بی بی) سید فرخ حسین (فرزند بدر النساء



بی بی) تینوں خالوں اور خالہ زاد بھائیوں کا ذکر کرتی تھیں۔ بھائیوں سے محبت کا ہی نتیجہ تھا کہ خالہ زاد بھائی سید مظہر حسین عرف مجومیاں کی پوتی محسنہ بیگم کی شادی اپنے چھوٹے بیٹے سید ظہیر حسن سے کی تھی۔ سید فرخ حسین کے انتقال پر مصطفیٰ آباد کی خواتین امام باندی بی بی کے پاس تعزیت ادا کرنے آئی تھیں۔

امام باندی بی بی کے نانا کی والدہ خیر النساء عرف خیر بی بی مصطفیٰ آباد کے مشہور رئیس سید فرزند محمد عرف باسومیوں کی صاحبزادی اور سید نبی بخش کی سگی بہن تھیں۔ گویا پر نانی کا مکان مصطفیٰ آباد کا مکان سنگین تھا۔

سید غلام عباس کے ایک بھائی سید امداد حسین تھے اُن کی بیٹی عطیج النساء عرف عطفا بی بی، امام باندی بی بی کی والدہ خیرات بانو عرف مینا بی بی کی سگی چچا زاد بہن تھیں۔ عطیج النساء عرف عطفا بی بی امام باندی کی خالہ ہوتی تھیں۔ ان خالہ کی ایک بیٹی وحی الزہرا عرف زہرا بی بی اُن کے خالہ زاد بھائی سید فرخ حسین کی زوجہ تھیں۔ زہرا بی بی اور سید فرخ حسین کے فرزند سید قمر رضا (منڈ واسادات) اور بیٹیاں انوار فاطمہ بی بی اور چندہ بیگم، امام باندی کو اچھی اماں کہتے تھے۔ انوار فاطمہ بی بی انتقال سے چند دن قبل منڈوے سے برائے علاج لکھنؤ لائی گئی تھیں اُنھوں نے گنگا پار کرتے ہی کہا روں سے کہا کہ مجھے سید دیانت حسین عرف دو میاں کے دروازے لے چلو وہاں ہماری اچھی اماں رہتی ہیں ہم مرنے سے پہلے ایک بار اُنھیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اب ایسی محبتوں کی مثالیں کم ہی نظر آئیں گی، لیکن:-

”ایسے چراغ بجھ نہیں سکتے زمانے میں“

امام باندی بی بی کے نانا سید غلام عباس رئیس مصطفیٰ آباد کی دو بہنیں تھیں۔ رحم النساء اور نور النساء۔ دونوں کی اولاد خیرات بانو عرف مینا بی بی کی پھوپھی زاد بہن اور بھائی

تھے۔ سید صادق حسین (منڈ واسادات) رحم النساء کے اکلوتے فرزند تھے اور خیرات بانو عرف مینابی بی کے سگے پھوپھی زاد بھائی۔ امام باندی بی بی کے ماموں ہوئے۔ اُن کی اولاد میں سید ظن حسین، سید غلام حسین عرف گلو میاں، وہیب النساء عرف بٹن بی بی، صبح النساء عرف صُتن بی بی اور اسرار فاطمہ عرف اَسن بی بی یہ تمام بھائی بہن امام باندی بی بی کے ماموں زاد بھائی اور بہن تھے۔ ان سے انھیں بہت محبت تھی۔ سید ظن حسین تو سگے بہنوئی ہو گئے تھے، سید غلام حسین عرف گلو میاں اکثر و بیشتر بہن سے ملنے آیا کرتے تھے۔ وہب النساء عرف بٹن بی بی مصطفیٰ آباد میں بیاہ کر آگئی تھیں، دونوں میں بے پناہ محبت تھی۔ بٹن بی بی کی اولاد انھیں خالہ امان کہتی تھی۔ خیرات بانو عرف مینابی بی بی کی دوسری پھوپھی نور النساء بی بی تھیں۔ ان کی اولاد میں سید فیاض حسین، سید حسن اشرف، سید مرتضیٰ حسین، سید مصطفیٰ حسین، سید احسان حسین اُن کے ماموں تھے اور ایک دختر خدیجہ بی بی خالہ تھیں۔ ان سب کی اولاد میں سید مرتضیٰ حسین اور سید تحسین حسین (فرزند ان سید مرتضیٰ حسین) کا ذکر ہمیشہ کرتی رہتی تھیں۔ ارتضیٰ میاں اُن کے ماموں زاد بھائی تھے وہ کر بلا بھی اُن کے ساتھ گئے تھے جب تک ہندوستان میں رہے بہن سے ملاقات کے لیے آتے رہتے تھے۔ امام باندی بی بی اُن کو مثل سگے بھائیوں کے سمجھتی تھیں۔

امام باندی بی بی کی والدہ خیرات بانو عرف مینابی بی کا دادھیال اور نانھیال دونوں خالص مصطفیٰ آباد کے تھے۔ مینابی بی کی والدہ سراج بانو تھیں اور ناننا مصطفیٰ آباد کے ممتاز ترین رئیس میر الہی بخش تھے۔ مینابی بی کی چار سگی خالائیں تھیں، ثروت النساء، صحت النساء، فیاض النساء، اور بنی فاطمہ۔ ثروت النساء کے ایک فرزند سید عنایت حسین تھے گویا مینابی بی کے سگے خالہ زاد بھائی۔ یہ امام باندی بی بی کے ماموں بھی تھے، چچا



بھی تھے اور خسر بھی تھے۔ مینا بی بی کی دوسری خالہ صحت النساء بی بی کے فرزند سید مجتبیٰ حسین اور بیٹی ولین بی بی تھیں۔ یہ دونوں امام باندی کے ماموں اور خالہ تھیں۔ ولی النساء عرف ولین بی بی اپنی بھانجی امام باندی بی بی سے بہت زیادہ محبت رکھتی تھیں۔ مینا بی بی کی تیسری خالہ فیاض النساء تھیں۔ ان کے فرزند سید امیر حسین اور تین بیٹیاں آمنہ بی بی، خدیجہ الکبریٰ اور سرفراز النساء، مینا بی بی کی سگی خالہ زاد بہنیں تھیں، امام باندی کی خالائیں تھیں۔ خدیجہ الکبریٰ کے فرزند سید انجم حسین، امام باندی بی بی کے خالہ زاد بھائی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سید انجم حسین کی دونوں بیٹیاں سیدہ بیگم عرف عطن بی بی اور صادقہ بیگم عرف سدن بی بی کو مثل سگی بھتیجیوں کے وہ عزیز رکھتی تھیں۔ تعلقہ داری ختم ہو جانے کے بعد جب سب کچھ ختم ہو گیا تو سدن بی بی کی خبر گیری امام باندی بی بی کرتی رہیں، سید دیانت حسین کی پھوپھی کے بیٹے تھے سید انجم حسین اس لیے اُن کی اولاد سے دوہری رشتے داری تھی۔ خیرات بانو عرف مینا بی بی کی چوتھی خالہ بنی فاطمہ بی بی تھیں۔ اُن کی اولاد میں سید ناظم حسین اکثر چٹی سے آیا کرتے تھے اور اُن کے فرزند سید آل حسن جو رشتے میں امام باندی بی بی کے ماموں زاد بھائی ہوتے تھے وہ اُن سے ملنے کے لیے اکثر آتے رہتے تھے۔

امام باندی بی بی کی ایک اور خالہ سرفراز النساء بی بی تھیں جن کی اولاد میں سید محبوب عرف کلو میاں اور دو بیٹیاں اُم الحسین عرف اُمّ بی بی اور ولایت فاطمہ عرف چاندنی بی بی تھیں۔ یہ امام باندی کی خالہ زاد بہنیں ہوتی تھیں۔ مصطفیٰ آباد کے قیام میں بڑی بہن سے ملاقات کے لیے ضرور آتی تھیں۔

امام باندی اِن تمام عزیز اور رشتے داروں کا ذکر ان کی عدم موجودگی میں نہایت محبت سے کرتی تھیں۔ صرف بیٹوں اور بہوؤں سے نہیں بلکہ پوتوں اور پوتیوں کو بھائیہ

رشتے داریاں یاد کراتی رہتی تھیں۔

اُن کے سرالی رشتے داروں میں سگے دیور صرف ایک تھے سید اکبر حسین اُن کو وہ چھوٹا بھائی بلکہ فرزند کی طرح سمجھتی تھیں۔ اکثر بیٹوں کی طرح اُن کو محبت میں ڈانٹ پھٹکا دیتی تھیں، محبت سے اُنھیں چھوٹے میاں کہہ کر مخاطب کرتی تھیں۔ اُن کے شوہر سید عنایت حسین کے سگے خالہ زاد بھائیوں میں سید عطا حسین، سید نائب حسین، سید محمد تقی، سید محمد عسکری، سید محمد صادق، سید محمد نظیر تھے۔ یہ سب بھائی اُن کے دیور تھے اور اُنھیں ”بھانج“ کہتے تھے۔ اُن سے ملنے آتے کچھ دیر بیٹھے وہ بٹوے سے ڈلی بنا کر دیتی تھیں، سید محمد تقی کو تقی میاں یا سچھلے میاں کہہ کر مخاطب کرتی تھیں، سید محمد عسکری کو ہمیشہ ”تھانے دار“ کے لقب سے پکارتی تھیں۔ ان تمام بھائیوں کی اولاد اُنھیں ”بڑی چچی“ کہہ کر مخاطب ہوتے تھے۔ سید محمد تقی کی صاحب زادی جبرن النساء عرف جٹابی بی کو سب سے زیادہ چاہتی تھیں اس کے بعد سید محمد تقی کی بڑی بہن فیاض النساء عرف چھدا بی بی کی صاحبزادی ہاجرہ بی بی سے محبت اور انسیت تھی۔

سید محمد عسکری کی صاحبزادی عطیہ فاطمہ سے بہت محبت کرتی تھیں اور غائبانہ اُن کا ذکر کرتی رہتی تھیں۔ سید علی تقی کی زوجہ کو ”سلطان بہو“ کہتی تھیں اور اکثر کہتی تھیں کہ جب ”سلطان بہو“ نے ہماری چھوٹی بہو زوجہ سید ظہیر حسن کی رونمائی کے وقت دیکھا تو کہا ”چندے آفتاب و چندے ماہتاب“ بہو آئی ہے۔ بعد میں کہتی تھیں کہ دو میاں کی بہو جب ہنستی ہے تو ایک ستارا چمک جاتا ہے۔ ”سلطان بہو“ کے الفاظ امام باندی بی بی اکثر دہرایا کرتی تھیں۔ اُن کے فرزند سید محمد وصی عرف کلن میاں اور سید غلام حسین اُن کو دیکھنے اکثر آتے رہتے تھے اور وہ اُنھیں فرزندوں کی طرح سمجھتی تھیں۔



## وضع داری:

امام باندی بی بی سادہ مزاج، نیک دل، خدا ترس خاتون تھیں۔ اُن کا لباس سادہ اور صوفیانہ ہوتا تھا۔ سیاہ سوپ کا چوڑی دار پانجامہ ہوتا تھا، لیکن اوریب نہیں بلکہ سیدھا ہوتا تھا صرف ایک بالشت کی اوریب گوٹ نیچے لگائی جاتی تھی۔ کرتا یا قمیص سفید چکن کی یا کسی ہلکے رنگ کا ڈوریا کا ہوتا تھا۔ دوپٹہ ملل یا جنگل باڑی کا کلف دے کر چٹا جاتا تھا۔ صرف تین رنگ کے دوپٹے اڑھتی تھیں، ہلکا گلابی، کاسنی اور بادامی لیکن اتنے ہلکے رنگ ہوتے تھے کہ دور سے سفید کا گمان ہوتا تھا۔ ہاتھوں میں سیاہ رنگ کی کریلی چوڑیاں آگے کی طرف ایک ایک سنہرا کڑا، ہاتھ میں فیروزے کی اور عقیق کی انگوٹھی جو وہ کر بلا سے لائی تھیں۔ پیر میں چمڑے کی نوکیلی جوتیاں، فیروزی رنگ کبھی نہیں پہنتی تھیں بلکہ گھر میں بہوؤں اور پوتیوں کو بھی فیروزی دوپٹہ اور فیروزی چوڑیاں استعمال کرنے کے لیے منع کرتی تھیں۔ ہلکی سردی میں سفید دو لائی اور گوٹ لگی خوبصورت رضائی اڑھتی تھیں۔ ڈلی تمباکو لکھنؤ سے استعمال کے لیے آتا تھا۔ اپنا بٹوہ ساتھ رکھتی تھیں۔ مصطفیٰ آباد کی مجلسوں میں نشست مقرر تھی ہمیشہ وہیں تشریف فرما ہوتی تھیں۔

جمادی الثانی میں حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کے تابوت میں ہمیشہ تابوت کے پاس بیٹھتی تھیں اور مسلسل گریہ کرتی رہتی تھیں۔ سواری میں ڈولی کا استعمال ہوتا تھا جس پر پردے پڑے رہتے یا پھر گھر کی پاکلی استعمال ہوتی تھی جسے دو کبار اٹھاتے تھے۔ ڈولی کے ساتھ نائن یا کوئی دوسری نوکرانی ساتھ میں پیدل چلتی تھی۔ آخر عمر میں جوان پوتی گلینہ بیگم کے انتقال کے سبب اتنا گریہ کیا کہ آنکھوں کی مینائی پر اثر پڑا، آنکھیں بنوائی گئی تھیں اس لیے عینک استعمال کرتی تھیں۔ انھیں کسی نے کبھی کوئی زیور پہنے ہوئے

نہیں دیکھا۔ ریشمی کپڑے پہنے ہوئے بھی کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔

زندگی کے آخری حصے میں مصطفیٰ آباد سے لکھنؤ اپنے چھوٹے فرزند سید ظہیر حسن کے یہاں آگئی تھیں۔ سید دیانت حسین بڑے فرزند کے اصرار پر پاکستان چلے گئے تھے۔ اُن کے جانے کے بعد علیل ہو گئیں، زیادہ عرصے زندہ نہ رہ سکیں۔

امام باندی بی بی کی وفات:

بیاری انھیں کسی قسم کی نہیں تھی، معمولی نزلے اور بخار نے انھیں لاغر کر دیا تھا۔ لکھنؤ کے مشہور ڈاکٹر، ڈاکٹر ٹی بہادر کا علاج ہوتا رہا۔ انتقال سے ایک دن پہلے شب میں باتیں کرتے کرتے بہو (محسن بیگم) سے کہا کہ مجھے سورۃ یسین، دعائیں، آئمہ طاہرین کے نام اور کلمہ پڑھوادو، ہم نے اپنی ماں خیرات بانو بی بی کو خواب میں دیکھا ہے۔ انتقال کی شب میں ایک نورانی بی بی کو خواب میں دیکھا اور بیان کیا کہ ہمارے سامنے ایک خوبصورت بی بی کھڑی ہوئی ہیں۔

بروز اتوار ۷/رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ مطابق ۲/فروری ۱۹۶۳ء کو لکھنؤ میں انتقال کیا۔ ملکہ جہاں کی کر بلا لکھنؤ میں حضرت عباس علیہ السلام کے روضے کے دروازے کے سامنے مدفون ہوئیں۔ سوئم کی مجلس محلہ وزیر گنج کے امام باڑے ڈپٹی محمد عظیم میں مولانا کلب صادق صاحب قبلہ نے اور چہلم کی مجلس مولانا سید مظفر حسین طاہر جرولی نے پڑھی تھی۔ چہلم کی مجلس میں مصطفیٰ آباد کے مومنین اور خاندان کی خواتین نے شرکت کی تھی۔

سید دیانت حسین کی سیرت اور کردار:

سید دیانت حسین کی وضع قطع اُس عہد کے شرفاء و رؤسا سے الگ نہ تھی۔ درمیانہ قد، تندرستی بہت اچھی نہ زیادہ دبلے نہ موٹے تازے بلکہ متناسب جسم، کھلتا ہوا گندمی



رنگ، جوانی میں سر پر پٹے رکھتے تھے۔ بعد میں سر کے بال مشین سے باریک گھٹے ہوئے ہوتے، نوک دار مونچھیں، خشخشی باریک داڑھی، گرمیوں میں لکھنوی گرتے پہنتے تھے، علی گڑھ طرز کا سفید پانجامہ، سردیوں میں گرم کپڑے کی قمیص اور گرم شروانی، کبھی کبھی جام دار کی شروانی پہنتے تھے، سلپر لکھنؤ کے مولویوں جیسی پہنتے تھے۔ جب کہیں جاتے تو براؤن اور سفید چڑے کے جوتے پہنتے تھے۔ شروانی کے جیب میں زنجیر لگی ہوئی جیسی گھڑی ہوتی تھی، روپہلی زنجیر جیب کے باہر شروانی کے کسی درمیانی کاج بٹن سے منسلک ہوتی تھی۔ ہاتھ میں خوبصورت چھڑی رہتی تھی۔ ضعیفی میں کمر نہیں جھکی تھی، اُن کی بینائی بدستور رہی کبھی چشمہ نہیں لگایا، بڑھاپے میں بغیر چشمے کے لکھنؤ کا اخبار قومی آواز پورا پڑھتے تھے۔ ٹھٹھے کے علاوہ کوئی دوسرا شوق نہیں تھا۔ ٹھٹھے کی چلم اور تمباکو میں خاص اہتمام ہوتا تھا۔ تمباکو خیرے والا لکھنؤ سے تیار کروا کر بھیجا جاتا تھا۔ گھر میں خوبصورت کبوتر شیرازی، لقا، لمب دُما وغیرہ پلے ہوئے تھے، شکاری کُتے گھر سے باہر کچے احاطے میں پلے ہوئے تھے۔ کُتوں کے نام یہ تھے، ایک ”کُتا“ ”گرجا“ تھا یہ گرجتا ہوا شکار پر حملہ آور ہوتا تھا۔ دوسرے کُتے کا نام ”تڑپا“ تھا یہ تڑپتا ہوا شکار کو دبوچ لیتا تھا۔ ایک کُتیا تھی جس کا نام ”بجلی“ تھا۔ یہ دونوں کُتوں کے ساتھ شکار کو گھیر کر مارتی تھی۔ اکثر لکڑ بگھے جو گاؤں کے بچوں کو اٹھالے جاتے تھے۔ انھیں کُتوں کے ذریعے پکڑے گئے۔ آخری زمانے میں ایک کُتا ”نامی“ بھی تھا۔ اِن جانوروں کے تفصیلی حالات کے لیے ایک الف مضمون کی ضرورت ہے۔ گھر میں ایک گھوڑی بھی تھی جس پر اُن کے چھوٹے بھائی زمینوں پر حصول و تحصیل کے لیے جایا کرتے تھے۔

سید دیانت حسین ہمیشہ مکان کے مردانے حصے میں رہتے تھے۔ بچہ درآپ کے استعمال میں رہتا تھا۔ پورے دالان میں ایک سمت کرسیاں بچھی رہتی تھیں، درمیان

میں چار تخت کے خوبصورت چوکے بچھے رہتے جس پر سفید چاندنی بچھی ہوتی اور گاؤ  
تکیے رکھے رہتے، چھت میں پنکھا لٹکتا رہتا جسے ملازم کھینچتا تھا۔ تخت کے چوکے کے  
دونوں جانب مسہریاں بچھی رہتی تھیں۔ ایک سمت پانچ بڑے مونڈھے اور دو چار  
چھوٹے چھوٹے مونڈھے رکھے رہتے۔ سید دیانت حسین کا پلنگ نواڑ سے بنا ہوا شیشم  
کے خوبصورت پائے کا تھا۔ شام کو یہ پلنگ صحن میں بچھا دیا جاتا بستر لگا کر گاؤ تکیہ رکھ دیا  
جاتا جس پر آپ تشریف فرما ہوتے تھے۔

صبح کی نماز پنج درے میں پڑھتے تھے، نماز کی چوکی مخصوص تھی، پنج درے کے آخری  
در کے سامنے وضو فرماتے تھے۔ وضو کرنے کی جگہ بڑی بڑی گھاس نکل آتی تھی جو ہفتے  
عشرے میں ایک مرتبہ کاٹی جاتی تھی۔ صبح کی نماز پڑھ کر اندرون خانہ جاتے تھے۔ صبح کو  
چلم اپنے ہاتھ سے بھرتے تھے۔ چولہے کی آگ کبھی بجھائی نہیں جاتی تھی بلکہ کھانا پکنے  
کے بعد راکھ میں انگاروں کو دبا دیا جاتا تھا، صبح کو وہ انگارے چلم میں بھرے جاتے  
تھے۔ کم سے کم ایک گھنٹے تک تھے سے شوق فرماتے تھے۔ اس کے بعد ناشتے کے لیے  
گھر میں تشریف لاتے تھے، ناشتہ کر کے شہروانی پہن کر گھر سے ٹہلنے نکلتے تھے اور  
سیدھے اپنی ہمیشہ اسیر فاطمہ عرف اسیرن بی بی کی خیریت دریافت کرنے اُن کے گھر  
جاتے لیکن وہاں بیٹھتے نہیں تھے بلکہ کھڑے کھڑے خیریت پوچھ کر واپس آ جاتے  
تھے۔ واپسی میں سید مصحف حسین عرف چٹھو میاں کے دروازے پر چھڑی سے کھٹکھٹا کر  
سید عباس حسین عرف لڈن میاں کی زوجہ صادقہ بیگم عرف سدن بی بی کو بلوا کر اُن کی  
خیریت دریافت کرتے، وہ رشتے میں اُن کی بھتیجی ہوتی تھیں۔ کبھی کبھی ”بھتری  
گاؤں“ خصوصی طور پر سید ذکی حسن کی زوجہ ہادیہ بیگم کی خیریت دریافت کرنے جاتے  
تھے جو انھیں ”ڈواموں“ کہتی تھیں۔ دروازے پر ملاقات فرماتے خیریت پوچھتے اور



واپس آجاتے تھے۔ واپس آکر دن کا کھانا کھانے کے لیے اندرون خانہ تشریف لے جاتے تھے۔ آپ کی اہلیہ امام باندی بی بی سینی میں کھانا سجا کر پلنگ پر آپ کے سامنے رکھ دیتی تھیں۔ کھانے میں بکرے کے گوشت کا سالن ضرور ہوتا تھا۔ مصطفیٰ آباد کے کھانوں میں بھیجا بھی پسندیدہ سالن تھا۔ کھانے کی سینی سے قریب پانی کا کٹورہ رکھا جاتا تھا۔ گرمیوں کے زمانے میں امام باندی بی بی ہاتھ میں پنکھالے کر جھلتی رہتی تھیں۔ جب تک آپ کھانا کھا کر باہر نہ چلے جاتے امام باندی بی بی وہاں سے نہ ہٹتی تھیں۔ دوپہر کے کھانے کے بعد ملازمہ چلم بھر کر دیتی تھیں۔ آپ چلم لے کر باہر جاتے تھے اور ابھٹے کا دور شروع ہو جاتا تھا۔ اس وقت ملاقاتی اگر آجاتے تو اُن سے گفتگو رہتی تھی ورنہ عام طور سے ملاقات کا وقت شام ۵ بجے کا مقرر تھا۔ دوپہر کے وقت بچہ درے کے پہلو میں جو کمرہ تھا اُس میں آرام فرماتے تھے۔ ظہرین کی نماز کے لیے سہ پہر کو اٹھ جاتے تھے۔ وضو کر کے نمازِ ظہرین پڑھتے تھے اور سہ پہر کے لیے تھکے بھر کر اندر سے آتا تھا۔ نمازِ مغربین صحن میں پڑھتے تھے۔ ایک بہت بڑا پتھر صحن میں رکھا ہوا تھا جس پر وہ نماز پڑھتے تھے۔ کہا جاتا ہے یہ پتھر مرزا پور سے آیا تھا۔ وہ پتھر اب تک موجود ہے:-

شام کو پلنگ نیم کے درخت کے نیچے بچھا دیا جاتا اور گاؤں کی لگا دیئے جاتے، پلنگ کے گرد مونڈھے رکھ دیئے جاتے، ملاقاتی آنے شروع ہوتے۔ آپ حقہ پیتے رہتے تھے اور گفتگو بھی فرماتے جاتے۔ سامنے کھیتوں کا دلکش منظر ہوتا۔ کھیتوں کے بعد خوبصورت تالاب نظر آتا اور تالاب کے پار باغات کا سلسلہ تھا، عجیب صحرا فریں سماں ہوتا تھا۔ نوکر شکور قریب ہی زمین پر بیٹھا نظر آتا۔ نیم کے سینکے اور نم کوری گرتی تو حکم تھا فوراً چن لیے جائیں، کوڑا کرکٹ نظر نہ آئے، صفائی کا بہت خیال رکھا جاتا تھا۔ پلنگ پر کمان نما غلیل رکھی رہتی جو بہت بڑی سی تھی، مٹی کے غلے ایک تسلی میں رکھے رہتے، نیم

کے درخت پر اگر کو آ کر بیٹھتا تو غلیل سے غلہ مار کر بھگا دیا جاتا، نشانہ بہت صاف تھا۔ چبوترے کے پاس سے کوئی کُتا نہیں گزر سکتا تھا، کُتے خوف زدہ رہتے، آپ کے ہاتھ میں غلیل دیکھ کر واپس بھاگ جاتے اور اگر زرد پر آ گیا تو بھٹا کر واپس جاتا، غلہ بہت زور سے لگتا تھا۔ چبوترے کے سامنے سڑک سے جو بھی گزرتا، انھیں سلام کرتا ہوا جاتا۔ ہندو لوگ بندگی کہہ کر جاتے تھے۔ اکثر فرماتے تھے کہ اسی سڑک پر پنڈت جواہر لال نہرو کسانوں کا جلوس لے کر نکلے تھے آپ اسی طرح اپنے پلنگ پر تشریف فرما رہے اور حقہ نوش فرماتے رہے۔ اکثر کوئی کہتا کہ آپ کو اٹھ کر اُن سے ہاتھ ملانا چاہیئے تھا۔ جواب میں فرماتے ہم کو کیا پڑی تھی جو اُن سے ہاتھ ملاتے!

مشاہیر سے مراسمِ دیرینہ:

سید دیانت حسین وضع دار، صاحبِ کردار، احباب کے لیے پُر خلوص مشیر، مددِ براہ اور منکسر المزاج انسان تھے۔ اُن کے عہد کے جتنے بھی مشاہیر تھے وہ مصطفیٰ آباد آتے تھے اور سید دیانت حسین کے یہاں مہمان ہوتے تھے۔ نواب احمد حسین تعلقہ دار پریانوال، اکبر الہ آبادی، علی میاں کمال، دولہا صاحب عروج، سید محمد آغا، مولانا سبط حسن صاحب قبلہ، مولوی سید ناصر حسین صاحب قبلہ سبھی سے بہت دیرینہ راہِ درسم تھی۔

مصطفیٰ آباد میں اُن کے سگے خالہ زاد بھائی سید محمد عطاء حسین عرف عطا میاں اُن کے ہم عصر تھے، دونوں میں بہت گہری دوستی تھی۔ گھنٹوں گفتگو کا سلسلہ قائم رہتا تھا۔ سید مصحف حسین عرف چٹھو میاں اُن سے عمر میں زیادہ تھے تقریباً ۱۰ یا ۱۲ برس بڑے تھے لیکن رشتے داری کے علاوہ دونوں میں بہت گہری دوستی تھی۔

سید مصحف حسین عرف چٹھو میاں اور سید دیانت حسین عرف دو میاں میں اکثر خط و کتابت ہوتی تھی ۱۹۱۵ء کے کچھ خطوط دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ سارے خطوط چٹھو میاں



نے سید دیانت حسین کو تحریر کئے ہیں۔ آج سے ۷۵ برس پہلے کے یہ خطوط محبت اور خلوص کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔

ان خطوط میں نواب پریانواں احمد حسین، سید محمد آغا (حیدر گنج لکھنؤ)، سید طالب حسین عرف تبومیان، میر حامد علی، جان صاحب اور چھدن میاں کا تذکرہ بار بار آیا ہے۔ خطوط کس سلسلے میں لکھے گئے ہیں۔ یہ بتانا بہت مشکل ہے۔ ہاں ان خطوط کے جواب میں سید دیانت حسین کے خطوط دستیاب ہوں تو معلوم ہو سکتا ہے کہ اصل مسئلہ کیا تھا۔ بہر حال اب خطوط پڑھیے۔

عزیزی سید دیانت حسین سلمکم۔

آج ۱۲ تاریخ آپ کا والا نامہ موصول ہوا مجھے آپ سے زیادہ اس روپے کی فکر ہے مگر اب حامد علی کے بھی اس وقت میرے پاس روپے نہیں ہیں، آغا صاحب سلمہ نے چند روز ہوئے مجھ سے کہا تھا تو میں نے یہی جواب دیا تھا کہ میرے پاس روپیہ موجود نہیں ہے یا مجھے ایک سال کی مہلت دی جائے جس کے نام کیسے دستاویز لکھ دوں اس بات پر، اس وقت میں موجود ہوں، اُن کے درمیان کی وجہ سے مجھے زیادہ تر خیال ہے مگر میں مجبور ہوں اور اس وقت دستاویز لکھنے کو موجود۔

مصحف حسین غفی عنہ

۱۴ جون

عزیزی سید دیانت حسین صاحب سلمکم!

بعد دعا کے واضح ہو کہ نواب صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ پر یائیں نہیں گئے، میں بھی اسی قدیم مرض کی وجہ سے نہیں جا سکا، اس وقت تک بتلا ہوں، اگر آپ

معاملہ کو قبل شروع ہونے شادیوں کے ختم کر دیتے تو نہایت مناسب تھا، اس لیے کہ شادیوں میں ذی الحجہ کا مہینہ قریب ختم ہوگا اس کے بعد محرم ہے اور بعد محرم تحصیل وصول کا زمانہ آجائے گا جس کی وجہ سے میں یہ معاملہ چاہتا ہوں، بارش کی وجہ سے ہم لوگ نہیں آسکے اور نہ ابھی دو چار دن موقع معلوم ہوتا ہے۔

مصحف حسین عفی عنہ

۸ اکتوبر ۱۹۱۵ء

عزیزی سید دیانت حسین صاحب سلمکم!

بعد دعا کے واضح ہو کہ آپ تو میرے عزیز ہیں۔ اگر عزیزی طالب حسین سلمہ نہ ہوں تو میرے نزدیک آپ ہی چلے جائیں اور کاغذات لے آئیں اگر کوئی ضرورت ہو تو میں چلا آؤں ورنہ بیکار آنے سے کیا فائدہ میں اس جمعہ کو شام تک آؤں گا۔

مصحف حسین عفی عنہ

۱۲ ستمبر ۱۹۱۵ء

عزیزی سید دیانت حسین صاحب سلمکم!

بعد دعا کے واضح ہو کہ آپ کا خط مجھے صبح کو ملا تھا لیکن بعد اس کے حسین بخش سے معلوم ہوا کہ آپ پر پائیں آئے ہیں اور یہاں سے قصد آنے کا ہے بعد انتظار میں آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں جس ضرورت کے لیے میں نے آپ کو بلایا تھا وہ اب میں کل آپ کے مکان پر آ کے کہوں گا اگر یہاں آپ آجاتے تو یہیں کہہ دیتا لیکن ایک بات ضروری ہے کہ بشرط امکان اگر روپے کی جگہ پر نوٹ اور بکتیاں مل سکتی ہیں تو بہتر ہے بابک گنج میں یا اور کسی سے انتظام کر لیجئے اس لیے کہ مجھے روپیہ لکھنؤ سے بھیجنا ہوگا اور رائے بریلی



سے اگر نواب صاحب توجہ فرمائیں تو شاید آسانی سے یہ کام ہو جائے آپ اُن سے میری طرف سے کہیں کہ ۵ ہزار یا اس سے کم روپے ہوں باقی نوٹ یا کتیاں ہوں مناسب ہے۔

مصحف حسین عفی عنہ

۱۶ ستمبر ۱۹۱۵ء

سلمکم۔ بعد دعا کے واضح ہو کہ آج میرا قصد آنے کا تھا لیکن صبح سے بارش ہو رہی ہے۔ اب انشاء اللہ کل سویرے میں آؤں گا۔ مجھے اس بات کا خیال ہے کہ مسودا ابھی تک میرے پاس نہیں آیا ممکن ہے کہ نواب صاحب اپنی لڑکی کی علالت کی وجہ سے جو پور چلے جائیں اور اُن کی غیبت میں مسودہ میں مجھے کچھ عذر ہو تو اُسے کون رفع کرے گا۔ نواب صاحب کا اس وقت ہونا ضرور ہے۔

فقط  
مصحف حسین عفی عنہ

۱۷ ستمبر ۱۹۱۵ء

عزیزی سید دیانت حسین صاحب سلمکم!

بعد دعا کے واضح ہو کہ آپ جانتے ہیں کہ یہاں نہ عزیزی طالب حسین ہیں اور نہ میری حامد علی، ۲۵ کو تحصیل میں کون جاسکتا ہے۔ میرے جانے میں یہ اچھا ہوگا کہ جان صاحب ہی کے مختار کے ذریعے سے درخواست دلوادوں گا۔ جب تاریخ معین ہوگی تو میں کسی شخص کو بھیج دوں گا یا خود ہی چلا جاؤں گا اُس وقت تک مجھے فرصت بھی ہو جائے گی۔ ٹھیکے کے بارے میں آپ خود ہی میرے مزاج و نقصان کو سمجھ سکتے ہیں اور اُن کو خود

۳۴۲

بھی خیال ہوگا اور مجھے یقین ہے کہ آپ حتی الامکان ضروری کوشش کریں گے۔ فقط

مصحف حسین عفی عنہ

۲۳ ستمبر ۱۹۱۵ء

سلمکم۔ بعد دعا کے واضح ہو کہ میں آپ کے خط کا جواب کل ہی مراتب علی کے ہاتھ روانہ کر چکا ہوں لیکن اس نے حماقت سے بھائی سجاد حسین صاحب کو دے دیا غالباً انھوں نے آج دیا ہوگا۔ اس وقت تو میرے پاس نہ عزیز علی حامد علی ہیں اور نہ طالب حسین لہذا میرے نزدیک جان صاحب کے مختار کے ذریعے سے درخواست دلوادیں جو تاریخ معین ہوگی میں اس تاریخ پر کسی کو بھیج دوں گا یا شاید میں خود ہی چلا جاؤں۔ پھدن کے لیے میں نے اُن سے کہہ دیا ہے کہ پندرہ انھیں بھیج دوں گا۔ اس وقت میرا حامد علی کے نہ ہونے سے جمع بندی بھی نہیں ہو سکتی جب وہ آئیں گے تو نقل کے بعد بھیجی جائے گی۔ میں نے خود بھی نواب صاحب سے ملنے کے لیے دریافت کیا تھا کہ اُن کو اطمینان ہوا یا نہیں چنانچہ انھوں نے لکھا ہے کہ ابھی میں مطمئن نہیں ہوں۔ میں اسی ہفتے میں اُن سے ملوں گا۔ ٹھیکے کا خیال ضروری ہے اور کوشش ہے خدا کرے آپ ہی کے ہاتھ سے مرے کل معاملات درست ہو جائیں۔ ایک تھیلی باقی ہے وہ میرا حامد علی کی واپسی پر بھیج دوں گا۔

مصحف حسین عفی عنہ

۲۴ ستمبر ۱۹۱۵ء

نورمیاں یا شاید جناب عرفان حسین عرف اُن میاں نے جناب دیانت حسین کے زمینداری کے مسائل پر ایک مسدس نہایت عمدہ مزاحیہ اسلوب میں تصنیف کیا ہے۔ اس طویل مسدس کے چند بند دستیاب ہو سکے، ہمارے گھر میں یہ پورا مسدس ایک سو



(۳۴۳)

بند سے زیادہ کا موجود تھا۔ بعد میں سید ظہیر حسن نقوی سے عطیہ فاطمہ پڑھنے کو لے گئی  
تھیں پھر وہ واپس نہ آیا۔

آبادہ ان دنوں جو ہیں بھٹکو فساد پر اکبر نے بھی کمر کو کسا ہے جہاد پر  
قصہ چھڑا ہوا ہے کسی جانداد پر

ایک جنگ روم و شام شروع ہونے والی ہے

آئین اور اودھ میں بُری چلنے والی ہے

دُتو بگڑ کے بولے کہ اے اکبر جری وہ جنگ ہو کہ پٹی میں پڑ جائے تھر تھری  
تم جھیلو اس کو شوق سے گر لاکھ ہو کڑی مجھن کو بھی مدد کو بلا لچو اُس گھڑی

ہنگام جنگ گرچہ کوئی قیل و قال ہو

تبا کی سی ڈپٹ ہو تو اتنا کی چال ہو

اکبر نے عرض کی کہ یوں ہی ہوئے گا حضور تعمیل حکم میں کبھی ہوگا نہ کچھ قصور

ہمراہ میرے سب ہیں جو انان پُر غرور جو جنگ میں ہیں ہر طرح ذی عقل و ذی شعور

جُمن سا پہلوان تو پیرو سا شیر ہے

پھر پٹی فتح کرنے میں کیا مجھ کو دیر ہے

یہ کہہ کے اسپ مادیہ پہ وہ نوجواں چڑھا ثابت ہوا کہ کوہ پہ پیل دماں چڑھا

رستم کی طرح رخس پہ وہ پہلواں چڑھا ماری جو ٹاپ گرد سوئے آسماں چڑھا

غل پڑ گیا زمانے سے تقدیر پھر گئی

ٹُرک فلک کے ہاتھ سے شمشیر گر گئی

جب سن سے بادِ پا پہ وہ ابلق نما چلی شیطان خوف کھا کے پکارا کہ یاعلیٰ!

مشرق میں تہلکہ ہوا مغرب میں کھلبلی بجلی تڑپ تڑپ کے پکاری کہ میں جلی

(۳۴۴)

گھوڑی تھی یا کہ قدرت پروردگار تھی!

اک جست میں جو دیکھا تو گنگا کے پار تھی!

سائے میں کر بلا کے جو پہنچا وہ شیرِ نر گونجا وہ یوں کہ ہل گئے پٹی کے بام و در

بولا کہاں ہے بھگتوئے نا اہل و خیرہ سر لے دیکھ آج نکلا ہے دریا سے وہ مگر

یا اپنی فوج لے کے مرا سامنا کرے

یا باقی تین سال کی فوراً ادا کرے

پہنچی صدایہ کان میں بھگتو کے ناگہاں انگڑائی لے کے خواب سے چونکا وہ نوجواں

### سید وزیر حسن نقوی

سید وزیر حسن، سید دیانت حسین عرف دو میاں کے بڑے صاحبزادے تھے۔

آپ ۱۵/۱۱/۱۹۰۵ء کو مصطفیٰ آباد میں پیدا ہوئے آپ کی ابتدائی تعلیم مصطفیٰ آباد

میں ہوئی۔ اس کے بعد رائے بریلی میں زیر تعلیم رہے۔ ۲۴ برس کی عمر میں جمعہ ۲۳/

رجب ۱۹۲۹ء میں آپ کی شادی امیر فاطمہ عرف کچن بی بی سے ہوئی۔ یہ شادی بہت

دھوم دھام سے ہوئی تھی، بارات میں ہاتھی بھی تھا، یہ بارات بذریعہ کشتی مصطفیٰ آباد

سے منڈوا سادات گئی تھی۔ امیر فاطمہ کے والد سید ظلّٰ حسین کا انتقال ہو چکا تھا ان

کے چچا ماسٹر غلام حسین نے شادی کے انتظامات کیے تھے۔ بارات اتنی بڑی تھی کہ

منڈوا سادات کے لیے انتظام سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ سید غلام سبطین اور سید ظفر

عباس عرف دلشاو میاں دونوں بھائیوں نے بہ حسن و خوبی انتظامات پر قابو پالیا۔

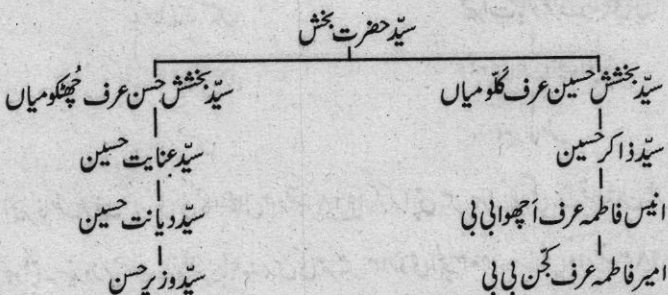
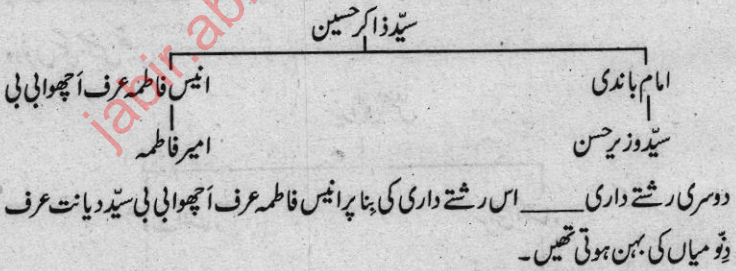
امیر فاطمہ عرف کچن بی بی زوجہ سید وزیر حسن منڈوا سادات کی تھیں۔ آپ سید ظلّٰ

حسین کی سب سے بڑی اولاد تھیں۔ آپ سید وزیر حسن کی سگی خالہ انیس فاطمہ عرف



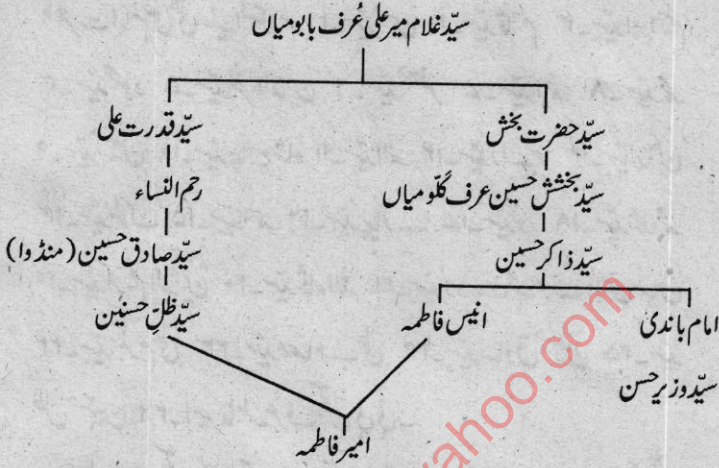
اچھوابی بی کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کا شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے:-

- حضرت امام علی نقی علیہ السلام ۱۔ سید حسن ۲۔ سید قاسم ۳۔ سید ابراہیم  
 ۴۔ سید محمود ۵۔ سید فخر الدین ۶۔ سید جعفر ۷۔ سید احمد ۸۔ سید محمد  
 ۹۔ سید حسین ۱۰۔ سید جان شاہ ۱۱۔ سید احمد ۱۲۔ سید راجے ۱۳۔ سید رجن  
 ۱۴۔ سید ملوک ۱۵۔ سید احمد ۱۶۔ سید پیارے ۱۷۔ سید نور ۱۸۔ سید شاہ محمد  
 ۱۹۔ سید کریم الدین ۲۰۔ سید ثناء اللہ ۲۱۔ سید دوست محمد عرف داسن میاں  
 ۲۲۔ سید مکرم علی ۲۳۔ سید مصاحب علی ۲۴۔ سید صادق حسین ۲۵۔ سید  
 ظن حسین ۲۶۔ امیر فاطمہ عرف کچن بی بی۔  
 امیر فاطمہ عرف کچن بی بی کی والدہ انیس فاطمہ عرف اچھوابی بی مصطفیٰ آباد کی تھیں۔  
 سید وزیر حسن اور امیر فاطمہ کی رشتہ داری کی تفصیل:-

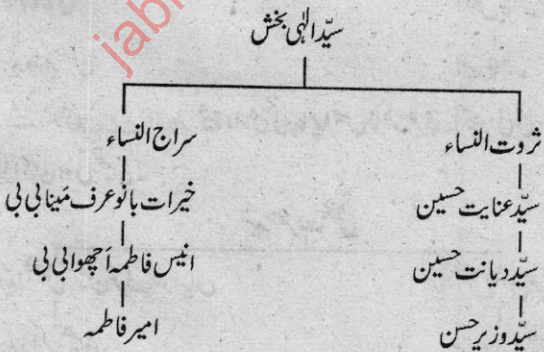


۳۴۶

تیسری رشتہ داری:-



چوتھی رشتہ داری \_\_\_\_\_ اس رشتہ داری کی بنا پر امیر فاطمہ کی پر نانی اور سید وزیر حسن کی پردادی دونوں سگی بہنیں تھیں۔

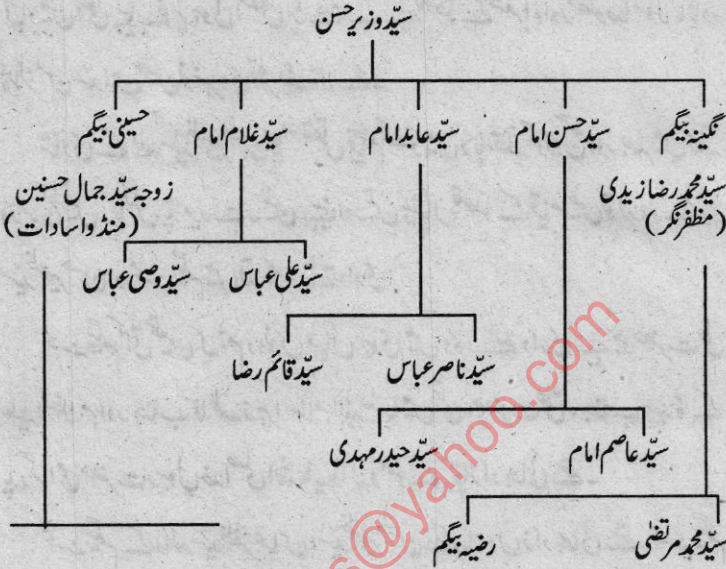


امیر فاطمہ عرف کچن بی بی کا انتقال ۲۴ ستمبر ۱۹۶۸ء کو کراچی میں ہوا۔ گورگی کے قبرستان میں تدفین ہوئی۔ سید وزیر حسن نے تقریباً ۷۹ برس کی عمر میں ۱۳ ارڈی الحجہ ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۸۴ء بمقام کراچی وفات پائی۔ ”جنت البقیع کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔“



(۳۴۷)

سیدوزیر حسن کی اولاد کی تفصیلات:



### سید ظہیر حسن نقوی

سید ظہیر حسن، سید دیانت حسین عرف دُتومیاں کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔  
 سید ظہیر حسن کی ولادت ۲ صفر ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۹۱۰ء بروز اتوار مصطفیٰ  
 آباد میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مصطفیٰ آباد میں ہوئی۔ سید انیس حیدر عرف انچھومیاں اور  
 اُن کی زوجہ سیکنے بیگم عرف پُھندن بی بی بنت سید محمد مہدی ادیب سے قرآن شریف  
 پڑھا۔ اسکول کی تعلیم رائے بریلی اور حسین آباد اسکول لکھنؤ میں حاصل کی۔  
 ۱۹۳۰ء میں میڈیکل اینڈ ہیلتھ ڈپارٹمنٹ میں ملازم ہو گئے۔ بسلسلہ ملازمت مراد  
 آباد لکھنؤ میں قیام رہا۔

۱۷ شعبان ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۳۵ء میں سید ظفر عباس عرف دلشاد میاں  
 کی بڑی صاحبزادی محسنہ بیگم سے شادی ہوئی۔ شادی کے وقت سید ظہیر حسن ۲۵ برس  
 کے تھے اور محسنہ بیگم کی عمر ۱۷ برس تھی۔ دونوں میں ۸ برس کا فرق تھا۔

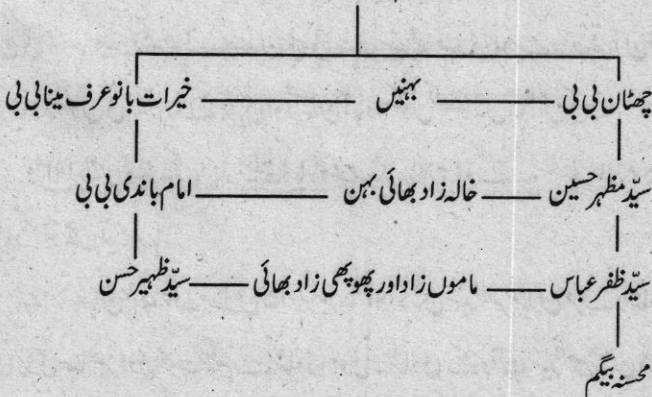
سید ظہیر حسن نقوی کی بارات مصطفیٰ آباد سے سلطان پور گئی تھی۔ دعوتِ ولیمہ مصطفیٰ آباد میں اعلیٰ پیمانے پر ہوئی، محفل پڑھنے کے لیے لکھنؤ کے شعراء اور خصوصاً مولانا نادر الزمیں سید ابن حسن نومہروی تشریف لائے۔

شادی کے بعد سید ظہیر حسن کا مستقل قیام لکھنؤ میں رہا، محلہ گولہ گنج اور بعد میں محلہ وزیر گنج میں رہائش پذیر رہے۔ تین بیٹے اور تین بیٹیاں لکھنؤ کے قیام میں تولد ہوئے۔ سید ظہیر حسن اور محسنہ بیگم میں قدیم رشتے داری:

محسنہ بیگم کہتی تھیں کہ ہم دونوں میاں بیوی میں وہ رشتے داری ہے جو حضرت علی علیہ السلام اور جنابِ فاطمہؓ رہا اسلام اللہ علیہا میں تھی، حضرت علیؓ، جنابِ سیدہ کے پدر گرامی حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔

محسنہ بیگم کے والد سید ظفر عباس، سید ظہیر حسن کے ماموں زاد بھائی تھے۔ محسنہ بیگم کے دادا سید مظہر حسین عرف جو میاں مصطفیٰ آباد کے نواسے تھے۔ سید ظہیر حسن کی والدہ امام باندی بی بی کے نانا اور محسنہ بیگم کے دادا سید مظہر حسین کے نانا ایک ہی تھے یعنی سید غلام عباس ابن سید قدرت علی ابن سید غلام میر علی عرف بابو میاں۔

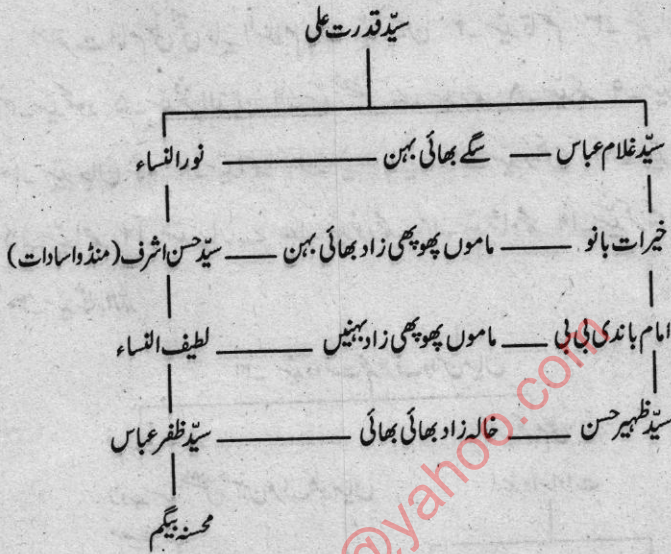
سید غلام عباس (مصطفیٰ آباد)



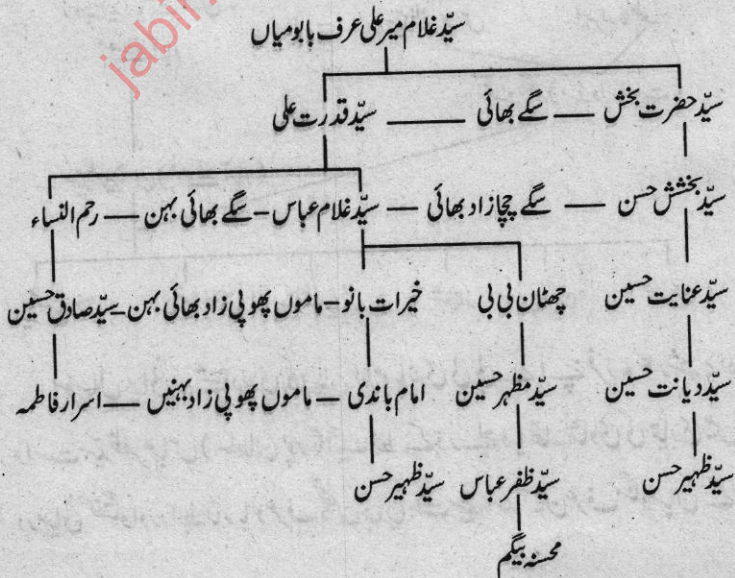


(۳۴۹)

محسنہ بیگم کے والد سید ظفر عباس کے نانا سید حسن اشرف بھی مصطفیٰ آباد کے نواسے تھے:-

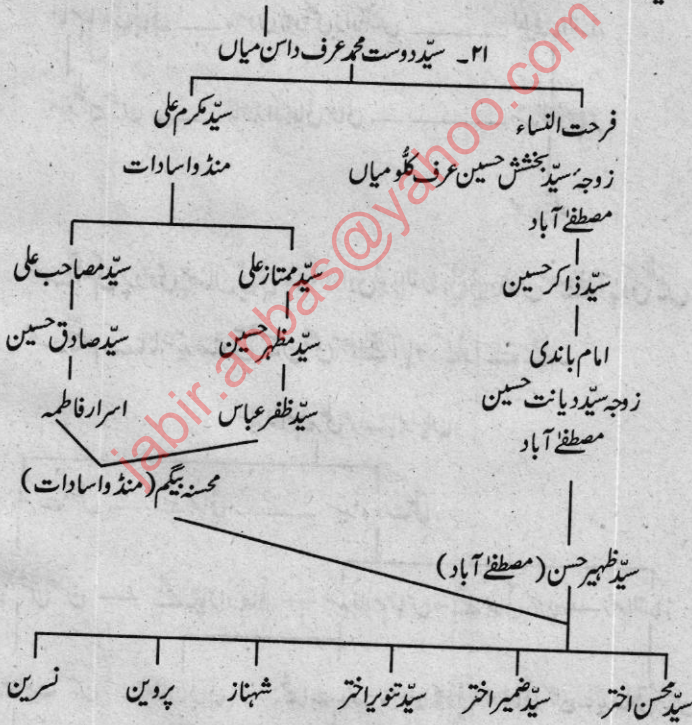


محسنہ بیگم کی پردادی چھٹان بی بی اور سگودادی نور النساء بی بی دونوں مصطفیٰ آباد کی تھیں۔  
محسنہ بیگم کے نانا سید صادق حسین بھی مصطفیٰ آباد کے نواسے تھے۔



محسنہ بیگم زوجہ سید ظہیر حسن کا شجرہ نسب:-

- حضرت امام علی نقی علیہ السلام ۱۔ سید حسین ۲۔ سید قاسم ۳۔ سید ابراہیم  
 ۴۔ سید محمود ۵۔ سید فخر الدین ۶۔ سید جعفر ۷۔ سید احمد ۸۔ سید محمد ۹۔ سید حسین  
 ۱۰۔ سید جان شاہ ۱۱۔ سید احمد ۱۲۔ سید راجے ۱۳۔ سید رجن ۱۴۔ سید ملوک  
 ۱۵۔ سید احمد ۱۶۔ سید پیارے ۱۷۔ سید نور محمد ۱۸۔ سید شاہ محمد ۱۹۔ سید کریم الدین  
 ۲۰۔ سید ثناء اللہ



سوسال پرانی رشتہ داری کی بنا پر امام باندی بی بی نے اپنے فرزند کا رشتہ براہ راست سید ظفر عباس (سلطان پور) ایک خط کے ذریعے دیا تھا۔ شادی کی تیاری میں درمیانی گفتگو اور رابطہ ثار بانو عرف نجمی بی بی بنت سید اسد حسین عرف منگو میاں کے



ذریعے سے ہوا جو کہ محسنہ بیگم کی سگی چچی اور امام باندی بی بی کی سگی پھوپھی زاد بہن بندابی بی کی صاحب زادی تھیں۔

سید ظہیر حسن کا قیام مستقل طور پر تقریباً ۳۵ برس لکھنؤ میں رہا۔ سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد ۱۹۷۰ء میں پاکستان آ گئے اور تاحال کراچی میں مقیم ہیں۔ (انتقال سے پہلے)

سید ظہیر حسن انتہائی شریف النفس، عبادت گزار، عزا دار، با اصول با کردار شخصیت کے مالک ہیں۔ عزیز رشتے دار اُن کے گرویدہ اور وہ پورے خاندان کے ہر غم اور خوشی میں شریک رہتے ہیں۔

سید ظہیر حسن اپنے ماں باپ سے اور بھائی سید وزیر حسن سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ محرم میں اپنے پورے خاندان کے ساتھ مصطفیٰ آباد جاتے تھے۔ اکثر کئی کئی مہینے قیام رہتا۔

سید ظہیر حسن کی والدہ امام باندی بی بی نے ۷/ رمضان مطابق ۳ فروری ۱۹۶۳ء میں لکھنؤ میں وفات پائی، مہینوں اُن کے لیے قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے گریہ طاری رہتا۔ یکم رجب مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۹۶۵ء میں اُن کے والد سید دیانت حسین کا انتقال کراچی میں ہوا۔ ۱۹۶۵ء کی پاک و بھارت جنگ ہو رہی تھی۔ خط و کتابت کا سلسلہ منقطع تھا۔ انتقال کی خبر بروقت لکھنؤ نہ پہنچ سکی اپنی ڈائری میں ظہیر حسن لکھتے ہیں:-

”والد ماجد کا انتقال پہلی رجب مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۹۶۵ء دوران جنگ کراچی میں ہوا، جنگ کے باعث ہم کو اطلاع ایک ماہ بعد ہوئی، جس کا قلق زندگی بھر باقی رہے گا۔“

سید ظہیر حسن کے بچپن کے دوستوں میں سید قمر عباس عرف بی میاں، سید محمد بسطین اور سید غلام حسنین نقوی ایڈوکیٹ تھے۔

لکھنؤ کے خاص دوست احباب میں مندرجہ ذیل حضرات شامل تھے:-

سید ظفر یاب حیدر زیدی (رجسٹرار علی گڑھ یونیورسٹی)

پروفیسر سید حسن یاور نقوی اور ان کے چھوٹے بھائی، جسٹس علی نصرت نقوی، سید خورشید احمد ایم اے ایل ایل بی ایڈیٹر ماہنامہ ”نیا دور“ لکھنؤ۔ پروفیسر علی جواد زیدی معروف شاعر، کثیر التصانیف ادیب و محقق ہیں۔ اتر پردیش اُردو اکادمی کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ مرزا واجد حسین ایڈوکیٹ (مصنف عورت کی عظمت) لکھنؤ میں پڑوسی تھے۔ اب کراچی میں قیام پذیر ہیں۔

پروفیسر احتشام حسین، مولانا سلیمان عباس (بنارس) دونوں حضرات سے گہرے مراسم تھے۔

مولانا حیدر حسین نکہت لکھنؤی، آپ رمضان المبارک میں مصطفیٰ آباد شریف لے جاتے تھے۔

مولانا یاور مہدی، لکھنؤ کے کسی کالج میں فارسی اور اُردو کے پروفیسر تھے اور مجالس بہت اچھی پڑھتے تھے خصوصاً ”مختار نامہ“ خوب پڑھتے تھے۔

ضیاء اللہ راجہ لکھیم پور، سے شکار کھیلنے کے سلسلے میں بہت دوستی تھی۔ سید ظہیر حسن جوانی میں شکار کھیلنے سے دلچسپی رکھتے تھے۔ کئی مرتبہ شیر کا شکار کھیلنے کا بھی اتفاق ہوا، اسی سلسلے میں راجہ ضیاء اللہ سے بہت دوستی تھی۔

سید خورشید حسن ایڈوکیٹ ڈاکٹر رفیق حسین اور ڈاکٹر سید اطہر عباس رضوی سے بھی بہت دوستی تھی۔

نصیر الملت مولانا سید محمد نصیر عبقاتی، سعید الملت مولانا سید محمد سعید عبقاتی اور مولانا کلب حسین اعلیٰ اللہ مقامہ سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔



